إتحاف الطلبة

بمايحصل من العلوم المتفرقة

از

عمر فاروق لوہاروی

ناشر

جامعہ ابوہریرہؓ

حضرت شیخ اجمیریؒ پارک، کوسمبا

ضلع سورت، گجرات (الہند)

پن:-۳۹۴۱۲۰

بسم الله الرحمن الرحيم

تفصیلات

نام کتاب............" إتحاف الطلبة بمايحصل من العلوم المتفرقة "

مرتب ....عمر فاروق لوہاروی

باہتمام............شعیب لوہاروی، جامعہ ابو ہریرہؓ ،کوسمبا، ضلع: سورت، گجرات

سن طباعت.........جمادی الاولی ۱۴۳۷ھ

تعدادِ اشاعت........۱۱۰۰

کمپیوٹر کتابت ....مولانا سلمان احمد پگوٹھنی، مدرسہ اسلامیہ وقف، سورت

ناشر..............جامعہ ابوھریرہؓ ،حضرت شیخ اجمیریؒ پارک ،کوسمبا، ضلع : سورت ، گجرات (الھند)

مطبع ....بھارت آفسیٹ، دہلی-۶

ملنے کے پتے

(۱) مولانا عبدالرحیم لوہاروی، جامعہ ابو ہریرہؓ، کوسمبا، ضلع: سورت، گجرات، انڈیا ۳۹۴۱۲۰

(۲) مفتی محمد یونس لوہاروی، مدرسہ مفتاح العلوم، تراج، ضلع: سورت، گجرات، انڈیا ۳۹۴۳۱۵

(۳) مولانا الیاس لوہاروی، جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل، ضلع: نوساری، گجرات، انڈیا

(۴) مفتی اسماعیل لوہاروی، دارالعلوم اشرفیہ، راندیر، ضلع: سورت، گجرات، انڈیا ۳۹۵۰۰۵

(۵) کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند، یوپی، انڈیا ۲۴۷۵۵۴

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

الحمد للّٰه رب العالمين . والصلاة والسلام علىٰ خاتم الأنبياء و المرسلين، وعلىٰ آله و اصحابه الغر الميامين ، و من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين .

امابعد!

الحمد للہ جامعہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کوسمبا، ضلع: سورت، گجرات، انڈیا کو برادر محترم حضرت مولانا مفتی عمر فاروق صاحب لوہاروی أطال الله بقائهم ذخراً للإسلام والمسلمين : **شیخ الحدیث دارالعلوم لندن کی ایک اور تالیف لطیف**: إتحاف الطلبة بما يحصل من العلوم المتفرقة **کی اشاعت کا شرف حاصل ہورہا ہے۔**

یہ کتاب ایک عرصہ قبل ترتیب دی جا چکی تھی اور کتابت کے مرحلے سے گزر چکی تھی؛ لیکن چند ناگزیر وجوہات کی بِنا پر اس کے منظر عام پر آنے میں تاخیر در تاخیر ہوتی رہی۔ اب اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے کتاب چھپ کر قارئین کے ہاتھوں میں ہے۔

اس کتاب میں اگر ایک طرف اعدادیہ کے طالب علم کو کچھ باتیں کام کی ہاتھ لگ سکتی ہیں، تو دوسری طرف دورۂ حدیث کا طالب علم بھی محروم نہیں رہے گا، إن شاء الله العزيز .

توقع ہے، کہ یہ کتاب طلبۂ عزیز کے جذبۂ طلب کو مہمیز کرے گی اور ان کی آتشِ علم وعمل کو فروزاں کرنے میں ممد ومعاون ثابت ہوگی، وماذلك على الله بعزيز .

اس کتاب کی طباعت میں جامعہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قدیم محسن محترم منیب الاسلام فاروقی صاحب مقیم حال لندن کا تعاون رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اور ان کے اہل وعیال کو صحت و عافیت کے ساتھ رکھیں اور دارین میں بہترین بدلہ عطا فرمائیں، آمین

آخر میں دست بدعا ہوں، کہ اللہ تعالیٰ اس تالیف کو مقبول فرمائیں، طلبۂ عزیز کے لیے نافع بنائیں اور اس سے استفادہ کی توفیق بخشیں، صاحبِ کتاب مدظلہم کے علم و عمل اور عمر میں برکت عطا فرمائیں اور ناشر: جامعہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو دن دوگنی رات چوگنی ترقیات سے ہم کنار فرمائیں، آمین

عبدالرحیم لوہاروی
(مہتمم جامعہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، کوسمبا، ضلع: سورت، گجرات، انڈیا)
۲۴/۳/۱۴۳۷ھ
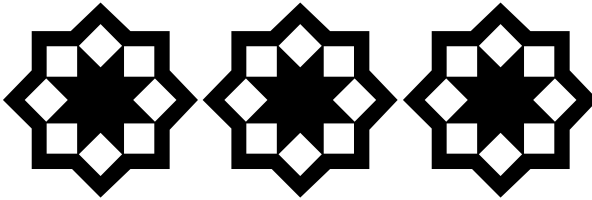
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

الحمد لله رب العلمين . والصلاة والسلام على سيد المرسلين وخاتم النبيين ، وعلىٰ آله وصحبه أجمعين ، ومن تبعهم بإحسان ودعا بدعوتهم إلى يوم الدين .

امابعد!

زیرِ نظر کتاب ’ إتحاف الطلبة بما يحصل من العلوم المتفرقة ‘ : طلبہ کے لیے متفرق علوم کے مجموعہ کا تحفہ، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، کسی ایک موضوع میں منحصر نہیں ؛ بل کہ اس میں متفرق ومتنوع علوم وفنون سے متعلق کچھ باتیں یکجا ہیں ۔ یہ حضرات اکابر کی مختلف کتب و رسائل خصوصاً حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) کے گراں قدر خطبات وملفوظات کے اقتباسات کا مختصر مجموعہ ہے، حضرات اکابر کے بحرِ علم وحکمت کے کچھ آب دار وتاب دار لؤلؤ ومرجان کا انتخاب اور ان کے گلستانِ علم ومعرفت سے چُنے ہوئے پھولوں کا ایک چھوٹا سا گلدستہ ہے ۔

یہ کتاب درحقیقت ثمرات الاوراق اور ایک کشکول ہی ہے ؛ لیکن طلبۂ عزیز کو مراجعت میں سہولت وآسانی ہو ؛ اس لیے اس میں مایتعلق بالعقائد، مایتعلق بالقرآن وغیرہ ابواب قائم کردیے ہیں ۔

اِس مجمل میں ص : ۱۲۵ سے ص : ۳۴۲ تک ٹاٹ کا پیوند بھی ہے، جس کا ایک حصہ اوہام سے متعلق ہے ۔ حافظ الدنیا : حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ جیسے جبالِ علم

کی طرف وہم کی نسبت کرنے کا موضوع بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے اور اس کو سپردِ قلم کرنا ایک انتہائی دشوار اور ناخوش گوار فریضہ ہے، یہی احساس قلم کا عناں گیر اور راقمِ سطور کا دامن کش رہا؛ لیکن ’ ھدی الساری ‘ ص : ۳۹۵ میں حافظ ابن حجر رحمہٗ اللہ کا — امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق — ذکر کردہ جملہ ” وَ لَا بُدَّ لِلْجَوَادِ مِنْ كَبْوَةٍ “ ، ’ فتح الباری ‘ ص : ۳۶۱ ، ج : ۷ میں منقول جملہ ” وَ الْغَلَطُ لا يَخْلُوْ مِنْهُ إِنْسَانٌ “ ، شیخ عبد الفتاح ابو غُدَّ ہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول : ” لَمْ يَسْلَمْ مِنَ الْخَطَأِ أَحَدٌ مِّنَ الأئمَّةِ الْمَشْهُوْدِ لَهُمْ بِالْحِفْظِ وَ الْعِلْمِ وَ الضَّبْطِ وَ الْإِتْقَان “ (الرفع والتكميل فى الجرح و التعديل ، تحت عنوان الاستدراك، ص : ٥٦٣) ، شیخ موصوف رحمہٗ اللہ کے ”امیر المؤمنین فی الحدیث“ لقب پر کلام کے دوران میں قول : ”وَلَا يَلْزَمُ مِنْ وَصْفِ الْمُحَدِّثِ بِهٰذَا اللَّقَبِ أَنْ يَكُوْنَ قَدْ سَلِم مِنَ الْخَطَأِ وَ الْغَلَطِ أَوِ النَّقْدِ وَ الْكَلَامِ فِيْهِ“ (جواب الحافظ المنذری عن أسئلة فی الجرح و التعديل ، ص : ١٠٥) ، امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری قدس سرہ کے ارشاد : ” مَنْ زَعَمَ أَنّ الثِّقَاتِ لَا يَتأَتّٰى مِنْهُمُ الْوَهَمُ ، فَقَدْ عَجِزَ وَ اسْتَحْمَقَ “ (فيض الباری، ص : ١١٠ ، ج : ٤) اور مشہور مقولہ ” مِنْ كَمَالِ الْمَرْءِ أَنْ تُعَدَّ سَقْطَاتُهٗ “ نیز ’ فیوضِ سبحانی ‘ ص : ۳۳، ۳۴ میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک وہم کا ذکر کرتے ہوئے محدث العصر حضرت مولانا محمد یونس صاحب جونپوری مدظلہم : شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور کے ارشاد :

”وہم سے کون عاری ہے؟ ...... غلطی کو بیان کر دینا ؛ تا کہ لوگ غلطی سے آگاہ ہو جائیں اور اس غلطی میں نہ پڑیں، کوئی عیب نہیں ہے۔ ابن حجر مکی فقیہ رحمہٗ اللہ نے ’ الفتاوی الکبری ‘ میں ایک جگہ لکھا ہے : كَانَ التَّلَامِيذُ يَعْتَرِضُونَ علىٰ الْأَسَاتِذَةِ ، وَ كَانَ لَهُمْ زَيْنٌ ، لَا شَيْنٌ . یہ یا اس کے قریب قریب الفاظ ہیں، یعنی تلامذہ اپنے

اساتذہ پر اعتراض کیا کرتے تھے، یہ اُن کے حق میں زینت کا سبب تھا، عیب نہیں تھا۔
ہاں! کسی کی غلطی کا اظہار تنقیص کی غرض سے مذموم اور کِبر کی بات ہے، اس سے اللہ
بچائے کہ آدمی بڑوں کی تنقیص کرے۔''
نے یارا دیا، کہ احتسابِ نفس کے بعد طلبہ کو غلطی میں واقع ہونے سے بچانے کے لیے
" ما یتعلق بالاوهام " کو جزءِ کتاب بنایا جائے؛ چناں چہ سردست ایسے چند مقامات
مذکورہ باب میں منقول ہیں۔

واضح ہو، کہ وہم کی نسبت میں حضرات مصنفین کی ظاہرِ عبارت پیشِ نظر رہی
ہے؛ لیکن اس میں بعض مرتبہ اختلاف نُسخ اور ناقلین وضابطین کے نقل وضبط میں تسامح
جیسے احتمالات کے امکان کو رد نہیں کیا جا سکتا ہے۔

یہ بھی ملحوظ رہے، کہ ان ابحاث میں بندہ نے جو لکھا ہے، اس کو حرفِ آخر نہیں
کہا جا سکتا، ترجمانِ حقیقت نے فرمایا ہے ؎

گمان مبر کہ بہ پایاں رسید کارِ مُغاں
ہزار بادۂ ناخوردہ در رگ تاک است

بندہ بارگاہِ الٰہی میں اس توفیق وسعادت پر ترانۂ حمد وشکر سے رطب اللسان ہے
اور اس کا قلم اور قلب دونوں آستانۂ خداوندی پر سر بہ سجود اور اس دعاء میں شریک ہیں کہ
ربنا تقبل منا إنك أنت السميع العليم وتب علينا إنك أنت التواب الرحيم. آمين
يا رب العالمين

بندہ نے مخدومی ومخدوم العلماء عارف باللہ حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب
الہ آبادی، مفکر ملت حضرت مولانا عبد اللہ صاحب کاپودروی، محبوب العلماء شیخ الحدیث
حضرت مولانا محمد سلیم دھورات صاحب اور برادر بزرگ شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی
محمد یونس صاحب لوہاروی مدّ اللہ ظلالھم سے مؤدبانہ درخواست کی، کہ کتاب پر نظر

اصلاح فرما کر دعائیہ کلمات تحریر فرمادیں۔ان حضرات نے از راہ کرم ذرہ نوازی فرماتے ہوئے اس درخواست کو شرف پزیرائی بخشا اور درخواست اس طرح پوری فرمائی ، کہ کتاب و مؤلف دونوں کی عزت بڑھائی ۔ فجزاهم الله تعالىٰ أحسن الجزاء في الدارين ، و متّع المسلمين بطول بقائهم بالخير . آمين

آخرمیں راقم سطور برادر معظم حضرت مولانا الیاس صاحب لوہاروی مد ظلہم استاذ الحدیث : جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ، ڈابھیل کا سراپا سپاس ہے، کہ انھوں نے اپنی تعلیمی و تدریسی مصروفیات کے باوجود زیرنظر کتاب کا مسودہ حرفاً حرفاً بغور پڑھا اور بعض مقامات میں مناسب حذف و ترمیم فرمائی ۔ برادر عزیز مولانا شعیب صاحب لوہاروی زید مجدہ ناظم : مدرسہ اسلامیہ وقف ،صوفی باغ ،سورت کا بھی دل سے سپاس گزار ہے ، کہ تصحیح و طباعت میں ان کی شدت فکر و اہتمام کے باعث اِس کتاب کی اشاعت ممکن ہوسکی اور محترم مولانا سلمان صاحب پگوٹھنی زید شرفہ (مدرسہ اسلامیہ وقف ،صوفی باغ ، سورت) کا بھی ممنون ہے ، جنھوں نے بڑی ہمت اور محنت سے فرائضِ کتابت و کمپوزنگ ادا کیے اور اس سلسلے میں ایثار سے بھی دریغ نہ کیا ۔ اللہ تعالیٰ ان سب کرم فرماؤں کو دارین میں جزاءِ خیر عطا فرمائیں ۔آمین

والحمد لله أولاً وآخراً ، وصلّى الله وسلّم علىٰ خير خلقه سيدنا محمد وعلىٰ آله وصحبه أجمعين .

عمر فاروق لوہاروی

۷/۶/۱۴۳۶ھ
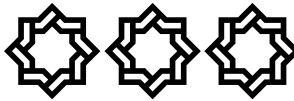
کلمات تبریک

از

عارف باللہ حضرت مولانا محمد قمر الزمان صاحب الہ آبادی مدظلہم

باسمہ تعالیٰ

عزیزم مخلصم مولانا عمر فاروق صاحب لوہاروی سلمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

إتحاف الطلبة میں جو مضامین نادرہ مفیدہ جمع کردیے ہیں، ان کو جستہ جستہ پڑھ کر بہت ہی مسرت ہوئی۔ یقیناً وہ طلبہ؛ بل کہ علماء کے لیے نہایت مفید و بصیرت افروز ہے۔ ان شاء اللہ اس کو پڑھنے سے تعلیم وتعلم سے منسلک جماعت کو نفع ہوگا۔

دل سے دعا ہے کہ اس کی قدر کی ہم سب کو توفیق دے اور اللہ آپ کی جہد و جانفشانی کو شرف قبولیت بخشے۔ آمین وما ذلك على الله بعزيز .

والسلام

(حضرت مولانا) محمد قمر الزمان الہ آبادی (صاحب مدظلہم)

۲۴/ مارچ ۲۰۱۳ء
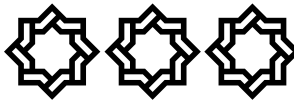
کلمات گرامی قدر

از

مفکرِ ملت حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی مدظلہم
رئیس: دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر، گجرات، انڈیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مولانا عمر فاروق صاحب لوہاروی زید فضلہٗ و مدظلہٗ (شیخ الحدیث: دارالعلوم لندن) کے قلمِ گوہر بار سے ایک مفید اور دلچسپ کتاب " إتحاف الطلبة بما يحصل من العلوم المتفرقة " کے نام سے طبع ہو کر منظرِ عام پر آرہی ہے، اس کتاب میں مولانا مدظلہٗ کے مطالعہ کے دوران جو مفید باتیں اور علمی لطائف نظر سے گذرے، اُن کو جمع کیا گیا ہے۔

بہت سے علماء نے اِس طرح مفید علمی باتیں ''کشکول'' یا ''حاصلِ مطالعہ'' اور ''ثمرات الاوراق'' وغیرہ ناموں سے مرتب کر کے شائع کی ہیں، جن سے اہل علم اور خصوصاً طلبۂ عزیز کو قیمتی معلومات حاصل ہو جاتی ہیں۔

مولانا عمر فاروق صاحب مدظلہٗ کی اس کتاب میں ایک نیا عنوان " ما يتعلق بالأوهام " نظر سے گزرا، جس سے مولانا کے وسعتِ مطالعہ اور دقتِ نظر کا اندازہ ہوتا ہے، دنیا میں بڑے بڑے علماء سے تسامحات ہوتے ہیں، ایک صاحبِ نظر عالم کا فرض ہے کہ اُس پر ناقدانہ نظر ڈالے اور اُس کی تصحیح کرے۔ عربی زبان میں مثل مشہور ہے:

" إن الجواد قد يكبو " عمدہ گھوڑا بھی کبھی ٹھوکر کھالیتا ہے ؛ اِس لیے اِن تسامحات یا اوہام کی طرف اشارہ کرنا کوئی عیب نہیں ہے ؛ بل کہ مخلص علماء اور مصنفین تو اس پر شکریہ ادا کرتے ہیں کہ آپ نے ہماری غلطی یا وہم پر ہمیں متنبہ فرمایا۔

" ما يتعلق بالعلم و العلماء " میں بھی ہمارے اکابر کے قیمتی ملفوظات ہیں ، جن کا ہر طالبِ علم کو بار بار مطالعہ کرنا چاہیے ،الحاصل : پوری کتاب بار بار پڑھنے اور مذاکرہ کے قابل ہے۔

اللہ تعالیٰ مولانا مدظلہٗ کی اِس علمی خدمت کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے ،مولانا مدظلہٗ کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائے اور اُن کے علمی فیوضات سے اُمت کو نفع پہنچتا رہے ،مولانا کے قلم سے اِس طرح کی مفید کتابیں وجود میں آ کر طبع ہوتی رہیں ۔ و ما ذلك على الله بعزيز .

اللّٰهم وفّقنا لما تحب و ترضى، واجعل آخرتنا خيرا من الأولىٰ. آمين.

و صلّى الله تعالىٰ على نبيه و رسوله محمد ﷺ .

(حضرت مولانا) احقر عبداللہ غفرلہٗ کاپودروی (صاحب مدظلہم)

۱۱ / جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ

مطابق: ۲۴ / مارچ ۲۰۱۳ء
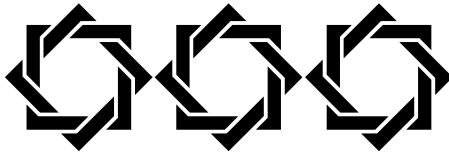
تعارف وتأثرات

از

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سلیم دھورات صاحب مدظلہم
بانی ومہتمم وشیخ الحدیث جامعہ ریاض العلوم لیسٹر- برطانیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمده و نصلّی و نسلّم علی رسوله الکریم ، أمّا بعد :

اللہ تعالیٰ دین اسلام کی حفاظت کے لیے ہر خطے میں مختلف رجال کو مختلف خدمات کی خاص صلاحیت وتوفیق عطا فرماتے ہیں۔ کسی کا رجحان وعظ وتقریر کی طرف ہوتا ہے تو کسی کا علم جدل ومناظرہ کی طرف، کوئی درس وتدریس میں مگن ہے تو کوئی غیر مسلموں کے اعتراضات کے جوابات کی تحقیق میں لگا ہوا ہے، کوئی فقہ و فتاویٰ کی خدمت سے امت کی رہنمائی کر رہا ہے، تو کوئی محبت الٰہی کے جام لٹا کر اللہ کے بندوں کو مخمور کر رہا ہے، یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن پر دین کی حفاظت کا مدار ہوتا ہے، بندے کا دل کہتا ہے کہ حضرت مولانا عمر فاروق صاحب مدّظلہم بھی اس قافلہ کے ایک ممتاز فرد ہیں۔ خطابت و امامت ، درس و تدریس ، تزکیہ وتربیت ، فقہ وفتاویٰ وغیرہ کی گوناگوں صلاحیتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جس وسعت ، گہرائی اور گیرائی سے مطالعہ کی نعمت حضرت مفتی صاحب کو عطا فرمائی ہے، وہ کم سے کم میری دانست کے مطابق اس ملک میں بہت کم لوگوں کے حصہ میں آئی ہوگی۔

آپ کثیر المطالعہ بھی ہیں اور وسیع المطالعہ اور عمیق المطالعہ بھی اور آپ کو فہم وفقہ کی دولت کا بھی وافر حصہ نصیب ہوا ہے۔آپ اسی محبوب مشغلے کی وجہ سے اختلاط اور لایعنی سے بہت دور نظر آتے ہیں،جس کی گواہی آپ کی مسجد کا ہر مصلی ،آپ کی بستی کا رہنے والا ہر فرد اور آپ سے کسی بھی درجے میں شناسائی رکھنے والا ہر شخص دے گا۔

امام حمیدی رحمۃ اللہ علیہ کے نصیحت آمیز اشعار کے وہ پورے پورے مصداق ہیں:

لقاء الناس لا يفيد شيئا سوى الهذيان من قيل و قال

فأقلل من لقاء الناس إلا لأخذ العلم أو إصلاح حال

حضرت مفتی صاحب کا بیشتر وقت علم کے جبال اور اس کے اساطین کے ساتھ گزرتا ہے؛ اس لیے وہ بجا طور پر حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی طرح یہ کہہ سکتے ہیں کہ مجھے تنہائی کی وحشت کیوں ہوگی ، جب کہ میں اللہ کے رسول ﷺ ،آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم اور امت کے اساطینِ علم کے ساتھ وقت گزارتا ہوں۔

آپ بلا شبہ ایک جیّد عالم ، ایک مقبول مدرّس اور بزرگوں کے منظورِ نظر ہیں ، آپ ایک عظیم علمی و تحقیقی شخصیت اور ایک بڑے ادارے کے شیخ الحدیث ہونے کے باوجود اعلی درجے کی تواضع کے مالک ہیں،آپ مشائخ اور اکابر کے خوب قدر دان ہیں اور اسلاف اور اکابر کے منہج پر مضبوطی سے قائم ہیں۔

حضرت مفتی صاحب نے دورانِ مطالعہ سینکڑوں صفحات سے علمی افادات ، قرآنی علوم و معارف اور متقدمین و متأخرین کے علمی نکات کے جواہر کو محفوظ کیا اور انھیں **اِتحاف الطلبہ** کی ایک لڑی میں پرو کر ایک عظیم تحفہ طالبانِ علومِ نبوت کی خدمت میں پیش کیا ہے،فجزاهم الله تعالىٰ أحسن الجزاء .

یہ کتاب کسی خاص موضوع پر لکھی گئی کتاب نہیں ہے، یہ ایک کشکول ہے، جس میں مختلف مفید علمی فوائد جمع کر دیے گئے ہیں، اس میں ایمانی، روحانی، تحقیقی، فقہی، لغوی، قرآنی، حدیثی ہر قسم کے مضامین شامل ہیں۔ حضرت مفتی صاحب نے علمی دنیا کے باغات سے مختلف رنگوں کے پھولوں کو چن کر ایک خوبصورت گلدستہ بنایا ہے، یہ ایک قیمتی دسترخوان ہے، جس پر سینکڑوں اقسام کے کھانے رکھے گئے ہیں، یہ اِدھر اُدھر بکھرے موتیوں کا ایک ہار ہے، جس میں عقائد سے لے کر اصلاحی نصائح تک بہت کچھ موجود ہے۔ ان شاء اللہ یہ کتاب طلباء اور علماء سب کے لیے یکساں مفید ثابت ہوگی اور جو اس کو دیکھے گا، ختم کیے بغیر چین سے نہیں بیٹھے گا۔

حضرت مفتی صاحب نے اس سیاہ کار کو کچھ لکھنے کا حکم فرمایا، لکھوں تو کیا لکھوں اور کیسے لکھوں؟ بندہ صاحب علم نہیں کہ اس علمی خزانے کو پڑھ کر، سمجھ کر کوئی رائے قائم کر سکے۔ اگر صاحبِ علم ہوتا تب بھی صاحب قلم نہ ہونے کی وجہ سے اپنے مافی الضمیر کو ادا نہ کر پاتا۔ اس مجموعے پر کچھ عرض کرنے کا حق ایسے شخص کو ہے جو محقّق و مصنّف ہو، محدّث و مفسّر ہو، مدرّس و معلم ہو اور صاحب صلاح و تقویٰ ہو، بندہ ان میں سے کسی بھی وصف کا حامل نہیں، ہاں اللہ تعالیٰ کا اس احسان پر جتنا شکر ادا کروں کم ہے کہ

أحبّ الصالحين و لست منهم لعلّ اللّٰه يرزقني صلاحا

لیکن حضرت مفتی صاحب کی محبت اور حسنِ ظن کی وجہ سے بندے کو 'مخمل میں ٹاٹ کے پیوند' کی جسارت پر مجبور ہونا ہی پڑا اور جو کچھ ہو سکا لکھ دیا۔

اللہ تعالیٰ آپ کے علم وعمل اور عمر میں برکت عطا فرمائیں اور آپ کی تمام

تصانیف کوامت کے لیے زیادہ سے زیادہ نافع بنا کر شرفِ قبول عطا فرمائیں۔

(حضرت مولانا) محمد سلیم دھورات (صاحب) غفرلہ (و مدظلہ)
خادم اسلامک دعوۃ اکیڈمی لیسٹر — برطانیہ
۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ
۲۸ مارچ ۲۰۱۳ء
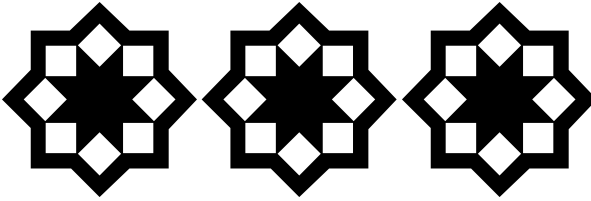
تأثرات عالیہ

از

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد یونس صاحب لوہاروی مدظلہم

شیخ الحدیث مدرسہ مفتاح العلوم، تراج، ضلع: سورت، گجرات، انڈیا
ورکنِ شوریٰ جامعہ ابوہریرہ، کوسمبا، ضلع: سورت، گجرات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ وحدہ و الصلوۃ و السلام علی من لا نبی بعدہ !

اما بعد!

پیش خدمت کتاب ’ إتحاف الطلبة بما يحصل من العلوم المتفرقة ‘ کو برادرم مفتی عمر فاروق صاحب حفظہ اللہ وزادعلمہ وشرفہ نے سینکڑوں کتابوں اور رسالوں وغیرہ کی مدد سے تیار کیا ہے۔ یہ کتاب کسی ایک موضوع کے اردگرد نہیں گھومتی؛ بل کہ یہ مختلف اور متنوع موضوعات کو سمیٹے ہوئے ہے اور اس میں کوئی ایک سا لگا بندھا انداز بھی نہیں؛ بل کہ اس میں مد بھی ہے جزر بھی ہے، صرصر کی سی تیزی بھی ہے اور بادِ صبح گاہی کی خنک خرامی بھی، اس میں گہرائی بھی ہے اور وسعت بھی، مسکراہٹیں بھی ہیں اور حزن و اَلَم کی آہٹیں بھی، پھول بھی ہیں پتھر بھی، شعلے بھی ہیں شبنم بھی، یبوست بھی ہے طراوت بھی، تلخی بھی ہے حلاوت بھی، نرمی بھی ہے صلابت بھی، داد وتحسین کی پھَبن بھی اور تنقید وتعریض کی چبھن بھی۔

اس میں کتاب وسنت کے مباحث بھی ہیں اور تاریخ وسوانح کا تذکرہ بھی، دل پذیر حکایات بھی ہیں اور ذھن کُشا علمی نکات بھی، خطابت کے شہپارے بھی ہیں اور زندگی کے روشن اور تاریک نظّارے بھی۔ سیدھے سادے واقعات بھی ہیں اور الجھن میں ڈالنے والی پہیلیاں بھی۔ علمی تحقیقات، شریعت کے اسرار و حِکم، بہت سی علمی اصناف کے جواہر پارے، با مقصد تنقید وتعریض، اس کے دلائل و براھین اور اس کی متانت وثقاھت کی تحسین وتعریف نے اس کو جلا بخشی ہے۔ الغرض کتاب ھذا ''معجون مرکب'' ہے۔

یہ علوم کا خوب صورت گلدستہ ہے جو گلھائے رنگا رنگ سے تیار کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں اس کتاب میں ذکر کیے گئے اکثر مضامین وہ ہیں جو اسلاف کی طرف منسوب یا ان کی زبان صدق بیان سے صادر ہوئے ہیں، جن کی طرف حوالجات سے متوجہ کیا گیا ہے۔

آخر میں بارگاہ رب العزت میں دست بدعا ہوں، کہ موصوف کی علمی، اصلاحی، تربیتی اور قلمی خدمات شرف قبول پا کر صدقۂ جاریہ قرار پائے اور کتاب مذکور بھی ماسبق مصنفات کی طرح تلقی بالقبول حاصل کر کے امت کے لیے انتفاع کا سامان اور مرتب وقارئین کی دنیوی اصلاح واخروی فلاح کا ذریعہ بنے۔ آمین یا رب العلمین.

(حضرت مولانا مفتی) العبد محمد یونس (صاحب) لوہاروی غفرلہ (و مدظلہ)
(شیخ الحدیث مدرسہ مفتاح العلوم، تراج، ضلع: سورت، گجرات، انڈیا
ورکنِ شوری جامعہ ابو ہریرہ، کوسمبا، ضلع: سورت، گجرات)

۱۳/ربیع الاول ۱۴۳۶ھ

ما یتعلق بالعقائد و المجادلۃ الحسنۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

☆ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) فرماتے ہیں:

عارفین رحمہم اللہ کی نظر میں حق تعالیٰ کے وجود پر جو دلائل ہیں، وہ حقیقت میں دلیل نہیں؛ کیوں کہ دلیل عادتاً مدلول سے واضح ہوتی ہے اور واجب تعالیٰ سے زیادہ کوئی شئے واضح تر نہیں؛ بل کہ واجب سب سے واضح ہے۔

(ملفوظات حکیم الامت، ص:۶۷، ج:۲۶، ادارۂ تالیفات اشرفیہ: ملتان، طباعت: ربیع الاول ۱۴۲۵)

حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا:

اس پر کسی دلیل کے قائم کرنے کی ضرورت نہیں، فطرت خود بتلا رہی ہے کہ کوئی پیدا کرنے والا ضرور موجود ہے۔ میں نے ایک دہری ملحد کا قول دیکھا ہے، جو بعد میں صانع کا قائل ہوگیا تھا، کہ میں جس زمانے میں صانع کے انکار پر لیکچر دیا کرتا تھا، تو میرا ضمیر میری تکذیب کرتا تھا۔

(حضرت تھانوی قدس سرہ نے) فرمایا:

صانع کی دلیل تو خود صانع ہی ہے، بقول مولانا (رومی) ؎

آفتاب آمد دلیل آفتاب ☆ گر دلیلت باید از وے رُو متاب

”آفتاب خود ہی اپنے وجود کی دلیل ہے، اگر تم کو وجودِ آفتاب کی دلیل کی

ضرورت ہے، تو اس سے روگردانی مت کرو۔‘‘

اور عمیق نظر سے دیکھا جائے، تو حق سبحانہ وتعالیٰ کے وجود پر دلیل ہو بھی کیسے سکتی ہے؟ راز اس کا یہ ہے، کہ دلیل ہمیشہ مدلول سے زیادہ واضح ہونی چاہیے، ورنہ وہ دلیل ہی نہ ہوگی اور اللہ تعالیٰ کا وجود خود سب سے زیادہ واضح و ظاہر ہے، پھر اس کی کوئی دلیل کیسے ہوسکتی ہے؟ اور جو دلائل سمجھے جاتے ہیں، وہ محض صورتاً دلیل ہیں۔

(ملفوظات حکیم الامت، ملفوظ: ۲۳۵، ص: ۱۵۶، ۱۵۷، ج: ۳، ادارۂ تالیفات اشرفیہ، طباعت: جمادی الاولی ۱۴۲۳ھ)

فی ’التفسير القيم‘ لابن القيم رحمهٗ اللّٰه:

وسمعت شيخ الإسلام تقی الدين بن تيمية ـــــ قدس اللّٰه روحه ـــــ يقول: كيف يطلب الدليل على من هو دليل على كل شيء؟ وكان كثيراً ما يتمثل بهذا البيت:

وليس يصح فی الأذهان شيء ☆ إذا احتاج النهار إلى الدليل

ومعلوم أن وجود الرب تعالىٰ أظهر للعقول والفِطَر من وجود النهار، ومن لم يرذلك فی عقله وفطرته فليتهمهما.

(التفسير القيم لابن القيم، ص: ۵۱، لجنة التراث العربی: بيروت)

عقائد سلف اور علم کلام میں سلامتی کا راستہ

☆ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰-

۱۳۶۲ھ) نے فرمایا:

حضرات متکلمین نے حق تعالیٰ کی ذات وصفات کے بارے میں جو کچھ کہا ہے، وہ درحقیقت اہل بدعت والحاد کی مدافعت ہے۔ اس کو علمی اصطلاح میں صرف ''منع'' (ابداء احتمال) کے درجے میں رہنا چاہیے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ ایسی صورت ہو، تو یہ ممکن اور محتمل ہے، محال نہیں۔ یہ نہیں کہ واقع میں عند اللہ ایسا ہی ہے؛ مگر ہو یہ گیا کہ متأخرین متکلمین بجائے مانع بننے کے مدعی بن بیٹھے اور اپنے پیدا کیے ہوئے احتمالات کو اسلام کے عقیدہ کا درجہ دے دیا۔

(اس کو ایک مثال سے سمجھیے اور (علم) کلام کے ایک مشہور مسئلے کو لے لیجیے، کہ جسم کی ترکیب میں بمقابلہ فلاسفہ انھوں نے کہا ہے، کہ وہ اجزاء لا یتجزّٰی سے مرکب ہے، ہیولیٰ اور صورت سے نہیں۔ یہ بات اس لیے اختیار کی گئی، کہ فلاسفہ کے قول کے مطابق ہیولیٰ اور صورت سے جسم کو مرکب مانا جائے، تو اس کے نتیجہ میں اس کو قدیم ماننا لازم آتا ہے۔ متکلمین نے ایک دوسرا احتمال یہ پیش کیا کہ یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ وہ اجزاء لا یتجزّٰی سے مرکب ہو۔ اس کو اگر صرف احتمال کے درجے میں رکھا جاتا، تو درست تھا؛ مگر متأخرین نے اس کو ایسے انداز میں پیش کیا، کہ گویا یہ اسلام کا عقیدہ ہے اور ظاہر ہے کہ اسلامی عقیدہ کے لیے قطعی الثبوت دلائل کی ضرورت ہے، وہ اس مسئلے کے لیے موجود نہیں۔)

حضرت (تھانوی) رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس لیے میں تو یہ کہتا ہوں کہ علم کلام کو صرف مدافعت اہلِ بدعت اور منع اصطلاحی یعنی احتمال وامکان کے درجے میں رکھنا چاہیے اور عقائد کو مثل سلف صالحین کے ان مباحث سے سادہ رکھنا چاہیے۔

(ملفوظات حکیم الامت، ص: ۱۵۹، ج: ۲۴، ادارہ تالیفات اشرفیہ: ملتان)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ نے دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا:

علمِ کلام کی ضرورت بدعات اعتقادیہ کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ لوگوں نے عقائد اسلامیہ میں طرح طرح کے شبہات پیدا کرنے شروع کیے، تو علماء کو شبہات دور کرنا ضروری ہو گیا، اس سے علم کلام پیدا ہوا اور یہ ٹھیک ایسا ہی ہے، جیسے ہمارے زمانے میں علم فقہ میں جزئیات فقہیہ اور یہ تحقیق کہ نماز میں فرض کتنے ہیں، واجب کتنے اور سنت مؤکدہ کیا ہیں اور مستحبات یا مکروہات کیا؟ جب لوگوں نے نماز کی ادائیگی میں کوتاہیاں اور نقائص پیدا کیے، تو فقہاء کے لیے ضروری ہو گیا کہ اعمالِ نماز کا تجزیہ کر کے بتلائیں، کہ اس میں کون سا فرض یا واجب ہے، جس کے بغیر نماز ادا نہیں ہوتی؟ کون سا عمل مسنون یا مستحب ہے، جس کے ترک کر دینے کے باوجود نماز ادا ہو جاتی ہے، گو ناقص ہو۔

حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں نہ یہ بدعات اعتقادیہ پیش آئی تھیں اور نہ احکام شرعیہ میں اتنے نقائص اور کوتاہیاں؛ اس لیے اس وقت نہ علم کلام کی ضرورت تھی، نہ موجودہ طرز کے علم فقہ کی۔ بعد میں جب ضرورت پیدا ہوئی، تو یہ علوم و فنون ضروری سمجھے گئے؛ مگر ایک بات یاد رکھنی چاہیے، کہ علمِ کلام کی تحقیقات کو صرف مانع اصطلاحی کا درجہ دیا جائے، جس کا حاصل ایک احتمال پیدا کرنا ہے، کہ یوں بھی ہو سکتا ہے۔ اس کو عقیدہ کا درجہ دینا حد سے تجاوز کرنا ہے۔ جن حضرات علماء نے علم کلام کے اشتغال کو منع کیا ہے، وہ اسی غلو اور حد سے تجاوز کی بناء پر کیا ہے۔ مثلاً حضرات متکلمین نے فلاسفہ کے اس قول کو ردّ کیا کہ جسم ہیولیٰ اور

صورت سے مرکب ہے، اس کے بالمقابل جسم کی ترکیب اجزاء لا یتجزّی سے قرار دی، تو جو لوگ جزء لا یتجزّی کے مسئلے کو مانع یعنی احتمال پیدا کرنے کے درجے میں رکھیں، وہ کوئی خلاف شرع کام نہیں کر رہے؛ لیکن اگر یہ عقیدہ بنالیں کہ جسم کی ترکیب اجزاء لا یتجزّی سے ہے، تو شریعت میں اس کی کوئی دلیل نہ ہونے کی بناء پر ایسا عقیدہ رکھنا غلط اور ناجائز ہوگا۔

(ملفوظات حکیم الامت، ص:۱۲۳، ۱۲۴، ج:۲۴، ادارہ تالیفات اشرفیہ: ملتان)

مسئلۂ تقدیر

مسئلۂ تقدیر کی حقیقت اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی حقیقت معلوم ہونے پر موقوف ہے، وہ کسی کو حاصل نہیں ہوسکتی

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) نے فرمایا:

ایک زمانے میں مسئلۂ تقدیر میں مجھے ایسی الجھن پیش آئی، کہ سخت پریشان رہتا تھا، موت کو زندگی پر ترجیح دیتا تھا؛ مگر پھر سکون ہوا تو اس طرح، کہ اس کی حقیقت معلوم کرنے کے درپے ہونا ہی بے عقلی ہے؛ کیوں کہ تقدیر درحقیقت اللہ جل شانہ کی ایک صفت ہے اور جس طرح انسان کو حق تعالیٰ کی ذات کی کنہ اور حقیقت کا علم ناممکن ہے، اسی طرح اس کی کسی صفت کی اصل حقیقت کا ادراک بھی ناممکن ہے۔ جس طرح ہم ذات وصفات پر بغیر علم حقیقت کے ایمان لائیں ہیں، اسی طرح

اس پر ایمان لانا واجب ہے۔

(ملفوظات حکیم الامت، ص: ۱۲۸، ج: ۲۴، ادارہ تالیفات اشرفیہ: ملتان)

صفات الٰہیہ میں لاعین ولاغیر کی تشریح

☆ حضرات متکلمین نے اللہ تعالیٰ کی صفات کے متعلق فرمایا ہے، کہ وہ نہ عین ذات ہیں نہ غیر۔ حضرت (مولانا اشرف علی صاحب تھانوی) رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

اس میں عین سے مراد اصطلاح منطق کا عین ہے، یعنی بالکل عین ذات ہونا اور غیر سے مراد غیر عرفی ہے، یعنی بیگانہ و بے تعلق۔ تو حاصل یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات اس کی عین ذات نہیں ہیں؛ مگر بالکل غیر اور بیگانہ و بے تعلق بھی نہیں ہیں۔

(ملفوظات حکیم الامت، ص: ۱۹۴، ج: ۲۴، ادارہ تالیفات اشرفیہ: ملتان)

مشیت کے دو درجات

☆ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) فرماتے ہیں:

مشیت کے دو درجے ہیں: ایک قریب، دوسرا بعید۔ جس نے مشیت

قریب پر نظر کی، وہ ''قدری'' ہوگیا۔ جس نے بعید پر نظر کی، وہ ''جبری'' ہوا۔ جس نے دونوں پر نظر کی، وہ ''اہل سنت'' سے ہوا۔

(ملفوظات حکیم الامت، ص: ۳۹۳، ج: ۲۶)

امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ کی احتیاط

☆ ایک عالم امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ (ولادت: ۲۷۰ وقیل: ۲۶۰ – وفات: ۳۲۴ وقیل ۳۳۰ ھ) سے ملنے گئے؛ مگر چوں کہ صورت سے نا آشنا تھے؛ اس لیے خود آپ ہی سے پوچھا کہ شیخ ابوالحسن اشعری کون سے ہیں؟ فرمایا: تم میرے ساتھ دربارِ شاہی میں چلو، وہاں بتلاؤں گا۔

چناں چہ دونوں دربارِ شاہی میں پہنچے۔ وہاں ہر قسم کے علماء مجتمع تھے: محدثین بھی، فقہاء بھی، فلاسفہ بھی، متکلمین بھی، معتزلہ بھی اور اہلِ سنت بھی۔ امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کے پہنچنے کے بعد ایک شخص نے ذات وصفات کے کسی مسئلے میں گفتگو شروع کی۔ اس کے بعد دوسرے علماء نے اس کے متعلق اپنی اپنی تحقیقات بیان کیں۔ معتزلہ نے اہلِ سنت کے مسلک پر اعتراضات کیے، اہلِ سنت نے ان کو جواب دیے۔ یہ سب کچھ ہوتا رہا؛ مگر امام ابوالحسن خاموش بیٹھے رہے۔ جب سب علماء اپنی اپنی کہہ چکے، تو اخیر میں شیخ نے کھڑے ہو کر معتزلہ و فلاسفہ کو خطاب کر کے ان کی سب باتوں کا جواب دیا اور ان مسائل کی ایسی تحقیق کی، کہ جس پر فلاسفہ کو بولنے کا موقع نہ رہا۔ اس سے فارغ ہو کر بیٹھے، تو اپنے رفیق سے کہا کہ

ابوالحسن میں ہی ہوں ۔ یہ بزرگ بہت خوش ہوئے اور کہا: واقعی جیسا سُنا تھا، اس سے بڑھ کر آپ کو پایا۔

پھر ان بزرگ نے اپنی کتاب میں امام کی بہت تعریف لکھی اور اخیر میں یہ لکھا، کہ جب امام ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ سب کو جواب دے چکے، تو میں نے عرض کیا کہ حضرت! آپ نے اوّل ہی ان مسائل کی تحقیق کیوں نہ بیان کردی، جو اخیر میں بیان فرمائی ہے؛ تا کہ مخالفین کو اعتراض کا موقع ہی نہ ملتا؟

امام نے جو اس سوال کا جواب دیا، وہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے ۔ فرمایا:

ان مسائل میں خود تکلّم کرنا بدعت ہے؛ کیوں کہ ان میں تکلّم کرنا خلافِ سنت ہے، تو میں نے ابتداءً ان میں تکلم کو جائز نہ سمجھا؛ مگر جب اہلِ بدعت نے مذہبِ حق پر اعتراض کیا، تو اب جواب کی غرض سے تکلّم کی ضرورت ہوئی؛ اس لیے میں ابتداء میں خاموش رہا اور اخیر میں مجبور ہو کر بولا، جب کہ حق پر اعتراضات ہونے لگے کہ اب سکوت کی گنجائش نہ رہی ۔

اب ایسے محتاط علماء کہاں ہیں؟ اب تو ہر شخص ذرا سے سوال پر اپنی تحقیقات بیان کرنے لگتا ہے ۔

(خطبات حکیم الامت، وعظ : الدوام علی الاسلام، ص : ۳۹۳، ۳۹۴، ج : ۱۲، ملفوظات حکیم الامت، ص: ۲۱۲، ج: ۲۴ نیز ص: ۱۴۷، ج: ۲۶)

دنداں شکن جواب

☆ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) نے فرمایا:

بھائی اکبر علی صاحب مرحوم سے کسی آریہ نے کہا، کہ ہمارے مذہب کے احکام سب عقل کے مطابق ہیں؛ اسی واسطے سمجھ میں آتے ہیں اور اسلام کے احکام سمجھ میں نہیں آتے۔ بھائی ذہین تھے۔ جواب دیا، کہ بس یہی دلیل ہمارے مذہب کے حق ہونے کی ہے، معلوم ہوتا ہے، کہ قانون اسلام بنانے والا بہت بڑی عقل کا مالک ہے، کہ انسان کی عقل اس کے احکام کی حِکَم کو سمجھ نہیں سکتی اور تمھارا مذہب کسی ہمارے جیسے انسان نے بنایا ہے، کہ اس کے احکام کی حکمتیں ہم سمجھتے ہیں۔

(ملفوظات حکیم الامت، ص: ۲۷۶، ج: ۲۶)

حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے ایک وعظ میں ارشاد فرمایا:

میرے بھائی سے ایک آریہ نے کہا کہ ہمارے مذہب میں یہ خوبی ہے، کہ اس کی ہر تعلیم عقل کے موافق ہے اور تمھارے یہاں یہ بات نہیں؛ اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا مذہب صحیح ہے۔

بھائی نے کہا:

یہی دلیل ہے اس کی کہ ہمارا مذہب سماوی ہے اور تمھارا ارضی۔ دیکھو! بہت سی باتیں اپنے خانگی انتظام کے متعلق ایسی ہوتی ہیں کہ ہم تم تو سمجھتے ہیں، مگر ہمارے نوکر نہیں سمجھتے، اس واسطے کہ ہماری عقل ان کی عقل سے بالاتر ہے، اسی طرح خدائی

اَحکام کی یہی علامت ہے کہ کہیں ہماری سمجھ میں آئیں اور کہیں نہ سمجھ میں آئیں اور جب تمھاری سب مذہبی تعلیمات عقل کے موافق ہیں، تو معلوم ہوا، تمھیں جیسوں نے اس کو اپنی عقل و ذہانت سے گھڑ لیا ہے؛ آسمانی نہیں ہے۔

واقعی خوب لطیفہ ہے۔

(خطبات حکیم الامت، وعظ: روح العج والثج، ص: ۳۹۶، ج: ۱۷، ادارہ تالیفات اشرفیہ: ملتان)

مُسکِت جواب

☆ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰ - ۱۳۶۲ھ) نے ارشاد فرمایا:

ایک مرتبہ ریل میں ایک عیسائی نے مجھ سے کہا:

"تم انجیل دیکھا کرو، کہ اس میں بہت علوم ہیں۔"

میں نے کہا کہ:

"تم قرآن دیکھا کرو، اس میں اس سے زیادہ علوم ہیں۔"

اس نے کہا:

"ہم قرآن دیکھتے ہیں۔"

میں نے کہا:

"تو اس سے معلوم ہوا، کہ تمھاری شریعت خود تمھارے نزدیک بھی کافی نہیں ہے، جو دوسری کتابوں سے علوم ڈھونڈھتے ہو اور ہمارے لیے قرآن کافی ہے؛

اس لیے ہمیں انجیل وغیرہ دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔‘‘

یہ جواب سن کر وہ بالکل خاموش ہو گیا۔

(ملفوظات حکیم الامت، ملفوظ: ۳۳۱، ص: ۱۴۹، ج: ۱۸)

جوابِ لاجواب

الٰہ آباد میں ایک رئیس تھے؛ بالکل ان پڑھ، جو اپنے دستخط بھی نہ کر سکتے تھے، بس ایک مُہر بنوالی تھی، جب دستخط کرنا چاہتے، مُہر کر دیتے تھے۔

ایک دفعہ وہ سواری پر سوار ہو کر جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک عیسائی کھڑا ہوا اپنے مذہب کی حقانیت بیان کر رہا تھا۔ اپنے حق پر ہونے کی ایک دلیل اُس نے یہ بھی بیان کی، کہ دنیا میں عیسائی سب سے زیادہ ہیں، انجیل کے ترجمے بہت زبانوں میں ہو چکے ہیں، معلوم ہوا کہ اللہ کے نزدیک ہم زیادہ مقبول ہیں، جو ان کی اس قدر کثرت اور ترقّی ہے۔ ان رئیس صاحب نے اپنی سواری روک کر پادری سے کہا: یہ تو کوئی حقانیت کی دلیل نہیں۔ آؤ! ہم تم کو اسٹیشن پر چل کر دکھائے دیتے ہیں، کہ ریل گاڑی میں فرسٹ کلاس کا درجہ ایک ہی ہوتا ہے اور تھرڈ کلاس بہت ہوتے ہیں، پس ہم مسلمان فرسٹ کلاس ہیں اور تم عیسائی لوگ تھرڈ کلاس ہو۔

یہ جواب سُن کر پادری مبہوت ہو گیا اور اُس سے کچھ جواب نہ بن پڑا۔

(خطبات حکیم الامت، ص: ۱۷۸، ج: ۲)

بے چارہ لا جواب ہوگیا

☆ امام اہل سنت حضرت مولانا عبد الشکورصاحب لکھنوی نور اللہ مرقدہ (۱۲۹۳- ۱۳۸۱ھ) سے ایک شیعی مجتہد نے کہا، کہ ابو بکر یا علی (رضی اللہ عنہما) کی خلافت بالفصل کے بارے میں ہمارا مسلک صحیح ہے یا آپ کا؟ اس پر مناظرہ ہو جائے؛ لیکن قرآن وحدیث سے نہیں؛ عقلی دلائل سے۔

مولانا سے کہا: تم شروع کرو۔ مولانا نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے کون سے جانوروں پر سواری کی؟ کہا: بھلا یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؛ اُس زمانے میں عرب میں عامّتاً اونٹ، گھوڑے، گدھے اور خچر پر سواری ہوتی تھی، تو ہر انسان سمجھ سکتا ہے، کہ ان جانوروں پر آپ ﷺ نے سواری کی ہوگی؛ چناں چہ آپ ﷺ کی اونٹنی کا نام، خچر، گدھے وغیرہ کا ذکر کتابوں میں آتا ہے۔

مولانا نے فرمایا: جس اونٹنی یا گدھے اور خچّر پر آپ ﷺ نے سواری کی، وہ اپنے جنس پر فضیلت وبرتری رکھنے والا ہوگا یا نہیں؟

کہا: بالکل، اس میں کیا شک کی بات ہے؟

مولانا نے فرمایا: حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جو تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار گزرے ہیں، آپ ﷺ نے ان میں سے صرف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر ہجرت کی رات میں سواری کی؛ اس لیے کہ کفار میں قیافہ شناس افراد تھے، تو کہیں آپ ﷺ کے نقشِ قدم دیکھ کر پیچھا نہ کریں؛ اس لیے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے اوپر سوار کرلیا، تو اب ان کو دوسرے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر فضیلت وبرتری

حاصل ہوگی یا نہیں؟
شیعی لا جواب ہوگیا۔

کرامات وخوارِق متأخرین میں زیادہ کیوں ہوئے؟

☆ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) نے فرمایا:

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ (۱۶۴-۲۴۱ھ) سے کسی نے یہ سوال کیا تھا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے خوارقِ عادات بہت کم ہوئے اور متأخرین اولیاء اللہ میں ان کی بہت کثرت ہوئی، اس کی وجہ کیا ہے؟

فرمایا کہ قُربِ زمانِ نبوت کی وجہ سے عہدِ صحابہ اور قرنِ اوّل میں قلوب کے اندر دین کی صلاحیت قوی موجود تھی اور شواہد مستحضر تھے؛ اس لیے ضرورت نہ تھی کہ ان کو عجائب دکھائے جائیں۔ بعد میں جب ایمان میں ضعف بڑھا، تو اس کی ضرورت ہوئی۔

خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۰۱-۱۳۶۳ھ) جو حاضرِ مجلس تھے، انھوں نے سوال کیا کہ اس کا تقاضا تو یہ ہے، کہ آج کل کرامات اور خوارق کا ظہور سب سے زیادہ ہو۔ (حضرت تھانوی قدس سرہ نے) فرمایا کہ حکمتیں ہر وقت کی مختلف ہوتی ہیں۔ آج کل خوارق کی کمی کی کوئی اور حکمت ہوگی۔

(ملفوظات حکیم الامت، ص: ۱۹۳، ج: ۲۴)

آج بھی ہو گر ابراھیم سا.......

☆ اللہ تعالیٰ شَأْنُہٗ نے جلیل القدر پیغمبر سیّدنا حضرت ابراھیم علیٰ نبینا و علیہ الصلاۃ والسلام کے لیے نارِ نمرود کو " بَرْدًا وَّسَلٰمًا " بنا دیا تھا۔ اس اعجازِ ابراھیمی کی ایک جھلک بعض غلامانِ محمد ﷺ کے ہاتھوں پر بصورتِ کرامت ظاہر فرمائی؛ چناں چہ:

(۱) شرحبیل خولانی فرماتے ہیں کہ جب اسود بن قیس ذوالخمار عَنْسی نے یمن میں نبوت کا دعوی کیا، تو ابو مُسلِم (عبد اللہ بن ثُوَب وقیل: ثواب وقیل: اَثْوَب) خولانی رحمۃ اللہ علیہ (وفات: ۶۲ھ) کو اپنے پاس بلایا اور ان سے پوچھا: کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں؟ کہنے لگے: جی ہاں! میں گواہی دیتا ہوں۔ پھر پوچھا: کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ کہنے لگے: مجھے کچھ سنائی نہیں دیتا۔

اسود عَنْسی نے بہت بڑی آتشِ سوزاں جلائی اور اس میں ابو مسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ کو ڈلوا دیا، مگر بفضل اللہ تعالیٰ آگ نے انھیں ذرہ بھر بھی ضرر نہیں پہنچایا۔

لوگ اسود عَنْسی سے کہنے لگے: اگر تم نے اسے اپنے ملک میں زندہ چھوڑ دیا، تو تمھاری شان اور رُتبے میں بگاڑ پیدا کر دے گا؛ چناں چہ اسود عَنْسی نے انھیں یمن سے نکل جانے کا حکم دیا۔

ابو مسلم رحمۃ اللہ علیہ مدینہ منورہ تشریف لائے، اس وقت رسول اللہ ﷺ دنیا سے پردہ فرما چکے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ نامزد ہو چکے تھے، ابو مسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد کے دروازے پر سواری باندھ دی اور مسجد کے ستونوں

میں سے ایک ستون کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے لگے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں دیکھ لیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے پاس تشریف لائے اور (بعد از فراغ نماز) پوچھا: تم کہاں سے آئے ہو؟ انھوں نے جواب دیا: یمن سے۔ فرمایا: بتاؤ تو سہی! اللہ کے دشمن نے ہمارے اس ساتھی کے ساتھ کیا کیا، جس کو اس نے آگ میں ڈالنے کا حکم دیا تھا، مگر آگ نے اسے ضرر نہیں پہنچایا؟ ابو مسلم رحمہٗ اللہ نے عرض کیا: وہ عبد اللہ بن ثُوَب ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں، مجھے بتاؤ! کیا وہ تم ہی ہو؟ عرض کیا: اے اللہ! (اب اظہار کے بغیر کوئی چارہ نہیں) جی ہاں! وہ میں ہی ہوں؛ چناں چہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ پھر انھیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس لائے، اپنے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے درمیان بٹھایا اور فرمایا:

أَلْحمدُ للّٰهِ الَّذِىْ لَمْ يُمِتْنِى مِنَ الدُّنيا حتّٰى أَرَانِى فِى أُمَّةِ محمدٍ ﷺ مَنْ فُعِلَ بِهٖ كَمَا فُعِلَ بِإبراهيمَ خَلِيلِ الرحمنِ عليه السّلامُ .

(حلية الأولياء، ص: ۱۲۸، ۱۲۹، ج: ۲، دار الفكر: بيروت، تهذيب التهذيب، ص: ۲۶۳، ج: ۱۰، دارالفكر: بيروت، مغانى الأخبار فى شرح أسامى رجال معانى الآثار، ص: ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ج: ۳ مكتبة نزار مصطفى الباز: مكة المكرمة. وقال العلامة الذهبى رحمهٗ الله (۶۷۳ - ۷۴۸ هـ): وهذا ما رواه أحدٌ إلا شُرَحْبيل بن مُسْلم، و لا رواه عنه إلا إسماعيلُ بن عياش. وهو خبرٌ مرسل. العبر فى خبر من غبر، ص: ۴۹، ج: ۱، العلمية: بيروت)

’’تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں، جس نے مجھے دنیا سے نہیں اٹھایا:

موت نہیں دی، یہاں تک کہ مجھے امتِ محمدیہ علیٰ صاحبھا الصلاۃ والسلام میں اس شخص کو دکھا دیا، جس کے ساتھ ایسا معاملہ کیا گیا، جیسا حضرت ابراھیم خلیل الرحمٰن علیہ السلام کے ساتھ کیا گیا۔‘‘

(۲) ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ (وفات: ۲۰۵ و قیل: ۲۰۴ و قیل: ۲۱۵ ھ) سے ان کے شاگرد احمد بن ابی الحواری رحمۃ اللہ علیہ (۱۶۴ - ۲۳۰ و قیل ۲۴۶ ھ) نے عہد کیا تھا کہ وہ کسی بات میں ان کی خلاف ورزی نہیں کریں گے۔ ایک دن ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ اہلِ مجلس کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھے، کہ احمد بن ابی الحواری انھیں یہ بتانے کے لیے آئے کہ تنور جھونک دیا گیا ہے: ایندھن ڈال کر گرم کر دیا گیا ہے، اب اس کے متعلق ان کے حکم کا انتظار ہے؛ چناں چہ حاضر خدمت ہو کر عرض کیا کہ تنور جھونک دیا گیا ہے، اب کیا حکم ہے؟ ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی طرف توجہ نہ کی اور کوئی جواب نہیں دیا۔ احمد بن ابی الحواری نے اپنی بات دو تین مرتبہ دوہرائی، تو — تنگ آ کر — ارشاد فرمایا: تم جا کر تنور میں بیٹھ جاؤ۔ یہ کہہ کر پھر محوِ گفتگو ہو گئے۔ احمد بن ابی الحواری جا کر بھڑکتے ہوئے تنور میں بیٹھ گئے، تو تنور کی آگ ان کے لیے ٹھنڈی اور سلامتی والی بن گئی۔ ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ کو تھوڑی دیر کے بعد یاد آیا، تو ارشاد فرمایا کہ تم ہمارے ساتھ احمد کے پاس چلو، میرا خیال ہے کہ وہ تعمیلِ حکم میں تنور میں بیٹھ گئے ہیں؛ کیوں کہ انھوں نے عہد کیا تھا کہ وہ کسی بات میں میری خلاف ورزی نہیں کریں گے۔ اہل مجلس ان کے ساتھ گئے، تو احمد بن ابی الحواری رحمۃ اللہ علیہ کو اس حال میں پایا، کہ وہ تنور میں بیٹھے ہیں اور ان کا ایک بال بھی نہیں جلا ہے۔ ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ نے ہاتھ تھام

کرانھیں تنور سے نکالا۔

(سیر اعلام النبلاء ، ص : ۸۹ ، ج : ۱۰ ، دارالفکر : بیروت ، الروضة الريّا فيمن دفن بداريّا ، ص : ۳۲ ، المكتب الإسلامي : بيروت)

(۳) تیسری چوتھی صدی کے بزرگ خواجہ ابو احمد ابدال رحمۃ اللہ علیہ (۲۶۰ - ۳۵۵ ھ) کے متعلق شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ (۱۳۱۵-۱۴۰۲ھ) ’تاریخِ مشائخِ چشت‘ میں تحریر فرماتے ہیں:

’’ایک مرتبہ آپ سفر میں تھے، کہ اتفاقاً کسی ایسی جگہ گزر ہوا، جہاں محض کفار کی آبادی تھی اور مسلمان کوئی قرب وجوار میں بھی نہ تھا، ان کی عادت تھی، کہ جب کوئی مسلمان ادھر کو جاتا، اس کو نہایت مار پیٹ کر آگ میں جلا دیا کرتے۔ اسی طرح حضرت شیخ کے ساتھ بھی معاملہ کیا، مگر رعب کی وجہ سے آگ میں ڈالنے کی ہمت نہ ہوئی۔ شیخ نے کہا: تم فکر نہ کرو، میں خود ہی آگ میں گر جاؤں گا، یہ کہہ کر حضرت شیخ اپنا مصلّٰی آگ پر ڈال کر خود چلے گئے۔ حضرت کا وہاں پہنچنا تھا، کہ آگ دفعتاً ٹھنڈی ہوگئی۔ یہ قصّہ دیکھ کر سب متحیّر ہو گئے اور اس قدر عظمت و وقعت شیخ کی ہوئی، کہ دل وجان سے قربان ہونے لگے اور سیکڑوں نے فوراً اسلام قبول کرلیا۔‘‘

(تاریخ مشائخ چشت، ص: ۱۵۴، کتب خانہ اشاعت العلوم: سہارن پور)

(۴) خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ (۵۲۷-۶۳۳ ھ) کے شیخ خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ (وفات: ۶۱۷ ھ / ۱۲۲۰ء) چھٹی صدی ہجری میں مشائخ چشتیہ میں سے گزرے ہیں، ان کے متعلق شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد

زکریا صاحب نوراللہ مرقدہ ’تاریخِ مشائخِ چشت‘ میں رقم طراز ہیں:

’’حضرت (خواجہ عثمانی قدس سرہ) کا معمول اکثر سفر کا رہتا تھا۔ ایک مرتبہ آتش پرستوں کے شہر میں پہنچے، وہاں ان لوگوں نے بہت سی آگ جلا رکھی تھی۔ حضرت نے اپنے خادم کو بھیجا، کہ آگ لے آئے اور کھانا وغیرہ پکائے۔ ان لوگوں نے آگ دینے سے انکار کر دیا اور یہ کہا، کہ یہ آگ پرستش کے لیے ہے، اس میں سے دینا ہمارے یہاں مذہباً جائز نہیں۔

حضرت خود تشریف لے گئے اور ان کو بہت سی نصیحت فرمائی، کہ آگ ہرگز پرستش کے قابل چیز نہیں، پرستش کے قابل صرف وہی ایک ذات لاشریک لہ ہے، آگ خود مخلوق ہے، اگر اس کی پرستش کرو گے، تو یہ تم کو خود جلائے گی، ورنہ یہ تمھیں قیامت کے دن نہیں جلائے گی۔

یہ سُن کر وہ سب کہنے لگے، کہ اچھا! آپ آگ کو نہیں پوجتے: اس لیے اس میں جا کر دکھلایئے، کہ وہ اثر کرتی ہے یا نہیں؟

حضرت نے یہ سُن کر وضو فرمائی اور دوگانہ ادا کیا۔ اس کے بعد ان کے پاس سے سردار کے ایک کم سِن بچّے کو گود میں لے کر اس آگ میں چلے گئے اور دو گھنٹہ اس آگ میں رہے۔ آگ نے اس بچّہ تک میں کوئی اثر نہیں کیا۔

یہ ولایتِ ابراھیمی تھی، یعنی حضرت ابراھیم علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کے معجزہ کا پرتو تھا۔ اس پر وہ سب مع اس سردار کے مسلمان ہو گئے۔ اس سردار کا اسلامی نام ’’عبداللہ‘‘ رکھا گیا اور اس کے لڑکے کا نام ’’ابراھیم‘‘۔ پھر حضرت شیخ کے خدّام میں داخل ہو گئے۔‘‘

(تاریخِ مشائخِ چشت، ص: ۱۶۳، ۱۶۴)

سچ ہے ؎

آج بھی ہو گر ابراھیم سا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

فرعون سے زیادہ احمق

☆ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس اللہ سرہ (۱۲۴۸-۱۲۹۷ھ) فرماتے تھے:

جو شخص اولیاء اللہ کو سجدہ کرے، وہ اس شخص سے زیادہ احمق ہے، جو فرعون کو سجدہ کرے۔

ظاہر ہے، کہ ایک بادشاہ کے سامنے دو شخص ہوں، جن میں ایک تو کہتا ہے، کہ میں بادشاہ ہوں، دوسرا ہاتھ جوڑے کھڑا ہے، کہ میں غلام ہوں۔ اب تین شخص آئے، ان میں سے ایک نے تو بادشاہ کو بادشاہ تسلیم کیا اور دوسرے شخص کو جو بادشاہی کا دعوی کرتا ہے، باغی سمجھا اور تیسرے کو غلام قرار دیا، یہ شخص منصف اور عاقل ہے۔ دوسرے شخص نے باغی کو بادشاہ سمجھ کر اس کی اطاعت کی اور بادشاہ کی پروانہ کی، یہ شخص سرکش اور نادان ہے اور تیسرے نے غلام کو بادشاہ سمجھا، یہ اس سے زیادہ احمق ہے۔

اسی طرح فرعون تو اپنے کو ''رب'' کہتا تھا، اگر اس کے اس دعوے سے کوئی دھوکا میں آجائے، تو اتنا عجیب نہیں، جتنا اولیاء اللہ جو کہ خود غلامی کے مُقِرّ ہیں، ان کو سجدہ

کرنا اوران کے ساتھ وہ برتاؤ کرنا جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کرنا زیبا ہے، عجیب ہے!!!

(خطبات حکیم الامت، ص: ۵۰۷، ج: ۷)

کہانت کا سارا بھرَم لوگوں پر کُھل گیا

☆ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب (۱۲۶۸ - ۱۳۳۹ھ) کے والد حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب (وفات: ۱۳۲۲ھ) قدس اللہ اسرارھما کا ایک مرتبہ سہارن پور میں ایک کاہن سے واسطہ پڑا اور آپ نے اسے برسرِ عام رسوا و ذلیل کر دیا اور کہانت کی حقیقت لوگوں پر آشکارا کر دی۔

ہوا یوں کہ جب کاہن اپنے کمالات علی الاعلان لوگوں میں بیان کرر ہا تھا، تو آپ نے ہاتھ میں پتّھر اٹھا کر کاہن سے کہا کہ بتاؤ! کیا اس پتھر سے میں آپ کو ماروں گا یا نہیں؟ اب تو کاہن کو جان کے لالے پڑ گئے، وہ سمجھتا تھا کہ اگر میں کہتا ہوں کہ تم مارو گے، تو یہ نہ ماریں گے اور اگر کہتا ہوں کہ نہیں مارو گے، تو ضرور ماردیں گے۔ تو حضرت شیخ الہند کے والد قدّس اللہ اسرارھما کے اس عمل سے کہانت کا سارا بھرَم لوگوں پر کُھل گیا، کاہن رسوا ہوا اور جواب نہ دے سکا۔

(حقائق السنن شرح جامع السنن للامام الترمذی، ص: ۵۰۶، ج: ۱، مؤتمر المصنفین: اکوڑہ خٹک)

کیا معقول جواب دیا!

☆ گنگوہ کے ایک بزرگ اہل باطن سنت کے پابند تھے، ایک دفعہ بادشاہ کے بعض حاسد درباریوں نے بادشاہ سے کہا:

’’ یہ بہت بزرگ بنتے ہیں، ان کا امتحان ہونا چاہیئے۔ ان سے یہ کہا جائے، کہ گدھے کی سواری سنت ہے، آپ گدھے پر سوار ہو کر بازار میں نکلیں۔‘‘

بادشاہ نے جب ان سے کہا، تو بزرگ نے کیا معقول جواب دیا! فرمایا:

’’ ہاں ! سنت تو ہے، مگر یہ بھی صاحبِ شریعت ہی کا حکم ہے، کہ اتہام کے موقع سے بچو، میں اگر گدھے پر چڑھ کر بازار نکلوں گا، تو لوگ سمجھیں گے، کہ ان پر شاہی عتاب ہوا ہے ؛اس لیے دو گدھے منگوایئے، ایک پر میں سوار ہوں ، ایک پر آپ ؛ تاکہ کوئی یہ شبہ نہ کرے، کہ ان پر عتاب ہوا۔‘‘

بادشاہ چپ رہ گئے۔

(کلمۃ الحق، ص: ١٥٠، تحفۃ العلماء، ص: ٥٥٧، ج: ٢)

اہل السنۃ والجماعۃ کو عقائد کی وجہ سے عذاب نہ ہوگا

☆ چند سائلین نے (حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ سے) دریافت کیا، کہ بہتر (٧٢) فرقے جن کی نسبت حضور ﷺ کا ارشاد ہے: كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً. (الكتب الستة ، جامع الترمذي ، أبواب الإيمان ، باب (ما جاء

فی) افتراق ھذہ الأمۃ ، حدیث : ٢٦٤١ ، ص : ١٩١٨ ، دارالسلام : الریاض)
اس کے کیا معنی ہیں؟

اشکال کی وجہ یہ تھی کہ اگر فی النّار کا یہ مطلب ہے، کہ ابد کے لیے جائیں گے ،تو کفار میں اوران میں کیا فرق ہوا؟ حالاں کہ یہ سب فرقے اہلِ اسلام ہی کے ہیں، پھراہلِ سنّت کے استثناء کے کیا معنی ؟

(حضرت تھانوی قدس سرہ نے) جواب دیا، کہ یہ لوگ ابد کے لیے نہ جائیں گے ؛ بل کہ بعدِ سزا سب کی نجات ہوگی ، یعنی جن کو ایمان و تصدیق قلبی حاصل ہے ، ان کونجات ہوگی ، گو بہتّر (٧٢) فرقے میں سے ہو اور ان بہتّر (٧٢) کی تخصیص اس اعتبار سے ہے، کہ ان کوعقائدِ فاسدہ پربھی عذاب ہوگا ،جس میں اہلِ سنّت شریک نہیں اور اعمال پرسزا ہونے میں سب شریک ہیں اور تصدیق کی قید اس لیے لگائی ، کہ اگرکسی مُبْتَدِع کو ایسا غلو ہوجائے ، کہ وہ حدِّ ایمان ہی سے خارج ہو جائے ، تو وہ اسلام ہی سے خارج ہے ، اس کی ابدیت ناریت میں کوئی اشکال نہیں ۔

(ملفوظات حکیم الامت ، ملفوظ : ٨٥ ،ص: ٦١ ، ٦٢ ، ج: ١٢)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ نے دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا:

حدیث میں جو آیا ہے ، امت تہتّر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی ، جن میں سے ایک جنت میں جائے گا ، بہتّر دوزخ میں ۔اس کا مطلب یہ نہیں یہ بہتّر فرقے مخلَّد فی النار ہوں گے اور فرقۂ ناجیہ کے لیے بھی لازم نہیں کہ وہ دوزخ سے بالکل

بری ہو؛ بل کہ مراد یہ ہے کہ بہتّر فرقوں کو عقائد و اعمال دونوں پر عذاب ہوگا اور فرقۂ ناجیہ کو فقط اعمال پر۔ خلود نار دونوں کے لیے نہیں۔

(ملفوظات حکیم الامت، ص: ۱۹۹، ج: ۲۴، ادارہ تالیفات اشرفیہ: ملتان)
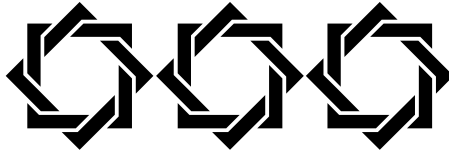
ما يتعلق بالقرآن

قرآن مجید کے رکوعوں میں یہ بے جوڑ رکوع ہے

☆ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰ - ۱۳۶۲ھ) ارشاد فرماتے ہیں:

’’یہ رکوع (جو قرآن شریف میں جگہ جگہ لکھے گئے ہیں) کسی نص سے ثابت نہیں؛ بل کہ بعض تو بالکل بے محل ہیں۔ مثلاً ایک رکوع اس سے شروع ہوتا ہے: ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ؛ حالاں کہ مضمون کے اعتبار سے وَ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَاۤ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ سے شروع ہونا چاہیے؛ چناں چہ معنی سمجھنے والوں پر مخفی نہیں، تو دیکھیے! یہ بے جوڑ رکوع ہے۔‘‘

(ملفوظاتِ حکیم الامت، ملفوظ: ۵۳، ص: ۷۰، ۷۱، ج: ۱۰، ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ: ملتان)

تمام حروفِ ہجا کو متضمن دو آیتیں

☆ قرآن مجید میں دو آیتیں ایسی ہیں، کہ ان میں سے ہر ایک میں تمام حروفِ ہجا: تہجی موجود ہیں:

(۱) ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَ طَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ؕ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ يُخْفُوْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ

الْاَمْرِ شَیْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِیْ بُیُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِیْنَ كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَ لِیَبْتَلِیَ اللّٰهُ مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ وَ لِیُمَحِّصَ مَا فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۝

[آل عمران : ١٥٤]

(٢) مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ؗ سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ ۖۛ وَ مَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ۛ۫ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا۠۝

[الفتح : ٢٩]

(كيف تحفظ القرآن ، ص : ٩٦ ، ٩٧ ، دار الفجر : القاهرة)

قرآن مجید کے نصفِ اول میں اور مَدَنی سورتوں میں حرف ”کَلاّ“ نہیں ہے

☆ حَجّاج بن یوسف ثقفی (۴۱ - ۹۵ ھ) قرآن مجید کا حافظ تھا، اس کا حفظ بے مثال تھا۔ ’طبقات الحنابلة‘ ص : ٤٢٧ ، ج : ١ میں ہے:

” ایک دفعہ ایک بُڑھیا حجاج بن یوسف کے پاس ایک مقدّمہ کے سلسلے میں، جو غالبًا اپنے بیٹے کے ظلماً قید کرنے کے متعلق تھا، آئی تھی۔ اس نے حَجّاج کو دھمکی دی، کہ اگر تونے ایسا کیا — میرے بے قصور بیٹے کو قتل کیا — تو اللہ تعالیٰ تجھ

کو زمین سے ایسا اڑا دے، جیسے " کَلَّا " کو قرآن مجید کے نصفِ اول سے اڑا دیا ہے۔

حَجّاج نے ذرا گردن جھکائی، پھر سر اٹھایا اور بُڑھیا سے کہا کہ اگر قرآن مجید کے نصفِ اول میں " کَلَّا " ہوتا، تو میں تجھ کو قتل کر دیتا؛ مگر میں نے غور کیا، تو واقعی اس میں " کَلَّا " نہیں ہے؛ اس لیے میں تجھ کو کچھ نہیں کہتا۔"

علامہ طاہر الجزائری رحمۃ اللہ علیہ (١٢٦٨-١٣٣٨ھ) ' التبیان لبعض المباحث المتعلقة بالقرآن علیٰ طریق الإتقان ' ص : ٣٦ میں فرماتے ہیں:

حرفِ " کَلَّا " قرآن مجید کی پندرہ سورتوں میں تینتیس (٣٣) مواقع میں آیا ہے، یہ سارے مقامات قرآن مجید کے نصفِ اخیر میں ہیں، نصفِ اول میں کسی جگہ حرفِ " کَلَّا " نہیں آیا ہے۔

شیخ عبد العزیز الدَّیرِینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَمَا نَزَلَتْ كَلَّا بِيَثْرِبَ فَاعْلَمَنْ ☆ وَ لَمْ تَأْتِ فِي الْقُرْآنِ فِيْ نِصْفِهِ الْأَعْلىٰ

"جان لو! " کَلَّا " مدینہ منورہ میں نازل نہیں ہوا یعنی مدنی سورتوں میں کَلَّا نازل نہیں ہوا: مکّی سورتوں میں نازل ہوا ہے اور قرآن مجید کے نصفِ اول میں کَلاّ نہیں آیا ہے۔"

اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ بنو الحارث بن کعب، خثعم اور طے قبائل کی لغت ہے

☆ قرآن مجید میں فرعون کے قول کی حکایت کرتے ہوئے ارشاد ہے:

إِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ [طٰهٰ : ٦٣]

اس میں " إِنْ " مخففہ من المثقلہ حرف مشبہ بالفعل ہے، جو اسم کو نصب اور خبر کو رفع دیتا ہے، اس کا تقاضہ یہ ہے کہ إِنْ هٰذَيْنِ لَسٰحِرٰنِ ہوتا؛ کیوں کہ یہ هٰذا کا تثنیہ ہے، جو حالتِ رفعی میں الف کے ساتھ اور حالت نصبی و جرّی میں یاء ماقبل مفتوح کے ساتھ آتا ہے، جیسے جَاءَ هٰذانِ ، رأيتُ هٰذَيْنِ اور مَرَرْتُ بِهٰذَيْنِ. یہی اکثر عرب کی لغت ہے اور ابوعمرو رحمہ اللہ نے آیتِ مذکورہ میں اسی طرف لغتِ مشہورہ کے مطابق إِنْ هٰذَيْنِ لَسٰحِرٰنِ یاء ماقبل مفتوح کے ساتھ پڑھا ہے؛ لیکن جاننا چاہیے کہ بعض عرب هٰذا کے تثنیہ کو تینوں حالتوں: رفعی، نصبی اور جرّی، میں الف کے ساتھ بولتے ہیں، مثلاً: جَاءَ هٰذَان ، رَأَيْتُ هٰذَانِ اور مَرَرْتُ بِهٰذَانِ. یہی بنوالحارث بن کعب، خثعم اور طے قبائل کی لغت ہے اور ابوعمرو رحمہ اللہ کے علاوہ قرّاء نے مذکورہ آیت میں اسی طرح الف کے ساتھ إِنْ هٰذَانِ لَسٰحِرٰنِ پڑھا ہے (لہٰذا مستشرقین کا آیت مذکورہ کے خلافِ قواعدِ لغتِ عربیہ ہونے کا اعتراض مردود ہے)۔

(ماخوذ از: التبيان لبعض المباحث المتعلقة بالقرآن علىٰ طريق الإتقان ، ص : ١٤٩ ، مكتبة المطبوعات الإسلامية : بيروت ، بدائع الفوائد لابن القيم ، ص : ١٢٢ ، ج : ١ ، مكتبة المؤيد : الرياض)

قرآن مجید معصوم و محفوظ تو ہے ہی، عاصم و حافظ بھی

☆ محدثِ کبیر صاحب اعلاء السنن: علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۱۰-۱۳۹۴ھ) فرماتے ہیں:

ایک دفعہ اے . کے .فضل الحق مرحوم، جو کسی زمانے میں مسلم لیگ کی وزارت بنگال کلکتہ میں وزیر اعظم یعنی وزیر اعلیٰ تھے، دہلی سے کلکتہ جانے کے لیے فرسٹ کلاس میں سوار ہوئے اور ملازم سے پوچھا: ہمارا قرآن شریف بھی آ گیا ہے؟ ملازم نے کہا: ابھی پورا سامان ڈبے میں نہیں آیا، قرآن جس بکس میں ہے، وہ ابھی نہیں آیا، ابھی لاتا ہوں۔ یہ سُن کر وہ فوراً ڈبے سے یہ کہہ کر اتر گئے، کہ تم کو ہم نے بار بار کہا ہے، کہ قرآن کریم سب سے پہلے آنا چاہیے، سامان اتارلو، ہم اس گاڑی سے نہ جائیں گے، دوسری گاڑی سے جائیں گے؛ چناں چہ سامان اتارلیا گیا۔

بعض ہندو جو اس ڈبے میں سوار تھے، اے. کے. فضل الحق کی اس بات پر ہنسنے لگے، کہ عجیب مذہبی دیوانہ ہے، کہ قرآن پہلے نہ آیا، تو گاڑی ہی چھوڑ دی!

جب یہ گاڑی کلکتہ کے قریب پہنچی، تو فرسٹ کلاس کے اس ڈبے کے نیچے سے بم پھٹا اور ڈبے کے پرخچے اڑ گئے، جتنے سوار تھے، اکثر ہلاک ہو گئے، بعض زخمی ہو گئے۔ معلوم ہوا، کہ بعض ہندوؤں نے جو اے. کے. فضل الحق کے دشمن تھے، یہ سُن کر کہ فضل الحق اس گاڑی سے آرہے ہیں، فرسٹ کلاس کے ڈبے کے نیچے بم رکھ دیا تھا، وہ تو قرآن کی برکت سے بچ گئے، کہ اس گاڑی کو چھوڑ چکے تھے، دوسروں کی شامت آ گئی۔

دوسری گاڑی سے جب اے. کے. فضل الحق کلکتہ پہنچے، انھیں اس واقعہ کا علم ہوا، تو تقریر میں فرمایا:

’’ ہندو مجھے مار ڈالنا چاہتے ہیں، وہ یاد رکھیں، کہ میرے پاس قرآن ہر

وقت رہتا ہے، میرا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔‘‘

جو ہندو اس ڈبے میں سوار تھے اور زخمی ہو گئے تھے، انھوں نے اخبار میں یہ واقعہ لکھ کر کہا، کہ جب اے. کے. فضل الحق اس ڈبے سے اترے تھے، تو ہم ہنس رہے تھے، مگر اب معلوم ہوا، کہ ان کا اتر جانا اچھا ہوا، قرآن نے ان کو بچا لیا۔

(خطباتِ اکابر، ص: ٢٦٩، ج:١)

سماعِ قرآن سے تھکاوٹ کا علاج!

☆ بعض لوگ قرآن مجید کی تلاوت سننے سے تھکاوٹ محسوس کرتے ہیں؛ خصوصاً تراویح میں، جب کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے تھکاوٹ کا علاج قرآن مجید کی تلاوت سننے سے کرتے ہیں! چناں چہ:

مولانا ابو الکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ (وفات: ١٣٧٧ھ) جب حکومتِ ہند کے وزیرِ تعلیم تھے، اس زمانے میں ٢٩/ ربیع الآخر ١٣٧٠ھ کو دیو بند تشریف لائے، تو سب سے پہلے آپ دارالعلوم میں تشریف لائے۔ دارالعلوم میں تشریف لانے کے بعد دیر تک دفترِ اہتمام میں تعلیمی امور پر گفتگو ہوتی رہی۔ نشست کے بعد مولانا نے دارالعلوم کے شعبہ جات اور درس گاہوں کا معائنہ فرمایا۔ ایک درس گاہ میں ایک قاری صاحب قرآن مجید پڑھا رہے تھے، مولانا نے ان سے ایک رکوع سنانے کی فرمائش کی اور پھر جب پورے دارالعلوم کا معائنہ کر لیا، تو تھک گئے، تو فرمایا:

’’میری اس تھکاوٹ کا علاج یہ ہے، کہ قاری صاحب سے ایک رکوع سنا

جائے۔‘‘

(بیس مردانِ حق مع حاشیہ بتصرف یسیر، ص: ۸۱۸، ۸۱۹، ج: ۲، مکتبہ رشیدیہ: لاہور)

قرآن مجید کی اثر خیزی

☆ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) فرماتے ہیں:

رامپور کے ایک قاری صاحب کی میں نے حکایت سُنی ہے، کہ ان کو حج کا اشتیاق ہوا؛ لیکن روپیہ پاس نہ تھا، کہیں سے اُن کو سوا روپیہ مل گیا تھا، اُس میں سے چار آنے کا ایک تھیلہ منگوایا اور ایک روپیہ کے چنے بھنوا کر اُس میں بھر لیے اور پیادہ پا چل پڑے۔ راستہ میں کہیں کسی نے دعوت کردی اور دل نے منظور کیا، تو دعوت قبول فرمالی، ورنہ چنے چاب کر پانی پی لیا اور آگے چل پڑے، اسی طرح کئی مہینے میں بمبئی پہنچے۔

جب جدہ کو جہاز جانے لگا، تو قاری صاحب جہاز پر پہنچے اور کپتان سے کہا، کہ اگر جہاز میں کوئی نوکری خالی ہو، تو میں نوکری چاہتا ہوں ۔ کپتان نے کہا کہ نوکری تو ہے، مگر آپ کے مناسب نہیں ؛ کیوں کہ اُس نے صورت سے دیکھا، ایک شریف بزرگ انسان ہے، اس کے لیے کوئی پاکیزہ کام چاہیے۔ قاری صاحب نے فرمایا، کہ آپ مناسب وغیر مناسب کو نہ دیکھیے، اگر کوئی ملازمت خالی ہو، مجھے دے دیجیے۔ کپتان نے کہا: ایک بھنگی کی ملازمت خالی ہے، مگر آپ اس کو نہیں کر سکتے؛

کیوں کہ قوت کا کام ہے اور آپ ضعیف ونحیف آدمی ہیں ۔فرمایا: تم اس کی فکر نہ کرو، میں سب کام کرلوں گا۔ اُس نے امتحان کے طور پر کہا، کہ اچھا! یہ بورا پڑا ہے، اُس کو تو اٹھاؤ۔ وہ بورا اڑھائی تین مَن کا تھا، جس کو قوی مزدور بھی نہ اٹھا سکتا تھا۔ قاری صاحب نے اُس کو ہاتھ لگایا اور اللہ تعالیٰ سے دُعاء کی، کہ یہاں تک تو میرا کام تھا، آگے آپ کا کام ہے، میری مدد فرمائیے۔ دُعا کر کے جو بسم اللہ کر کے اٹھایا ہے، تو سر سے اوپر لے گئے اور نہایت سہولت سے دوسری جگہ رکھ دیا۔ کپتان نے کہا: شاباش! تم واقعی یہ کام کرلو گے اور آپ کا نام لکھ لیا۔

دو غریب مسلمان شائقِ حج اور کھڑے تھے، انھوں نے بھی کپتان سے ملازمت کی درخواست کی۔ کپتان نے کہا، کہ یہی ملازمت خالی ہے، اگر تم کرنا چاہو، تو تم بھی آجاؤ۔ اس کام کو سُن کر دونوں رُک گئے، کہ یہ تو ہم سے نہ ہوگا۔ قاری صاحب نے فرمایا، کہ اللہ کے بندو! محبوب کے دربار میں جانے کے لیے رَستہ موجود ہے اور تم محض اس کام کی وجہ سے رُکتے ہو، چلو! تم نام لکھوا لو، میں تمھارا کام بھی کردیا کروں گا؛ چناں چہ اُن کا نام بھی لکھوا دیا اور خود سب کے کام کا ذمہ لیا۔

اب جہاز میں دن بھر آپ بھنگی کا کام کرتے اور نماز کے وقت نہا دھو کر پاک کپڑے پہن کر نماز پڑھتے اور رات کو تہجد میں قرآن پڑھتے۔ ہائے! کیسے عجیب لوگ تھے.......

ایک رات قاری صاحب تہجد میں قرآن پڑھ رہے تھے، قرآن بہت اچھا پڑھتے تھے، کہ کپتان اُن کے پاس سے گزرا، اُس کو ان کا قرآن پڑھنا پسند آیا، کھڑا ہوگیا۔ جب نماز سے سلام پھیرا، تو پوچھا، کہ تم کیا پڑھتا ہے؟ کہا: یہ اللہ کا کلام ہے۔

کہا: ہم کو بھی سکھلا دو۔ فرمایا کہ ہاں! مگر ایک شرط ہے، کہ پہلے غُسل کرو، پھر ایک کلمہ پڑھو، اس کے بعد قرآن سکھلائیں گے، چوں کہ اُسے قرآن کا شوق ہو گیا تھا، اُس نے غسل بھی کیا اور کلمہ بھی پڑھا، اَلْحَمْدُ اور قُلْ ھُوَاللّٰہُ سیکھی اور شوق میں چلتے پھرتے اُن کو پڑھتا تھا۔

دوسرے انگریزوں نے جو اُس کو قرآن پڑھتے سُنا، کہا: یہ تم کیا پڑھتے ہو؟ کہا: ہمارے بھنگی نے ہم کو سکھایا ہے، ہم قرآن پڑھتے ہیں۔ انگریزوں نے کہا: تم تو مسلمان ہو گیا۔ کہا: نہیں! ہم مسلمان نہیں ہوا۔ انگریزوں نے کہا: نہیں! تم مسلمان ہو گیا، تو وہ دوڑا ہوا قاری صاحب کے پاس آیا، کہ کیا ہم مسلمان ہو گیا؟ قاری صاحب نے کہا: کیا آج ہوئے؟ تم تو کئی روز سے مسلمان ہو چکے ہو۔ اُس کو یہ سُن کر اوّل تو کچھ گھبراہٹ سی ہوگئی، پھر کہنے لگا: اگر اس کے پڑھنے سے آدمی مسلمان ہو جاتا ہے، تو ہم مسلمان ہی رہیں گے؛ لیکن اس کلام کو نہ چھوڑیں گے۔

اس کے بعد اپنی میم سے کہا، کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں، اگر تم ہمارے ساتھ رہنا چاہو، تو تم بھی مسلمان ہو جاؤ، ورنہ تم بھی ہم سے الگ ہو جاؤ۔ میم نے اسلام قبول نہ کیا، اُس نے اس کو الگ کر دیا، پھر جب جدہ آ گیا، تو قاری صاحب کے ساتھ وہ بھی جہاز کی ملازمت سے استعفا دے کر مکّہ مکرمہ چلا گیا اور حج ادا کیا۔

(خطبات حکیم الامت، ص: ۶۱۳ تا ۶۱۵، ج: ۸، ملفوظات حکیم الامت، ص: ۸۷ تا ۹۰، ج: ۲۵)

☆ حضرت حکیم الامت قدس سرہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) دوسرے وعظ میں ارشاد فرماتے ہیں:

میں ایک حکایت بیان کرتا ہوں، جس سے آپ کو معلوم ہوگا، کہ اگر دل

سادہ ہو اور ذہن خالی ہو، تو پھر قرآن کا اثر کیا ہوتا ہے؟ ہم پر اثر اس لیے نہیں ہوتا، کہ دل سادہ نہیں رہا۔

حضرت اصمعی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۲-۲۱۶ ھ) کی حکایت ہے، کہ وہ ایک مرتبہ سفر پر جارہے تھے، راستہ میں ان کو ایک بدوی نے روکا اور مال چھین لینے کا قصد کیا۔ انھوں نے کہا، کہ تجھ کو اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں آتا، کہ ناحق لوگوں کا مال چھینتا ہے؟ اس نے کہا، کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارا رزق اسی طرح مقرر فرمایا ہے اور ہمارا اسی طرح گزران ہے۔ اصمعی رحمہ اللہ نے کہا کہ تو جھوٹ کہتا ہے، تیرا رزق آسمان میں ہے، وہاں سے حسبِ تقدیر پہنچتا ہے؛ چناں چہ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں:

وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ۝٢٢ [الذریٰت : ۲۲]

”تمہارا رزق اور جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے، وہ سب آسمان میں ہے۔“

اس نے کبھی قرآن مجید نہیں سُنا تھا، ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو گیا، پھر (ہوش میں آنے کے بعد) کہا، کہ اے اصمعی ! میں اپنے رب پر ایمان لایا اور آج سے تدبیر کو ترک کیا۔

دیکھیے ! اس بدوی کا دل سادہ تھا، اس کو ایک بھی شبہ نہ ہوا، وہ پاگل نہیں تھا، اس نے خالی الذہن ہو کر کلام باری کو سنا اور خلوِ ذہن کے سبب اس کو فوراً یقین پیدا ہو گیا اور اس سے متأثر ہو گیا۔ ہم نے شکوک و اوہام میں پھنس کر یقین کو دھو ڈالا، قلب مسخ ہو گیا؛ اس لیے کلام اللہ کا بھی — حالاں کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور نہایت سچّا مؤثر کلام ہے — ہمارے دلوں پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔

دیکھو! تختی پر اول نقش جم جاتا ہے اور اگر مشق کرتے کرتے مسخ ہو گئی، تو پھر میر پنجہ کش کا جیم بھی اس پر نہ جمے گا۔ اس بدوی کا دل خالی تھا، قرآن کی آیت سنتے ہی اس کا یقین پختہ ہو گیا، اصمعی کو اور اونٹ کو چھوڑ کر چل دیا۔ حقیقت میں عمل کے لیے تھوڑا علم بھی کافی ہے۔

اس کے بعد اصمعی نے اس کو بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے دیکھا، اس نے پوچھا، کہ اس آیت سے آگے کچھ اور بھی ہے؟ اصمعی نے پڑھا:

فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَا أَنَّكُمْ تَنطِقُونَ ﴿٢٣﴾ [الذاریٰت : ۲۳]

''تو قسم ہے آسمان اور زمین کے پروردگار کی، کہ وہ (روز جزاء) برحق ہے (اور ایسا یقینی) جیسا تم باتیں کر رہے ہو (اور کبھی اس میں شک نہیں ہوتا، اسی طرح اس کو یقینی سمجھو)۔''

سنتے ہی دل پر ایک صدمہ پہنچا، وہ کون ظالم ہوگا، جس نے حق تعالیٰ کی تکذیب کی تھی، کہ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ قسم کھائی اور اس صدمہ سے دم نکل گیا۔

(خطبات حکیم الامت، ص: ۱۰۴، ۱۰۵، ج: ۶، ملفوظات حکیم الامت، ص: ۲۱۹، ج: ۱۹)

☆ حکیم العصر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ (تقریباً ۱۳۵۱-۱۴۲۱ھ) فرماتے ہیں:

ایک زمانے میں حضرت اقدس مولانا خیر محمد جالندھری نور اللہ مرقدہ (۱۳۱۲ یا ۱۳۱۳ - ۱۳۹۰ھ) غیر مقلّدوں کے مقابلے میں مناظرے کیا کرتے تھے اور جامعہ رشیدیہ ساہی وال کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عبد اللہ رائے پوری

نور اللہ مرقدہ مُعِین کی حیثیت سے حضرت کے ساتھ ہوا کرتے تھے۔ کسی مناظرے کے نتیجہ میں عدالت میں مقدمہ ہو گیا۔ عدالت کا جج ایک سِکھ تھا۔ عدالت میں حضرت مولانا محمد عبد اللہ صاحب کا بھی بیان ہوا۔ بیان کے دوران آپ نے اپنے مخصوص انداز میں قرآن کریم کی آیت تلاوت فرمائی۔ جج آپ کی تلاوت پر عش عش کرنے لگا اور بولا:

مولوی صاحب! مقدّمہ تو پھر ہوتا رہے گا، آج تو آپ مجھے قرآن کریم سنائیے۔

(حسن یوسف (مقالات یوسفی)، ص:۲۷۳، ج:۲، مکتبہ لدھیانوی: کراچی)

☆ حاجی قائم دین لائل پور میں کپڑے کے بہت بڑے تاجر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں دین و دنیا دونوں بڑی فیاضی سے عطا کی تھیں۔ امیر شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ (وفات: ۱۳۸۱ھ/ ۱۹۶۱ء) کے مخلص دوستوں میں سے تھے۔ تقسیمِ ملک سے قبل آگرہ میں تھے، انھوں نے واقعہ سنایا:

ایک دفعہ شاہ جی (سیّد عطاء اللہ شاہ صاحب رحمہٗ اللہ) آگرہ میں مارکیٹ کی چھت پر منعقد جلسہ میں تقریر کر رہے تھے۔ حجازی لَے میں قرآن مجید کی آیات پڑھیں: تو ایک نوجوان تڑپ کر چھت کے کنارے کی دیوار سے چھت پر آن گرا۔ مرنے سے تو بچ گیا؛ لیکن وجد اور جذب کی حالت میں ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپنے لگا۔ لوگوں نے اٹھایا، تو اس سے چھرا برآمد ہوا، اسے شاہ جی کے پاس لایا گیا۔ شاہ جی نے اپنا لعابِ دہن اس کے منھ میں ڈالا، کچھ پڑھ کر پھونکا اور محبت سے پاس بٹھا لیا۔ جب اسے ہوش آیا، تو اس نے انکشاف کیا، کہ مجھے تو شاہ جی کے قتل کے

لیے بھیجا گیا تھا؛ لیکن شاہ جی کا خطبہ اور قرآن مجید سُن کر بے تاب اور بے ہوش ہو کر گر پڑا، پھر اس کے بعد کا مجھے کچھ ہوش نہیں۔

ایک دفعہ شاہ جی علی گڑھ کے کسی جلسہ میں تقریر کرنے تشریف لے گئے۔ کالج کے طلبہ نے تقریر سننے سے انکار کر دیا۔ ایسا ہنگامہ بپا کیا، کہ تقریر کرنا محال ہو گیا۔ شاہ جی نے دیکھا کہ بچّے برافروختہ ہیں، کوئی اور نصیحت کارگر نہیں ہو گی، تو فرمایا: اچھا بیٹا! قرآن مجید کا ایک رکوع پڑھ دیتا ہوں اور جلسہ تمھارے احترام میں ختم کرنے کا اعلان کرتا ہوں۔ طلبہ خاموش بیٹھ گئے۔ شاہ جی نے انتہائی دل سوزی سے نیم خورد آواز میں قرآن مجید پڑھنا شروع کیا۔ چشم و گوش اور در و دیوار جھوم گئے۔ تلاوت ختم ہوئی، تو فرمایا: بیٹا! کیا خیال ہے اس کا ترجمہ بھی کروں؟ آواز آئی: ضرور ترجمہ بھی کر دیجیے۔ اب ترجمہ شروع ہوا، پھر ترجمے کے بعد تفسیر و تشریح کا سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا، یہاں تک کہ صبح ہو گئی، شاہ جی نے تقریر ختم کی، طلبہ نے شور مچایا: شاہ جی! اللہ کے لیے کچھ اور بیان کیجیے۔ فرمایا: بیٹا! کبھی پھر آؤں گا، تو تقریر سناؤں گا۔

(بیس بڑے مسلمان، ص: ۸۹۸، ۸۹۹)

☆ ۲۶/اپریل ۱۹۴۶ء کو رات میں اردو پارک دہلی میں امیرِ شریعت حضرت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ (وفات: ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء) نے تقریباً پانچ لاکھ انسانوں کے اجتماعِ عظیم سے خطاب کیا تھا۔ حضرت امیرِ شریعت کے اسٹیج پر تشریف لانے کے بعد ایک قافلہ آیا، اس میں مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ (وفات: ۱۹۵۸ء)، پنڈت جواہر لال نہرو اور برطانوی مشن کے سربراہ وزیر ہند لارڈ پیتھک

لارنس نمایاں تھے۔ٹھیک بارہ بجے حضرت امیرِ شریعت نے قرآن کریم کی تلاوت شروع کی۔الفاظ جیسے جیسے آگے بڑھتے جاتے تھے،قرآن حکیم اپنے معانی ومطالب آپ سے آپ واضح کرتا جاتا۔حضرت امیر شریعت کے گلے کی حلاوت اورطرزِ بیان سے ایسا محسوس ہوتا، جیسے آیات کا نزول ہو رہا ہو۔لاکھوں انسانوں کے اجتماع میں ہُو کا عالَم۔اس خاموشی کو کبھی کبھار آسمان پرستاروں کی انگڑائیاں توڑ رہی تھیں۔

’’میں تو صرف بخاری صاحب کا قرآن سننے کے لیے حاضر ہوا تھا، اب میں اجازت چاہتا ہوں، برطانوی مشن کی آمد کے باعث میں زیادہ مصروف ہوں۔‘‘

یہ تھے پنڈت جواہر لال نہرو کے الفاظ، جو انھوں نے امیرِ شریعت کے اختتامِ تلاوتِ قرآن پر مجمع سے خطاب کرتے ہوئے کہےاور واپس چلے گئے۔

(حیاتِ امیر شریعت،ص: ۲۹۰،۲۹۱)

حفظِ قرآن کی دولت — ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ

☆ امام واقدی (۱۳۰ - ۲۰۷ھ) کا نام محمد بن عمر بن واقدی ہے، ان کا حافظہ غضب کا تھا؛ لیکن یہ عجیب بات ہے، کہ وہ قرآن مجید کا زیادہ حصہ حفظ نہیں کر سکتے تھے، ایک مرتبہ مامون الرشید نے ان سے کہا کہ:

’’آج جمعہ کی نماز آپ نے پڑھانی ہے۔‘‘

کہنے لگے:

’’مجھے سورۂ جمعہ یاد نہیں۔‘‘

مامون نے کہا:

''میں یاد کرادوں گا۔''

چناں چہ مامون نے انہیں یاد کرانا شروع کیا،سورۃ کا ابتدائی حصہ یاد کراتے، تو وہ آخری حصہ بھول جاتے، آخری یاد کراتے، تو وہ حصۂ اول بھول جاتے،تب مامون نے کہا:

هٰذَا رَجُلٌ يَحۡفَظُ التَّاوِيۡلَ، وَ لَا يَحۡفَظُ التَّنۡزِيۡلَ.

''یہ شخص تاویل تو یاد کرلیتا ہے،لیکن قرآن نہیں یاد کرسکتا۔''

پھران سے کہا:

''چلیے، کوئی دوسری سورۃ پڑھ لیجیے گا ؛ لیکن نماز آپ ہی نے پڑھانی ہے۔''

غسّانی کہتے ہیں:

میں نے ان کی اقتداء میں نمازِ جمعہ پڑھی، تو سورۃ الاعلیٰ کی آخری آیت صُحُفِ إِبۡرٰهِيۡمَ وَمُوۡسٰى کوانھوں نے صحف عیسیٰ و موسیٰ پڑھا۔

☆ حضرت مولانا قاضی زین العابدین سجاد صاحب میرٹھی نور اللہ مرقدہ (سابق صدر شعبۂ دینیات، جامعہ ملیہ اسلامیہ: دہلی) فرماتے ہیں:

یہ بات امر واقعہ ہے، کہ علومِ قرآنیہ پر وسیع نظر کے باوجود حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۹۲-۱۳۵۲ھ) حافظِ قرآن نہ تھے۔مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی نور اللہ مرقدہ (۱۸۹۲-۱۹۵۶ء) نے لکھا ہے:

میں نے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا:

''حضرت ! آپ کا حافظہ تو قرآن کریم کو چند دنوں میں حفظ کرسکتا تھا، پھر (یہ) کیا بات ہے (کہ آپ نے قرآن حفظ نہ کیا)؟''

حضرت شاہ صاحب نے جواب دیا:

''قسمت، بخت، واللہ اعلم''

(ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت، حاشیہ:۱،ص:۲۲۱، ج:۱)

مولانا گیلانی کے اس بیان کو ڈاکٹر رضوان اللہ صاحب ریڈر مسلم یونیورسٹی: علی گڑھ نے بھی اپنے مقالہ میں نقل کیا ہے۔

مولانا گیلانی کو حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے یہی جواب دیا ہوگا، مگر میں نے اپنے زمانۂ طالبِ علمی میں اپنے دوست مولوی جمیل الدین صاحب میرٹھی (حال ریٹائرڈ رجسٹرار جامعہ عالیہ: بھاولپور) سے سنا:

کسی نے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے یہی سوال کیا، تو آپ نے فرمایا:

''بچپن میں تو والدین نے اس طرف متوجہ نہ کیا، اب یہ ممکن نہ رہا؛ اس لیے کہ قرآن کریم کی جو آیت پڑھتا ہوں، معارفِ قرآن کا ایک طوفان سا امنڈ آتا ہے، الفاظ ذہن سے نکل جاتے ہیں اور معانی و مطالب کی وادیوں میں گم ہو جاتا ہوں۔''

(تصویرِ انور،ص:۶۷، ۶۸)

☆☆☆☆☆

قواعد نحویہ سے قرآن قابو میں نہیں آسکتا

☆ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰ - ۱۳۶۲ھ) فرماتے ہیں:

میں نے — جس زمانے میں عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھا کرتا تھا — اپنی مسجد میں رمضان شریف میں قرآن شریف سنایا، ختمِ قرآن مجید کا دن تھا، والد صاحب بھی شریک تھے، سورۂ والفجر پڑھ رہا تھا، جب اس آیت پر پہنچا:

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهُ أَحَدٌ ۝ وَلَا يُوثِقُ وَثَاقَهُ أَحَدٌ ۝ [الفجر: ۲۵، ۲۶]

اس کے معنی سمجھ میں نہیں آئے۔

مجھے یہ دھوکا ہوا، کہ "عَذَابَهُ" میں مضاف الیہ کی ضمیر "الْإِنْسَانُ" کی طرف راجع ہے، پس اس صورت میں لَا یُعَذَّبُ بفتح الذال ہوگا؛ چناں چہ ایسا ہی پڑھا، والد صاحب نے ٹوکا اور بتلایا: "لَا يُعَذِّبُ" یعنی بکسر الذال۔ میں نے والد صاحب کے بتلانے پر بھی خیال نہیں کیا اور اسی طرح پڑھا، پھر والد صاحب نے بتلایا۔ غرض تین مرتبہ ایسا ہی ہوا۔ صرف ونحو پر غرّہ تھا، خیال یہی ہوا، کہ میں جو کچھ پڑھتا ہوں، قاعدہ سے وہی صحیح ہے۔ جب تیسری مرتبہ والد صاحب نے بتلایا، تو میں ڈر گیا، کہ باپ ہیں، کہیں ماریں نہیں؛ چناں چہ جس طرح والد صاحب نے بتلایا تھا، اسی طرح پڑھا اور نماز پڑھ کر قرآن شریف دیکھا؛ کیوں کہ اس وقت بھی خیال تھا، کہ جو کچھ میں نے پڑھا، وہی صحیح ہے؛ چناں چہ ایک قرآن میں دیکھا، "لَا يُعَذِّبُ" بکسر الذال نکلا،

یقین نہیں ہوا اور خیال ہوا: ممکن ہے غلط چھپ گیا ہو، دوسرا کلام مجید دیکھا، غرض کئی کلام مجید دیکھنے پر یقین ہوا، کہ صحیح "لَا یُعَذِّبُ" بکسر الذال ہی ہے اور سمجھ میں آیا، کہ "عَذَابَهٗ" میں ضمیر مجرور کا مرجع "رَبِّكَ" ہے اور آیت کے معنی ہیں:

''اُس روز نہ تو آپ کے پروردگار کے عذاب کی برابر کوئی عذاب دینے والا نکلے گا اور نہ اس کے جکڑنے کے برابر کوئی جکڑنے والا نکلے گا۔''

(خطبات حکیم الامت، ص: ۳۳۲، ۳۳۳، ج: ۲۴، نیز ص: ۲۹۵، ۲۹۶، ج: ۳)

☆ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ (۱۳۱۵ - ۱۴۰۲ھ) فرماتے ہیں:

ایک مرتبہ تراویح میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری قدس سرہ (۱۲۶۹ - ۱۳۴۶ھ) نے سورۂ طلاق شروع کی اور يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ [الطلاق: ۱] آیتِ کریمہ شروع فرمائی۔ میں نے جلدی سے لقمہ دیا: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ. حضرت حافظ محمد حسین صاحب حضرت قدس سرہ کے مستقل سامع تھے، جو ہر سال اجراڑہ سے سہارن پور رمضان گزارنے کے لیے تشریف لایا کرتے تھے۔ نیز حضرت مولانا عبداللطیف صاحب اور چچا جان یعنی حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مراقدہم اقتداء میں تھے۔ تینوں ایک دم بولے: "يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ".

تراویح کے بعد حضرت قدس سرہ پندرہ بیس منٹ مدرسہ میں آرام فرماتے تھے، جس میں چند خدّام پاؤں بھی دباتے اور قرآن پاک کے سلسلے میں کوئی گفتگو بھی ہوتی۔ مثلاً کسی نے غلط لقمہ دے دیا، یا تراویح میں اور کوئی بات پیش آئی ہو، چند منٹ

تک اس پر تبصرہ وتفریح ہوتی۔

حسبِ معمول لیٹنے کے بعد حضرت قدس سرہ نے ارشاد فرمایا: مولوی زکریا! سو رہے تھے؟ میں نے عرض کیا: حضرت! بالکل نہیں، مگر اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ سارے جمع کے صیغے تھے، مجھے یہ خیال ہوا، کہ "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا" ہوگا، "یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ" مفرد کیوں ہوگا؟ حضرت اقدس سہارن پوری قدس سرہ نے ارشاد فرمایا: قرآن شریف میں بھی قیاس چلاتے ہو؟ میں نے عرض کیا: حضرت! یہ تو قیاس نہیں، یہ تو قواعد نحویہ کی بات تھی۔

(آپ بیتی: ۱۲۳، ۱۲۴، ح: ۵، بتصرف يسير وتقديم وتأخير، معهد الخليل الإسلامی: کراچی)

واضح ہو، کہ آیت کریمہ میں جمع کے صیغے کی مختلف توجیہات کی گئی ہیں، جن میں سے چند حسبِ ذیل ہیں:

(۱) "اِذَا طَلَّقْتُمُ" میں خطاب نبی ﷺ کو ہے اور جمع کے صیغے تعظیماً استعمال کیے گئے ہیں۔

(۲) نبی ﷺ کے ساتھ امت کو مراد لینے کی وجہ سے "اِذَا طَلَّقْتُمُ" الخ میں جمع کے صیغے استعمال ہوئے ہیں۔ تقدیر عبارت ہے: يا أيها النبیّ وأُمَّتَكَ، إذا طلقتم الخ

(۳) یہاں "قُلْ" مقدر ہے۔ تقدیر عبارت ہے: يا أيها النبی، قُلْ لِأُمَّتِكَ: إذا طلّقتم الخ

حفّاظ کے لیے حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کا کلمۂ حکمت

☆ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (١٢٨٠-١٣٦٢ھ) فرماتے ہیں:

روز مرّہ کون قرآن پڑھتا ہے؟ حافظ بھی تو رمضان ہی میں مشق کرتے ہیں؛ چناں چہ ایک حافظ فخراً کہتے تھے، کہ میں صرف رمضان ہی میں پڑھتا ہوں، مگر یہ کہنا ایسا ہی ہوا جیسے کوئی کہے کہ فلاں میرا محبوب ہے، مگر میں اسے سال بھر کے بعد دیکھتا ہوں اور پہچان لیتا ہوں۔

اب تو اس پر فخر کرتے ہیں، کہ سال بھر قرآن نہیں پڑھتے اور رمضان میں تراویح میں سنا دیتے ہیں۔ میں کہتا ہوں: اگر محض حافظ ہو جانا کمال ہے، تو بہت سے بھوت بھی حافظ ہوتے ہیں؛ چناں چہ بہت سے واقعات سُنے ہوں گے، کہ فلاں عورت پر جن آتا ہے اور وہ قرآن پڑھتا ہے، تو اصل کمال حافظ ہونا نہیں ہے؛ بل کہ تعلق مع اللہ اور تعلق مع القرآن ہے، اسی کی تکمیل وتسہیل کے لیے حافظ بنائے جاتے ہیں۔ سو اگر ایسا تعلق ناظرہ خواں رکھے، وہ ہزار درجہ افضل ہے ایسے حافظ سے۔

(خطبات حکیم الامت، ص:٢١، ٢٢، ج:٧)

ما یتعلق با لحدیث

تین اکابر علماءِ دیوبند کی خدمات کا حدیثِ جبریل پر انطباق

☆ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ (۱۲۴۸-۱۲۹۷ھ) کے تلمیذِ رشید حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب امروہوی نور اللہ مرقدہ (وفات: ۱۳۶۷ھ) نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

''حدیث جبریل'' میں جبریل علیہ السلام نے جو رسول اللہ ﷺ سے ما الإیمان ؟ ما الإسلام ؟اور ما الإحسان ؟ یہ تین سوال کیے ہیں، ان میں '' إیمان'' سے متعلق جتنے شعبے ہیں، ان کو مولانا نانوتوی نے بیان کر دیا ہے۔ ان کی قوتِ بیانیہ اور علمِ کلام کا یہ کمال تھا، کہ آدم علیہ السلام سے لے کر دورِ محمدی تک جتنے شبہات ڈالے جاسکتے ہیں، ان سب کا ازالہ اپنی تصنیفات میں فرمادیا ہے۔ مولانا گنگوہی نے '' الإسلام '' کی تشریح کی ہے اور ان کی تصنیفات میں یہی رنگ غالب ہے اور مولانا تھانوی نے '' إحسان '' کے مرتبہ کو واضح کیا ہے، ان کے یہاں اسی کا غلبہ ہے، اصلاحِ باطن اور تہذیبِ اخلاق کا سبق اُن کی ہر کتاب سے ملتا ہے۔

(ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، ص: ۳۵، بابت: رمضان ۱۳۷۱ھ از: مولانا نسیم احمد فریدی امروہوی)

آمین میں احیاءِ سنت — ایک لطیفہ

☆ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) نے فرمایا:

مولانا محمد یعقوب صاحب (نانوتوی) رحمہٗ اللہ (۱۲۴۹-۱۳۰۲ھ) سے ایک غیر مقلّد نے کہا کہ جس جگہ آمین بالجہر نہ کہتے ہوں، وہاں آمین بالجہر کہنا احیاء سنت ہے۔مولانا نے فرمایا کہ پھر جس جگہ آمین بالجہر کا عمل ہے، وہاں آمین بالسر کہا کرو ؛ کیوں کہ آمین بالسر بھی سنت ہے ، وہاں اس کا احیاء کرو ۔ اس نے کہا : واہ صاحب ! میں دونوں جگہ پٹوں ؟ (سبحان اللہ ! کس طرح سمجھایا !)

(ملفوظات حکیم الامت ،ص : ۴۰۷ ، ج : ۲۶)

رفعِ یدین سے متعلق شاہ اسماعیل شہید رحمہٗ اللہ کی دلیل کا جواب

☆ خاں صاحب (جناب امیر شاہ خان صاحب رحمہٗ اللہ متوطن خورجہ ، مقیم مینڈھو : ضلع علی گڑھ) نے فرمایا کہ مولوی عبد القیوم صاحب فرماتے تھے کہ شاہ اسحٰق صاحب بیان فرماتے تھے :

جب مولوی اسمٰعیل صاحب (شہید رحمہ اللہ) (۱۱۹۳-۱۲۴۶ھ) نے رفع یدین شروع کیا،تو مولوی محمد علی صاحب ومولوی احمد علی صاحب نے جو شاہ عبد العزیز (صاحب محدث دہلوی قدس سرہ (وفات : ۱۲۳۹ھ)) کے شاگرد تھے اور ان کے کاتب تھے ، شاہ صاحب سے عرض کیا کہ حضرت ! مولوی اسماعیل صاحب نے رفعِ یدین شروع کیا ہے اور اس سے مَفسَدہ پیدا ہوگا، آپ ان کو روک دیجیے ۔

شاہ صاحب نے فرمایا کہ میں تو ضعیف ہوگیا ہوں ، مجھ سے تو مناظرہ نہیں ہوسکتا ، میں اسماعیل کو بلائے لیتا ہوں ،تم میرے سامنے اس سے مناظرہ

کرلو۔ اگرتم غالب آ گئے ، تمھارے ساتھ ہو جاؤں گا ۔ اور وہ غالب آ گیا تو اس کے ساتھ ہو جاؤں گا ۔ مگر وہ مناظرہ پر آمادہ نہ ہوئے اور کہا کہ حضرت ! ہم تو مناظرہ نہ کریں گے ۔ اس پر شاہ صاحب نے فرمایا کہ جب تم مناظرہ نہیں کر سکتے ، تو جانے دو ۔

شاہ صاحب نے یہ جواب دیا تو میں سمجھا کہ شاہ صاحب نے اس وقت دفع الوقتی فرما دی ہے ؛ مگر یہ مولوی اسماعیل سے کہیں گے ضرور ؛ چناں چہ ایسا ہی ہوا اور جب شاہ عبد القادر صاحب (وفات : ۱۲۳۰ھ) آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا:

میاں عبد القادر ! تم اسماعیل کو سمجھا دینا کہ وہ رفع یدین نہ کیا کریں ، کیا فائدہ ہے ؟ خواہ مخواہ عوام میں شورش پیدا ہوگی ۔ شاہ عبد القادر صاحب نے فرمایا کہ حضرت ! میں کہہ دوں مگر وہ مانے گا نہیں اور حدیثیں پیش کرے گا ۔

اس وقت بھی میرے دل میں یہی خیال آیا کہ گو انھوں نے اس وقت یہ جواب دے دیا ہے ؛ مگر یہ بھی کہیں گے ضرور ؛ چناں چہ یہاں بھی میرا خیال صحیح ہوا اور شاہ عبدالقادر صاحب نے (اپنے نواسے) مولوی محمد یعقوب صاحب (وفات: ۱۲۸۲ھ) کی معرفت مولوی اسماعیل صاحب سے کہلایا کہ تم رفع یدین چھوڑ دو ، اس سے خوامخواہ فتنہ ہوگا ۔

جب مولوی محمد یعقوب صاحب نے مولوی اسماعیل صاحب سے کہا ، تو انھوں نے جواب دیا کہ اگر عوام کے فتنہ کا خیال کیا جائے ، تو اس حدیث کے کیا معنی ہوں گے :

مَنْ تمسّكَ بِسُنّتی عِنْدَ فَسادِ أُمّتی فله أجرُ مائةِ شهيد .

(حدیث کی تحقیق کے لیے ملاحظہ ہو: اليواقيت الغالية ، ص : ٤٣ ، ١٨٥ ، ج : ١)

کیوں کہ جو کوئی سنت متروکہ کو اختیار کرے گا، عوام میں ضرور شورش ہوگی۔

مولوی محمد یعقوب صاحب نے شاہ عبد القادر صاحب سے ان کا جواب بیان کیا۔ اس کو سُن کر شاہ عبد القادر صاحب نے فرمایا:

بابا! ہم تو سمجھتے تھے کہ اسماعیل عالم ہو گیا؛ مگر وہ تو ایک حدیث کے معنی بھی نہ سمجھا۔ یہ حکم تو اس وقت ہے، جب کہ سنت کے مقابل خلافِ سنت ہو اور ما نحن فیہ میں سنت کا مقابل خلافِ سنت نہیں ؛ بل کہ دوسری سنت ہے ؛ کیوں کہ جس طرح رفعِ یدین سنت ہے، یوں ہی ارسال (: عدمِ رفع) بھی سنت ہے۔

جب مولوی محمد یعقوب صاحب نے یہ جواب بھی مولوی اسماعیل صاحب سے بیان کیا، تو وہ خاموش ہو گئے اور کوئی جواب نہ دیا۔

(حکایاتِ اولیاء المعروف بہ ارواحِ ثلثہ، ص: ۱۱۲ تا ۱۱۴ ، اسلامی اکاڈمی : لاہور ، ملفوظات حکیم الامت، ص: ۶۹ ، ۷۰ ، ج: ۲۴ ، ادارہ تالیفات اشرفیہ: ملتان)

حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰ - ۱۳۶۲ھ) نے فرمایا:

” (حضرت شاہ عبد القادر صاحب کا جواب) عجیب تحقیق غامض ہے۔ “

(ملفوظات حکیم الامت، ص: ۲۹۳ ، ج: ۱۵)

تتمّہ :

☆ حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض معتبر شہادتوں کی بنیاد پر

اپنی مشہور کتاب التمهيد لأئمة التجديد (ص: ۲۹۸ قلمی) میں لکھا ہے، کہ جب سیّد احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۰۱ - ۱۲۴۶ھ) نے افغانستان جانے کا ارادہ کرلیا، تو مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۹۳ - ۱۲۴۶ھ) سے ایک دن یہ سوال کیا، کہ رفعِ یدین کے عمل کے سلسلے میں آپ کی کیا نیت ہے؟ جواب میں عرض کیا: ابتغاءً لمرضاۃ اللہ، یعنی یہ عمل رضائے خداوندی کے حصول کے لیے کرتا ہوں، تو سیّد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہوا، کہ رضائے خداوندی کے لیے اس کو ترک بھی کر سکتے ہیں، مطلب یہ رہا ہوگا کہ افغانستان جا رہے ہیں اور وہاں رفعِ یدین سے عوام میں فتنہ کا اندیشہ ہے؛ اس لیے جب ترکِ رفع بھی سنت ہے، تو رضائے خداوندی کا حصول اس طرح عمل کرنے میں بھی ہے؛ چناں چہ شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ ترکِ رفع پر رضامند ہوگئے اور نہایت معتبر تاریخی شہادتوں سے ثابت ہے کہ حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے آخری عمر میں رفعِ یدین پر عمل ترک کردیا تھا۔

(ایضاح البخاری، حاشیہ: ا،ص: ۲۹۸، ج: ۴، مکتبہ مجلس قاسم المعارف: دیوبند)

مسئلۂ رفعِ یدَین کی نئی توجیہ

☆ ایک مرتبہ ایک گتھی سلجھانے کے لیے دانایانِ قوم دہلی میں جمع ہوئے تھے، دارالعلوم دیوبند سے بھی ایک وفد علماء کا دہلی بھیجا گیا تھا، جس میں حضرت مولانا مَنَاظِر اَحسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ (۱۸۹۲-۱۹۵۶ء) بھی شریک تھے۔ حضرت موصوف

فرماتے ہیں:

’’دلّی پہنچنے کے بعد سب سے بڑی آرزو یہی تھی، کہ کسی طرح مولانا ابوالکلام آزاد سے ملاقات و مکالمے کا موقع مل جائے، حق سبحانہ تعالیٰ نے اس دشوار مسئلے کو بھی آسان کردیا، بغیر کسی سابقہ تعارف کے حکیم اجمل خاں مرحوم کے ہمراہ ان کے مکان میں مولانا کی خدمت میں حاضر ہو گیا.......

ملنے کے ساتھ ہی مولانا غیر معمولی طور پر متوجہ ہو گئے، تا آں کہ عصر کے بعد سے مغرب تک مختلف مسائل پر گفتگو فرماتے رہے، یہی اپنی زندگی میں مولانا سے پہلی ملاقات اور شاید یہی آخری ملاقات تھی۔

مغرب کی نماز مولانا کے ساتھ ہی حکیم جی مرحوم کی مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کی گئی۔ نماز میں ایک خاص لطیفہ پیش آیا:

فرض نماز میں میں نے دیکھا، کہ مولانا نے رفع یدین نہیں کیا؛ لیکن سنت میں انھی کو رفعِ یدین کرتے ہوئے جب میں نے پایا، تو مسجد سے نکلتے ہوئے وجہ دریافت کی گئی، مولانا مسکرائے اور فرمانے لگے:

جناب! یہ بھی حدیثوں میں تطبیق کی ایک شکل ہے، دیوبند میں یہ توجیہ آپ نے نہ سنی ہوگی، پھر ایک تقریر کی، جس کا حاصل غالباً یہی تھا، کہ حدیثوں سے رفع و عدمِ رفع دونوں باتیں ثابت ہیں، ایک مقدّمہ تو یہ ہوا۔ دوسرا مقدّمہ یہ ہے، کہ مکتوبات یعنی فرض نمازوں اور سُنن ونوافِل کے درمیان منجملہ دوسرے امتیازات و فروق کے ایک فرق یہ بھی ہے، کہ سُنن ونوافل میں اک گونہ حرکات کی گنجائش ہے، جن کا تحمّل فرائض نہیں کر سکتے۔ تیسرا مقدمہ یہ ہے، کہ رفع و عدم میں ظاہر ہے، کہ

رفع کا تعلق حرکت سے ہے اور عدمِ رفع میں سکون ہے۔ ان ہی تینوں مقدمات کو پیشِ نظر رکھ کر مولانا نے فرمایا، کہ سُنن و نوافل میں تو رفعِ یدین کرلیتا ہوں ؛ لیکن فرائض میں احتیاط سے کام لیتا ہوں۔

واقعی مولانا کی طرف سے مسئلۂ رفعِ یدین کی نئی توجیہ تھی، جو اس وقت کان میں پڑی اور اس وقت تک کسی کتاب میں باوجود طول مطالعہ کے یہ توجیہ نظر سے نہیں گزری۔''

(احاطۂ دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن، ص: ۲۱۲،۲۱۳)

حضرت مولانا عبدالرشید ارشد صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

''مولانا ابوالکلام'' آزاد'' تھے، انھوں نے اپنے لیے یہ عمل پسند کرلیا؛ لیکن علماءِ دیوبند فقہ حنفی کے پابند ہیں، وہ فرائض اور سنن ہر جگہ ایک ہی عمل کرتے ہیں۔ مولانا آزاد کا عمل ویسے ایک اچھی مثال اور احادیثِ مختلفہ در بیانِ رفعِ یدین کی ایک اچھی تطبیق ہے۔''

(بیس مردانِ حق، ص: ۲۴، ج: ۱، حاشیہ: ۱، مکتبہ رشیدیہ: لاہور)

بندہ کہتا ہے:

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی نور اللہ مرقدہ دیوبند میں فقہِ حنفی کے ترجمان اپنے اساتذۂ کرام سے وہی توجیہ سُن سکتے تھے، جو ان اکابر کے ذوقِ اعتدال، تعمّقِ علم اور وسعتِ نظر کی آئینہ دار ہو۔ ایسی توجیہ سے ان کے کان نا آشنا تھے، جو ان شاہین پرواز اور باز نظر حاملینِ علم سے متعلقہ مسئلہ کی کوئی روایت یا اس کے کسی پہلو کے اوجھل رہ جانے یا اس سے صرفِ نظر کی غمّاز ہو۔ حضرت

مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ کی توجیہ ان روایات کے بالکلیہ اوجھل رہ جانے یا ان سے اِغماض کی شاکی ہے، جو صراحتاً یا دلالتاً فرض نمازوں میں رفع یدین کے ثبوت پر دلالت کرتی ہیں؛ اس لیے ایسی توجیہ وہ دیوبند میں کیوں کر سُنتے ہوتے ؟

نماز میں اصل ترک رفعِ یدین ہے

☆ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) فرماتے ہیں:

مسلم کی حدیث مالی أراكم رافعي أيديكم الخ (الكتب الستة، صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب الأمر بالسكون فی الصلاة الخ، حديث: ٩٦٨، ص: ٧٤٧، دارالسلام: الرياض) میں مولانا محمد یعقوب صاحب (نانوتوی) رحمہٗ اللہ (۱۲۴۹-۱۳۰۲ھ) نے فرمایا کہ اس سے رفعِ یدین حالتِ سلام میں مراد ہے اور یہ حنفیہ کو زیادہ مفید ہے؛ کیوں کہ حالتِ سلام نماز میں مِن وجہٍ داخل اور مِن وجہٍ خارج ہے اور علت آگے حضور ﷺ فرماتے ہیں:

اسكنوا فی الصلاة .

اور جس علّت کو شارع خود فرما دیں، وہ قطعی ہوتی ہے، تو گویا جو حالت مِن وجہٍ داخل مِن وجہٍ خارج ہے، اس میں رفعِ یدین بوجہ منافیٔ سکون ہونے کے ناجائز ہے، تو جو رفعِ یدین وسطِ صلوٰۃ میں ہو، وہ بالطریق الاولیٰ حالت صلوۃ کے خلاف ہوگا

اور اس تعلیل سے معلوم ہوا کہ اصل نماز میں ترکِ رفعِ یدین ہے اور رفع جو ہوا، تو عارض کی وجہ سے، مثلاً تعلیم اصمّ وغیرہ۔

(ملفوظات حکیم الامت، ص: ۳۹۷، ۳۹۸، ج: ۲۶)

حضرت تھانوی قدس سرہ نے دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا:

ایک حدیث مسلم شریف میں ہے، اس سے ترک رفع یدین پر استدلال مشہور ہے؛ مگر مجھے ہمیشہ سے مخدوش معلوم ہوتا ہے؛ مگر اسی حدیث کی جو مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تقریر فرمائی، وہ نہایت عجیب ہے، البتہ اس میں ایک مقدمہ ملانا پڑتا ہے؛ مگر وہ خود بدیہی ہے۔ حدیث یہ ہے: مالی أراکم رافعی أیدیکم. یعنی رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو ہاتھ اٹھاتے دیکھا، تو منع فرمایا۔ اس سے استدلال کرتے ہیں کہ دیکھو! رسول اللہ ﷺ نے رفع یدین کو منع فرمایا اور اس میں خدشہ یہ ہے کہ یہ یقینی ہے کہ سلام کے وقت جو رفع ایدی کرتے تھے، اس سے آپ نے منع فرمایا تھا اور یہ حدیث بھی دو طرح آئی ہے، ایک میں سلام کی تصریح ہے اور ایک اس سے ساکت ہے اور دوسروں نے کہا، کہ ایک ہی ہے۔ عینی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے بھی زور دیا ہے کہ ایک ہی ہے؛ مگر یہ بات میرے جی کو نہیں لگتی۔

سیدھی بات یہ ہے کہ حضور ﷺ نے جو سلام کے وقت رفع ایدی کو منع فرمایا ہے، خود اس کی وجہ اسکنوا فی الصلاۃ فرمائی ہے اور جب شارع کسی حکم کی علت خود بیان کرے، تو وہ معلّل ہوتا ہے اور اسی پر حکم کا مدار ہوتا ہے، ورنہ اس کا الغاء لازم آتا ہے، یعنی جب رسول اللہ ﷺ علت بیان فرما رہے ہیں، تو حکم کا اس علت پر

مدار ہوگا۔ پس جب یہاں ممانعت کی وجہ حضور ﷺ نے اسکنوا فی الصلاۃ فرمائی ہے، تو اب کہا جائے گا کہ جب سلام کے وقت رفع ایدی خلافِ سکون ہونے کے سبب ممنوع ہے، تو عین نماز میں تو سکون زیادہ مطلوب ہوگا، اس میں خلافِ سکون فعل کی ممانعت اور زیادہ ہوگی۔

(ملفوظات حکیم الامت، ص: ۲۱۹، ۲۲۰، ج: ۱۱)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دِقّتِ نظر

☆ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قُدِّس سرُّہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) فرماتے ہیں:

ایک حدیث میں آیا ہے:

"اگر کوئی نمازی کے سامنے گزرے، تو اُسے ہٹاؤ، اگر نہ ہٹے، فَلْیُقَاتِلْه. اس سے قتال کرے۔"

(صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب لیرد المصلی من مرّ بین یدیه، ص: ۷۳، ج: ۱، قدیمی: کراچی)

بعض اس کو ظاہر پر محمول کرتے ہیں۔ حنفیہ اسے زجر پر محمول کرتے ہیں؛ کیوں کہ اس حکم کی علّت پر غور کرو کہ کیا ہے؟ اس کی علّت جمعیتِ صلاۃ کی حفاظت ہے اور یہ صلاۃ کی ایک صفت ہے اور ذات یقیناً صفت سے (زیادہ) قابلِ حفاظت ہوتی ہے، پس اگر یہاں صفت کی حفاظت کے لیے جھگڑو گے، تو نماز ہی ٹوٹ جائے

گی، تو یہ عقل کے خلاف ہے، کہ شارع صفت کا اس قدر اہتمام کریں، کہ ذات کی بھی پروا نہ رہے۔

سبحان اللہ! امام صاحب (اصح قول کے مطابق ٨٠-١٥٠ھ) کی کیسی گہری نظر ہے، اہلِ ظاہر کی نظر اتنی عمیق نہیں؛ اسی لیے امام صاحب پر اعتراضات کرتے ہیں۔

(خطبات حکیم الامت، ص: ١١٧، ج: ١٦)

امامة الصبی

☆ ایک مرتبہ فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ (١٢٤٤-١٣٢٣ھ) کی خدمت میں ایک استفتاء آیا، کہ نابالغ کے پیچھے تراویح جائز ہے یا نہیں؟

مولانا نے جواب دیا، کہ ناجائز ہے۔

طلبہ نے دلیل دریافت کی، تو فرمایا:

دلیل" الامامُ ضامنٌ "(الکتب الستة، جامع الترمذی، أبواب الصلاة، باب ماجاء أن الإمام ضامن الخ، حدیث: ٢٠٧، ص: ١٦٥٧، دارالسلام: الریاض) ہے، جو تم حدیث میں پڑھ چکے ہو، بچّہ ضامن نہیں ہوسکتا، امام بھی نہیں ہوسکتا۔

حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی اور فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس اللہ اسرارھما کے شاگرد حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب امروہوی

نوّر اللہ مرقدہ (وفات: ۱۳۶۷ھ) فرماتے تھے، کہ یہ دلیل سُن کر حیرت ہوگئی، کہ یہ حدیث تو دیکھی اور سُنی ہوئی تھی، مگر اس طرف بالکل توجہ ہی نہیں ہوئی، کہ اس میں سے یہ مضمون نکلتا ہے۔

(ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، ص: ۲۴، بابت: شوال ۱۳۷۱ھ از: مولانا نسیم احمد فریدی امروہوی)

صلاۃ کسوف میں تعدّدِ رکوعات کی توجیہ

☆ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) فرماتے ہیں:

حضرت استاد (مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی) علیہ الرحمۃ نے صلاۃ کسوف میں تعدّدِ رکوعات کا یہ جواب دیا ہے، کہ اس وقت حضور ﷺ پر تجلّیات کا غلبہ تھا، کبھی آپ پر ایک تجلّی غالب ہوتی، جس کا مقتضا طولِ قیام تھا، کبھی دوسری تجلّی غالب ہوتی، جس کا مقتضا رکوع تھا، رکوع سے فارغ ہوکر پھر وہ تجلّی غالب ہوگئی، جو قیام کو مقتضِی تھی؛ اس لیے پھر قیام فرمایا، اس کے بعد پھر تجلّیٔ مقتضِیٔ رکوع کا غلبہ ہوگیا، اسی غلبۂ تجلیات میں آپ نے متعدد بار قیام اور متعدد رکوع کیے اور جو فعل شارع سے تشریعاً صادر نہ ہو؛ بل کہ غلبۂ حال سے صادر ہو، وہ مامور بہ نہ ہوگا؛ لہٰذا صلاۃِ کسوف میں تعدّدِ رکوعات مشروع نہیں۔

(خطبات حکیم الامت، ص: ۷۵، ۷۶، ج: ۱۷)

ایک شبہ کا جواب

☆ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) فرماتے ہیں:

جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح کا پیغام دیا،تو (صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب زواج زينب بنت جحش و نزول الحجاب و إثبات وليمة العرس، ص: ٤٦١، ج: ١، قديمي: کراچی میں ہے:) انھوں نے کہا: (مَا أَنَا بِصَانِعَةٍ شَيْئاً حَتّى أوَامِرَ رَبِّى . أىْ) حتّى اسْتَخِيْرَ فِيهِ رَبِّى کہ میں اللہ تعالیٰ سے اول استخارہ کرلوں۔

یہاں بظاہر شبہ ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی خدمت میں اورآپ کے نکاح میں شر کا احتمال کہاں تھا، جو استخارہ کی حاجت ہوئی؟ اس نعمت عظمیٰ کو فوراً قبول کرلینا چاہیے تھا۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے، کہ بے شک حضور ﷺ کی خدمت تو خیر محض تھی، مگر ہر شخص تو اس کا اہل نہیں ہوتا۔ بعض دفعہ خادم نا اہل ہوتا ہے، اس کی خدمت سے مخدوم کو راحت نہیں ہوتی اور بعض دفعہ خادم اہل ہوتا ہے؛ لیکن مخدوم کا مزاج بہت لطیف ہوتا ہے، جس کی رعایت اس سے پوری طرح نہیں ہوسکتی .....مخدوم میں جتنی حِس زیادہ ہوتی ہے، اتنی ہی اس کو بات بات پر تکلیف ہوتی ہے اور اسی لیے تو حضور ﷺ نے فرمایا، کہ مجھ سے زیادہ کسی کو بھی ایذا نہیں دی گئی، حالاں کہ نوح علیہ السلام کو جس قدر تکالیف دی گئیں، ظاہر میں معلوم ہوتا ہے، کہ حضور ﷺ کو اس قدر تکلیف

نہیں پہنچی ؛ لیکن چوں کہ حضور ﷺ حِس اور لطافت سب سے زیادہ رکھتے تھے؛ اس لیے واقعات سے حضور ﷺ پر زیادہ اثر ہوتا تھا۔ پس اب سمجھو کہ آں حضرت ﷺ کی خدمت گو خیرِ محض تھی، مگر حضور ﷺ کی لطافتِ طبع کی وجہ سے کسی خدمت کے خلافِ مزاج ہونے سے حضور ﷺ کی تکلیف کا احتمال تھا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اس نکتہ کو پہنچ گئیں ؛ اس لیے انھوں نے استخارہ کرنے کے لیے کہا۔

(خطبات حکیم الامت ،ص: ۸۶،۸۵، ج: ۳۱ ، ملفوظات حکیم الامت ،ص: ۱۵۶، ۱۵۷، ج: ۱۹ نیز ص: ۲۷۳، ج: ۲۶)

استخارہ میں سونا لازم نہیں

☆ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) فرماتے ہیں:

استخارہ میں یہ ضرورت نہیں ، کہ دعا پڑھ کر سو بھی رہے، حدیث میں اس کا کہیں ذکر نہیں ؛ بل کہ اس رواج کی اصل یہ ہے، کہ سونے میں ذرا یک سوئی زیادہ ہوتی ہے ؛ اس لیے یہی معمول ہوگیا ہے ، ورنہ سونا لازم نہیں۔ حدیث میں صرف اتنا ہے، کہ دو رکعت نماز پڑھ کے دعا پڑھے اور یک سوئی کا منتظر رہے ، بس جو جانب قلب میں راجح ہوجائے ، اس پر عمل کرے۔

(خطبات حکیم الامت ،ص: ۲۴، ج: ۷)

ایک حدیث پاک کی عجیب شرح

☆ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أيّما رجل رأى امرأةً تُعجبُهُ ، فليقُم إلىٰ أهلِه ، فإنّ معها مثل الذى معها .

(سنن الدارمى ، كتاب النكاح ، باب الرجل يرى المرأة فيخاف على نفسه ، حديث : ٢٢١٥ ، ص : ١٩٦ ، ١٩٧ ، ج : ٢ ، قديمى : كراچى)

’’جس مرد کی نظر کسی عورت پر پڑے، جو اسے بھلی معلوم ہو، تو چاہیے کہ وہ اپنی بیوی کے پاس آئے یعنی اپنی بیوی سے جماع کر لے؛ اس لیے کہ اپنی بیوی کے پاس ویسا ہی ہے، جیسا اس عورت کے پاس ہے۔‘‘

(حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) نے) فرمایا:

مولانا محمد یعقوب صاحب (نانوتوی) رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۴۹-۱۳۰۲ھ) نے میلان الی الاجنبیہ کا جو علاج مشغولی بالزوجہ سے حدیث میں آیا ہے اور اس میں یہ ٹکڑا بطورِلِم کے ارشاد ہوا ہے کہ ” فإن معها مثل الذى معها “اس کی عجیب شرح فرمائی تھی ۔ان حضرات کے یہ علوم مدون نہ تھے ۔فرماتے تھے:

اشیاء متناولہ کی تین قسم ہیں:

ایک یہ کہ ان سے صرف دفع حاجت مقصود ہے، لذت مقصود نہیں، مثلاً پاخانہ کرنا۔

دوسرے وہ ہیں کہ جن میں صرف لذت مقصود ہے، مثلاً پیاس نہ ہونے کی صورت میں نہایت عمدہ خوشبودار شربت پینا، جیسا کہ جنت میں ہوگا، یہاں تو صرف لذت مقصود ہے۔

تیسرے وہ ہیں، جن میں دونوں سے ترکیب ہے، یعنی لذت اور دفع حاجت دونوں مقصود ہیں اور اس کی پھر دو صورتیں ہیں:

ایک یہ کہ دفع حاجت غالب ہو، جیسے طعام میں دفع حاجت غالب ہے، گو لذت بھی مقصود ہوتی ہے؛ اسی واسطے دسترخوان کا عمدہ ہونا، برتن صاف ہونا بھی مطلوب ہوتا ہے؛ مگر ضروری نہیں۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ لذت غالب ہو، جیسے جماع کرنے میں دفع حاجت بھی ہے، یعنی دفع فضلات منویہ وغیرہ؛ مگر زیادہ مقصود اس میں لذت ہے۔

تو حضور ﷺ اس حدیث میں ارشاد فرماتے ہیں، کہ گو جماع میں زیادہ تر نفس کو لذت مقصود ہوتی ہے؛ مگر تم دوسرا مراقبہ کرلیا کرو، کہ دفع حاجت مقصود ہے اور اسی میں راحت ہے اور جب مقصود دفع حاجت ہے، تو اس میں اپنی اور بیگانی دونوں عورتیں برابر ہیں۔

اور زانی کو چوں کہ لذت مقصود ہوتی ہے؛ اس واسطے ساری دنیا کی عورتیں بھی اگر اس کو میسر ہو جائیں اور ایک باقی رہ جائے، تو اس کو یہ خیال رہے گا، کہ شاید اس میں اور طرح کا مزہ ہو؛ اسی واسطے ہمیشہ پریشانی میں رہتا ہے۔ بخلاف اس شخص کے، جو دفع حاجت کو زیادہ مقصود سمجھے گا، وہ بہت مطمئن ہوگا اور اپنے حق پر رہے گا۔

(ملفوظات حکیم الامت، ص: ۱۳۰، ۱۳۱ نیز ص: ۴۷۳، ۴۷۴، ج: ۲۶، ادارہ تالیفات اشرفیہ:

ملتان)

ایک حدیث پاک پر اشکال اوراس کا جواب

☆ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) نے فرمایا:

ایک مرتبہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب (سہارن پوری) رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۶۹-۱۳۴۶ھ) نے فرمایا، کہ 'ترمذی' میں یہ حدیث ہے:

لَا یُغْلَبُ اثنا عشرَ الفاً مِن قِلّۃٍ .

(الکتب السّتّة ، جامع الترمذی، أبواب السِّیر، باب ما جاء فی السّرایا ، حدیث : ١٥٥٥، ص : ١٨١١، دارالسلام : الریاض)

(یعنی حضرت رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے، کہ بارہ ہزار مسلمانوں کا لشکر قلّتِ تعداد کی وجہ سے کبھی دشمنوں کے مقابلہ میں مغلوب نہ ہوگا۔)

اس کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا، حالاں کہ ثابت ہے، کہ بارہ ہزار کیا؛ بارہ ہزار سے کہیں زائد تعداد کے لشکر شکست کھا گئے۔

حضرت مولانا کی برکت سے میرے ذہن میں فوراً جواب آگیا۔ میں نے عرض کیا، کہ حدیث شریف کا مضمون بالکل بے غبار ہے۔ حضور ﷺ نے "مِنْ قِلّۃٍ" فرمایا ہے، کہ قِلّت کی وجہ سے مغلوب نہ ہوگا، "مِـنْ عِـلَّۃٍ" نہیں فرمایا، کہ کسی اور سبب سے بھی مغلوب نہ ہوگا؛ لہذا جہاں بارہ ہزار یا بارہ ہزار سے زائد کے لشکر

شکست کھا گئے، اس کی وجہ قِلّت نہیں ؛ بل کہ کوئی دوسری عِلّت ہوگی ؛ چناں چہ اس کی تائید کتبِ حدیث و تاریخ سے بھی ہوتی ہے ؛ بل کہ قرآن شریف میں بھی مسلمانوں کا غزوۂ حُنَین میں اوّلاً مغلوب ہونا بالتصریح مذکور ہے، حالاں کہ غزوۂ حُنین میں مسلمان بارہ ہزار تھے، لیکن پھر بھی اوّلاً مغلوب ہو گئے اور اس کی وجہ قِلّت نہیں تھی ؛ بل کہ قلبی مرض یعنی خود پسندی و عُجب تھا، جس کا ذکر قرآن شریف میں ہے :

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ

[التوبة : ٢٥]

’’ اللہ نے بہت سے مقامات پر تمھاری مدد فرمائی اور غزوۂ حُنین میں بھی، جب تم اپنی کثرت پر نازاں تھے۔‘‘

حاصل یہ ہے، کہ مسلمانوں کو غزوۂ حنین میں عُجب وغرور پیدا ہو گیا تھا، کہ ہم اتنے زائد ہیں، اس عُجب کی وجہ سے شکست ہوئی اور جب اس سے توبہ کر لی اور معافی مانگ لی، تو اسی میدان میں یہ ہزیمت خوردہ لشکرِ اسلام غالب آ گیا، جس کا ذکر اس آیتِ کریمہ میں ہے :

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا

[التوبة : ٢٦]

’’ یعنی شکست کے بعد اللہ نے رسول مقبول ﷺ اور مسلمانوں پر اپنی خاص تسلّی نازل فرمائی اور قلوب کی تقویت کے لیے فرشتوں کا لشکر بھیجا، جو نظر نہیں آتا تھا۔‘‘

(ملفوظات حکیم الامت، ملفوظ : ۱۰۴، ص : ۱۹۱،۱۹۲، ج : ۲۵ نیز ص : ۱۸۱، ج : ۱۳)

ایک نکتہ

☆ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) فرماتے ہیں:

حدیث میں آیا ہے:

قال أصحاب رسول اللّٰه ﷺ : یا رسولَ اللّٰه ! ما ھذہ الأضاحی ؟ قال : سنةُ أبیکم إبراھیم .

(الکتب الستة ، سنن ابن ماجه ، أبواب الأضاحی ، باب ثواب الأضحیة ، حدیث : ۳۱۲۷ ، ص : ۲٦٦۷ ، دار السلام : الریاض)

’’صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا : یا رسول اللہ ! قربانیاں کیا ہے؟ فرمایا : تمھارے باپ ابراھیم علیہ السلام کا طریقہ ہے۔‘‘

"سُنَّةُ أَبِیکُمْ إبراھیم" میں ایک عجیب لطیفہ ہے ۔ وہ یہ ہے کہ قربانی کو ابراھیم علیہ السلام کی سنت فرمایا، حالاں کہ ان کا فعل ذبحِ ولد ہے اور ہمارا فعل ذبح البقرۃ ہے، جب تغایر ہوا، تو پھر اضاحی کو ’’سُنّتِ ابراھیم‘‘ کہنا کیسے صحیح ہوا؟

اگر کوئی کہے، کہ انھوں نے تو (مینڈھے یا) بکری کو ذبح کیا تھا، بیٹے کو کہاں ذبح کیا ہے؟ تو جواب یہ ہے، کہ انھوں نے تو قصداً بیٹے ہی کو ذبح کیا تھا؛ چناں چہ چُھری چلا ہی دی تھی؛ لیکن حق تعالیٰ نے بجائے ان کے مینڈھے یا بکری کو قائم مقام کردیا، پس ’’سُنّت ابراھیم‘‘ تو اضاحی اس وقت ہوں، جب کہ ہم بھی اپنی اولاد کو ذبح کریں۔

پھر ’’سنتِ ابراھیم‘‘ جو اس کو فرمایا، تو نکتہ یہ ہے، کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے یہ بتلا دیا، کہ تم کو اس عمل کا ثواب اتنا ہی ملتا ہے، جس قدر کہ ان کو ذبحِ ولد پر ملا تھا۔ اول تو ذبحِ ولد ہی ایک بہت بڑا عمل ہے۔ دوسرے یہ کہ ابراھیم علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کا ذبح کہ اس پر ثواب بھی بے انتہا ہوگا، تو گویا ارشاد ہے، کہ تم کو اس عمل پر وہی ثواب ہوگا، جس قدر کہ ابراھیم علیہ السلام کو ذبحِ ولد پر ہوا تھا۔

سبحان اللہ! یہ صرف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی برکت ہے، کہ تین روپیہ میں (یہ ۱۳۳۱ھ کی بات ہے، جب قربانی کا جانور تین روپیہ میں ملتا تھا) وہ اجر ہم کو ملتا ہے، جو بیٹے کے ذبح کرنے سے ایک پیغمبر کو ملتا ہے۔ اللّٰہ اکبر!

(خطبات حکیم الامت، ص:۱۶۱، ۱۶۲-۱۲۵-۱۸۴، ج:۱۷)

رسول اللہ ﷺ نے سات حیوانات کا گوشت تناول فرمایا

رسول اللہ ﷺ نے صاحبِ عارضۃ الاحوذی: حافظ ابوبکر ابن العربی رحمہٗ اللہ (۴٦۸-۵۴۳ھ) کی تحقیق کے مطابق سات حیوانات کا گوشت تناول فرمایا:

(۱) اونٹ

(۲) گائے

(۳) بکری

(۴) مرغی

(۵) خرگوش

(٦) گورخر: جنگلی گدھا

(۷) سُرخاب

فالذی أكل النبی ﷺ من اللحم الإبل و البقر و الغنم و الدجاج و الأرنب و الحمار الوحشی والحُبارى .

(عارضة الأحوذی ، ص : ٢٤ ، ج : ٨ ، دار أم القرى : القاهرة)

ملحوظہ:

بعض حیوانات کے گوشت تناول فرمانے میں اختلاف روایات ثابت ہے، جیسے خرگوش میں۔

الحُمىّٰ مِنْ فَيْحِ جهنّمَ الخ

☆ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

الحُمىّٰ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ، فَأَطْفِئُوهَا بِالماءِ.

(صحيح بخاری، کتاب الطب،باب : الحمی من فیح جهنم ، ص : ٨٥٢، ج : ٢، قديمی: کراچی)

’’بخار جہنم کی تیز تپش ہے یا جہنم کی تیز تپش کے مشابہ ہے، تم اس کو پانی سے بجھاؤ۔‘‘

زمانۂ ماضی میں میرٹھ شہر (صوبہ: یوپی، انڈیا) میں بخار کی وبا پھیلی ، کئی

لوگ لقمۂ اَجَل بن گئے۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قُدِّس سرُّ ہ (۱۲۴۸-۱۲۹۷ھ) نے اس وبا کے لیے یہ علاجِ غُسل تجویز فرمایا،تو اس سے سات سو(۷۰۰) افراد کو شفاء حاصل ہوئی۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ (۱۳۱۵-۱۴۰۲ھ) فرماتے ہیں کہ:

ظاہر ہے، کہ ان جیسے امور میں قوّتِ ایمان اور مضبوطیٔ اعتقاد کا اعتبار ہے۔

وقد وقع فی سالفِ الزمان فی بلدة میرتھ وباءُ الحمّی، وقدضَاعَ به رجال کثیر، فعمل مولانا محمد قاسم النانوتوی نوّر اللّٰه مرقده بهذا العلاج الغسل ، فاستشفی به سبع مائة نفر ، و للّٰه درّ مشایخنا رحمهم اللّٰه و رضی عنهم، وممّا یَجبُ التنبیهُ علیه أن العبرة فی أمثالِ هذه الأمورِ لقوةِ الإیمان و شدّةِ الاعتقادِ کما لا یخفیٰ.

(الأبواب و التراجم ، ص : ٥٩، ج : ٦، مکتبة خلیلیة : سهارن پور)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) فرماتے ہیں:

”ایک مولوی صاحب کہ طبیب بھی تھے، مجھ سے اپنا قصّہ بیان فرماتے تھے، کہ میں بیمار ہوا: بخار تھا، ہر چند علاج کیا،مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ آخرکار میں نے اس حدیث کے مطابق،جس میں بخار کا علاج غسل سے آیا ہے،نہر میں غسل کیا۔ان کا بیان ہے، کہ اس کے بعد مجھے اور بیماریاں تو ہوئیں،مگر بخار کبھی نہیں ہوا۔

ہر چند کہ بعض شُرّاح اس علاجِ غسل کو غیر مادی بخار کے ساتھ مخصوص

فرماتے ہیں، مگر اہلِ عقیدت کے لیے سب اَقسام کو عام ہے۔

علاوہ ازیں یہ مسئلہ طبّیہ ہے، کہ دوا مُعِین ہے، فاعل نہیں، سو اہلِ عقیدت کی طبیعت میں اس عمل سے قوت ہوگی اور وہ اپنی قوت سے فعل کرے گی۔‘‘

(ملفوظات حکیم الامت، ص: ۵۰۳، ج: ۲۸، نیز ص: ۱۹، ج: ۱۹، خطبات حکیم الامت، ص: ۶۲۴، ج: ۱۱)

ایک حدیث پاک کی مختصر وجامع تشریح

☆ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) فرماتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

يَسِّرَا وَلاتُعَسِّرا ، وَبَشِّراَ وَلَا تُنَفِّرا، وَتَطَاوَعَا وَلَا تَخُتَلِفاَ.

(صحيح بخاری ، كتاب الجهاد ، باب مايكره من التنازع و الاختلاف فی الحرب الخ، ص : ٤٢٦ ، ج : ١ ، قديمی : كراتشی)

’’آسانی کرنا، دشواری مت کرنا۔خوشی کی باتیں کرنا، نفرت مت دلانا۔ ایک دوسرے کا خوشی سے کہا ماننا، اختلاف مت کرنا۔‘‘

یہ ایک حدیث ہے، اس کے مخاطبِ اول حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں اور خطاب اس وقت کا ہے، جب کہ جناب رسول مقبول ﷺ نے یمن کے دو علاقوں پر ان دونوں کو حاکم بنا کر بھیجا تھا اور

مخاطبِ ثانی تمام امّت ہے۔

حدیث میں پہلے دو امر تو عام لوگوں کی اصلاح کے متعلق تھے اور تیسرے حکم میں باہمی تعلّقات کا ادب بتلا دیا، یعنی باہم اتفاق سے رہنا۔

اصلاح کے دو طریقے ہیں: اصلاح کبھی فعل سے ہوتی ہے، کبھی قول سے۔ یَسِّرا وَ لَا تُعَسِّرا کا تعلّق فعل سے ہے، کہ اگر کر کے بتلاؤ، تو آسان بتلاؤ، ایسا نہ ہو، دشواری میں پڑ جائے، بَشِّرا و لا تُنَفِّرا کا تعلق قول سے ہے۔

یہاں پر ایک بات اہلِ علم کے سمجھنے کی ذہن میں آئی، کہ تبشیر کے مقابل تو إِنذار آتا ہے، تُنَفِّرا کا لانا بظاہر بلاغت کے خلاف معلوم ہوتا ہے، یا تو آنِسَا وَ لَا تُنَفِّرا فرماتے یا بَشِّرا وَ لَا تُنْذِرا فرماتے، کہ مقابلہ درست ہو جاتا۔

آج ہی یہ بات سمجھ میں آئی، کہ بہت بڑی بات کی طرف اشارہ فرما دیا۔ بات یہ ہے، کہ بَشِّرا کے وہ معنی مراد لیے ہیں، جو تُنَفِّرا کے مقابل ہیں، نہ وہ معنی جو لَا تُنْذِرَا کے مقابل ہیں، تو تبشیر اس مقام پر تنفیر کا تو مقابل ہے اور إِنذار کا مقابل نہیں؛ کیوں کہ تبشیر، إِنذار کو بھی شامل ہے۔ انذار کی دو قسمیں ہیں: ایک یہ کہ وحشت ہو، جس سے لوگ نا امید ہو جائیں۔ دوسرے یہ کہ اُلفت ہو، انذار کے ساتھ ہی اس سے بچنے کی تدبیر بھی بتا دی جائے۔ پہلی قسم تُنَفِّرا میں داخل ہے، دوسری قسم بَشِّرا میں داخل ہے۔

تَطَاوَعَا وَ لَا تَخْتَلِفَا میں بھی اصولِ بلاغت کے موافق یا تو تَطَاوَعَا وَ لَا تَعْصِيَا ہوتا یا اِتَّفِقَا وَ لَا تَخْتَلِفَا ہوتا، مگر اس میں بھی وہی نکتہ ہے کہ بجائے اتفقا کے تطاوعا فرما کر اتفاق کا مبنیٰ بتا دیا، کہ وہ تطاوُع ہے، کہ جب ہر ایک دوسرے

کو اپنا مطاع و معظم سمجھے گا، اتفاق لازم ہوگا۔ پھر سبحان اللہ ! یوں نہیں فرمایا کہ اِمْتَثِلا ؛ بل کہ فرمایا: تطاوعا. طَوْع کہتے ہیں خوشی سے کہنا ماننے۔ مطلب یہ ہے کہ خوشی سے کہنا مانو۔

(خطبات حکیم الامت، وعظ :التبشیر ، ج:۱۳)

' فتح الباری ' میں ہے:

قوله : (يسرا و لا تعسرا ، و بشرا و لا تنفرا)

قال الطيبى : هو معنى الثانى من باب المقابلة المعنوية ؛ لأن الحقيقة أن يقال : بشرا و لا تنذرا و آنسا و لا تنفرا ، فجمع بينهما ليعمّ البشارة و النذارة و التأنيس و التنفير .

قلت : و يظهرلى أن النكتة فى الإتيان بلفظ البشارة و هو الأصل ، و بلفظ التنفير و هو اللازم ، و أتى بالذى بعده على العكس للإشارة إلى أن الإنذار لا ينفى مطلقاً بخلاف التنفير ، فاكتفى بما يلزم عنه الإنذار و هو التنفير ، فكأنه قيل : إن أنذرتم فليكن بغير تنفير ، كقوله تعالىٰ : ﴿ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا ﴾ .

(فتح البارى ، كتاب المغازى ، باب بعث أبى موسى ومعاذ إلى اليمن قبل حجة الوداع، ص : ٦٥٩، ج : ٧، دارالريان : القاهرة ، شرح الطيبى علىٰ مشكاة المصابيح ، كتاب الإمارة و القضاء، باب ما على الولاة من التيسير ، ص : ٢٢٠ ، ج : ٧ ، إدارة القرآن و العلوم الإسلامية : كراتشى)

☆☆☆☆☆

معراج میں رسول اللہ ﷺ کی کس آسمان پر کون سے پیغمبر سے ملاقات ہوئی؟

☆ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) فرماتے ہیں:

میں نے حضرات انبیاء علیہم السلام کے نام کہ پہلے آسمان پر کون ہے اور دوسرے پر کون؟ سہولت کے لیے یہ تجویز کیا:

أَعْيَاهُما.

الف سے حضرت آدم علیہ السلام پہلے آسمان پر

ع سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمانِ ثانی پر اور چوں کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام ان کے بھائی ہیں، وہ بھی ان کے ہم راہ ہیں؛ اس واسطے ان کو بھی ان کے ساتھ ملا دیا

ی سے حضرت یوسف علیہ السلام (تیسرے آسمان پر)

الف سے حضرت ادریس علیہ السلام (چوتھے آسمان پر)

ھ سے حضرت ہارون علیہ السلام (پانچویں آسمان پر)

م سے حضرت موسیٰ علیہ السلام (چھٹے آسمان پر)

اور **الف** سے حضرت ابراھیم علیہ السلام جو سب سے اوپر ہیں (ساتویں آسمان پر)

(ملفوظات حکیم الامت، ص:۳۴۳، ج:۲۶)

حدیث پاک سے عجیب استنباط

☆ ایک مولوی صاحب نے ایک دن (شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہ (۱۲۳۳ - ۱۳۱۷ھ) کی خدمت میں) آکر پوچھا کہ اَلْیَدُ العُلْیَا خَیْرٌ مِّنَ الْیَدِ السُّفلیٰ (صحیح بخاری ، کتاب الزکاۃ ، باب لاصدقة إلا عن ظهر غنی، ص : ۱۹۲ ، ج : ۱) (اوپر والا : دینے والا ہاتھ نیچے والے : لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے) کی حدیث سے تو فقیر پر غنی کی ترجیح نکلتی ہے۔

(حضرت حاجی صاحب قدس سرہ نے) فوراً ارشاد فرمایا کہ یدِ عُلیا اسی لیے افضل ٹھہرا، کہ مال کو علیحدہ کر کے فقیر بننا چاہتا ہے اور یدِ سُفلیٰ اسی لیے مفضول ہوا، کہ مال لے کر غنی بنتا ہے۔

(بیس بڑے مسلمان ،ص:۱۰۳، مکتبہ رشیدیہ: لاہور)

’مرقاة المفاتیح شرح مشكاة المصابيح ‘ میں ہے:

و توضيحه أن الغنیّ بإعطاء بعض المال تقرب إلى اللّٰه تعالىٰ باختيار الفقر ، و الفقير بأخذ بعض المال مَالَ إلى الغنى ، فتنقص حاله و يخشى مآله .

(مرقاة ، ص : ۱۷٦ ، ج : ٤ ، مكتبه امداديه : ملتان)

حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی قدس سرہ کا لکھا ہوا حاشیۂ بخاری کتنے پاروں کا ہے؟

☆ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ (۱۳۱۵-۱۴۰۲ھ) نے 'أوجز المسالك' کے مقدمہ میں حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ (وفات: ۱۲۹۷ھ/۱۸۷۹ء) کے ترجمہ میں تحریر فرمایا ہے:

ثم بعد الفراغ عن العلوم اشتغل بالتدريس برهة من الزمان، ثم فتح المطبعة الأحمدية بدهلى، و طبع فيها كتب الحديث، و حلّاها بالحواشى المفيدة، سيما صحيح البخارى، فحشّاها بأحسن التحشية المفيدة، إلا خمسة أجزاء من الأخير، فأكملها بأمره رئيس المتكلمين رأس الأفاضل حضرة العلامة ذو المفاخر مولانا محمد قاسم النانوتوى، رئيس الجامعة القاسمية بديوبند .

(أوجز المسالك، المقدمة، الباب الثالث، الفائدة الثالثة، ص: ۱۵۱، ۱۵۲، ج: ۱، دارالقلم: دمشق)

''علوم سے فراغت کے بعد کچھ عرصہ پڑھانے میں مشغول رہے، پھر دہلی میں مطبع احمدی جاری کیا، اس میں حدیث کی کتابیں چھاپیں اور ان پر مفید حاشیے لکھے، خاص طور سے 'صحیح بخاری' کا نہایت عمدہ اور مفید حاشیہ لکھا سوائے اخیر کے پانچ پاروں کے، کہ ان اخیری پانچ پاروں کے حواشی کی تکمیل ان کی فرمائش پر رئیس

المتکلمین ، رئیس الافاضل حضرت علامہ صاحب المَفاخر مولانا محمد قاسم نانوتوی (قدس سرہ): رئیس جامعہ قاسمیہ دیوبند نے کی۔‘‘

’تاریخ دارالعلوم دیوبند‘ میں ہے:

’’تحصیل علم کے بعد مولانا (محمد قاسم صاحب) نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذریعۂ معاش کے لیے حضرت مولانا احمد علی محدث سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ کے مطبع احمدی دہلی میں اپنے لیے تصحیحِ کتب کا کام اختیار کیا۔ اسی زمانے میں حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی فرمائش پر ’صحیح بخاری‘ کے آخری چند سیپاروں کا حاشیہ بھی تحریر فرمایا۔ حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

جناب مولوی احمد علی صاحب سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ نے تحشیہ اور تصحیح بخاری شریف کے پانچ چھ سیپارے آخر کے باقی تھے، مولوی صاحب کے سپرد کیا۔‘‘

(تاریخ دارالعلوم دیوبند، ص: ۱۰۷، ۱۰۸، ج: ۱، ناشر: ادارۂ اہتمام دارالعلوم دیوبند)

حضرت مولانا نورالحسن راشد صاحب کاندھلوی مدظلہم تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مولانا نانوتوی نے حضرت مولانا احمد علی کے حاشیہ کا جو تکملہ اور خدمت سرانجام فرمائی ہے، وہ کس قدر ہے؟ یہ سوال توجہ طلب ہے۔

عام طور پر کہا جاتا ہے، کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کا پانچ یا چھ سپارے کا حاشیہ ہے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی لکھا ہے:

’’تحشیہ اور تصحیح بخاری شریف کے پانچ چھ سپارے آخر کے باقی تھے، مولوی

صاحب کے سپرد کیا۔''

(حالات مولانا محمد قاسم، ص: ۹، طبع اول بھاولپور: ۱۲۹۷ھ)

مولانا محمد یعقوب صاحب کے ان الفاظ کی وجہ سے یہ مشہور ہو گیا ہے، کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے بخاری شریف کے پانچ یا چھ سپاروں کا حاشیہ لکھا تھا، مگر مولانا یعقوب صاحب نے جو لکھا ہے، وہ مولانا کا مشاہدہ یا تحقیق نہیں۔ مولانا یعقوب صاحب اس زمانہ میں اجمیر میں ملازم تھے، مولانا یعقوب صاحب کی مولانا سے ۱۲۶۸ھ کے آخر سے تقریباً پانچ سال تک ملاقات نہیں ہوئی؛ اس لیے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے اس زمانے کے جو واقعات اور حالات مولانا یعقوب صاحب نے لکھے ہیں، ان کے لیے مولانا یعقوب صاحب نے خود صراحت فرما دی ہے کہ:

''اس وقت کی اکثر حکایات سنی سنائی عرض کرتا ہوں؛ کیوں کہ پانچ برس تلک پھر ملاقات مولوی صاحب سے نہیں ہوئی۔''

(حالات مولانا محمد قاسم، ص: ۱۰)

اور انہیں سنی سنائی روایات میں غالباً حاشیۂ بخاری کے پانچ چھ سپاروں کی بات بھی ہے؛ لہٰذا اس کے متعلق مزید معلومات اور غور و فکر کی ضرورت ہے۔

بعض لوگوں نے مولانا کے لکھے ہوئے حاشیہ کی مقدار ساڑھے چار سپارے لکھی ہے، مگر یہ خیال بھی صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ حضرت مولانا نے بخاری شریف پر جو حاشیہ لکھا ہے، بظاہر وہ صرف تین پاروں کا ہے: کتاب المحاربین سے آخر کتاب تک، اسی باب سے اٹھائیسویں پارہ کا بھی آغاز ہوتا ہے؛ لہٰذا صاف صاف تین پارے

ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا نانوتوی قدس سرہ نے صرف تین پاروں کا حاشیہ لکھا ہے:

یہ جو عرض کیا گیا ہے، کہ حضرت مولانا کا لکھا ہوا حاشیہ اٹھائیسویں پارے کی ابتداء: کتاب المحاربین، سے آخر کتاب تک ہے، یہ محدث العصر حضرت الاستاذ: حضرت مولانا محمد یونس صاحب جونپوری مدظلہم و دامت برکاتہم، شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارن پور کی رائے گرامی ہے۔

حضرت مولانا فرماتے ہیں کہ:

''کتاب المحاربین سے حاشیہ نگاری کا طرز اور اسلوبِ تحریر بہت بدل گیا ہے، کتاب المحاربین سے پہلے کے حاشیے اور محاربین سے آخر تک کے حواشی علیحدہ علیحدہ شخصیات نے لکھے ہیں۔''

حضرت مولانا نے حواشی کے اور پہلوؤں کا بھی تجزیہ کیا ہے، ایک مجلس میں دونوں کے فرق کو نمایاں کرتے ہوئے فرمایا، کہ آخر کے پاروں کے حواشی پہلے حواشی سے وجوہاتِ ذیل سے مختلف معلوم ہوتے ہیں:

الف: حضرت مولانا احمد علی کے حواشی ایجاز واختصار میں ممتاز ہیں، حضرت مولانا احمد علی حلِّ کتاب کی پوری کوشش فرماتے ہیں اور 'بخاری شریف' کے شروح و حواشی اور دوسری کتابوں سے جو اقتباسات نقل فرماتے ہیں، تو ان کے بہت ہی ضروری اور منتخب حصّے نقل فرماتے ہیں، جن کتابوں کی عبارت نقل کرتے ہیں، وہ بہت

مختصر ہوتی ہے، حضرت مولانا کتابوں کے طویل اقتباسات نقل نہیں کرتے ؛ بل کہ متعلقہ پوری عبارت اور اقتباس کا جوہر اور عطر کھینچ لیتے ہیں۔

ب: حضرت مولانا حواشی کے مباحث میں تکرار پسند نہیں فرماتے، جس چیز پر کہیں شروع میں بحث آچکی ہے، اس کا عموماً اعادہ نہیں کریں گے، اگر ضرورت ہوگی، تو اس کا حوالہ دیں گے، کہ فلاں جگہ یہ بات گزر گئی ہے۔

ج: حضرت مولانا کا ایک ماخذ ''عثمانی'' بھی ہے؛ اگر چہ معلوم نہیں، کہ یہ کیا کتاب ہے؟ اس کے مصنف کون تھے؟ مگر حضرت مولانا احمد علی اس کا جگہ جگہ، بار بار حوالہ دیتے ہیں۔[1]

اور کتاب المحاربین سے جو حواشی ہیں، ان کا پچھلے حصہ کے حاشیوں سے کئی طرح کا فرق محسوس ہوتا ہے:

(۱) حواشی میں تفصیل وتطویل بہت ہے، 'فتح الباری' اور دیگر شروحات کی طویل طویل عبارتیں نقل کی گئی ہیں، جو حضرت مولانا احمد علی کا بالکل مزاج نہیں۔

(۲) حواشی میں ایسی کئی بحثیں مفصلاً آئی ہیں، جو پہلے حواشی میں گزر چکی ہیں اور جیسا کہ ابھی ذکر کیا گیا، مولانا احمد علی ایک بحث کو تفصیلاً دو جگہ نہیں لکھتے۔

(۳) فقہائے متأخرین مثلاً شیخ ابن ہُمام وغیرہ سے کئی موقعوں پر استفادہ

---

(۱) بندہ کہتا ہے:
''عثمانی'' سے مراد علامہ عثمان بن ابراهیم صدیقی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ کی 'غایۃ التوضیح للجامع الصحیح' ہے۔

ہے، جو حضرت مولانا احمد علی کا بہت کم معمول ہے۔

(۴) خود ان پاروں کے حواشی کے مُندرجات میں بھی کئی موقعوں پر تکرار ہے۔

(۵) ان حواشی میں ’’ عثمانی ‘‘ کا کہیں ذکر نہیں آیا، جو مولانا احمد علی صاحب کا ایک مستقل ماخذ ہے۔

(۶) دونوں کا اسلوبِ تحریر (زبان) بھی مختلف ہے، قلم صاف بدلا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

مذکورہ وجوہات نیز بعض اور قرائن سے بھی یہی اندازہ ہوتا ہے، کہ حضرت مولانا احمد علی کے حاشیہ کا جو تکملہ مولانا محمد قاسم صاحب نے لکھا ہے، وہ تین پاروں کا ہے، حواشی کے مطالعہ اور تجزیہ سے ساڑھے پانچ یا ساڑھے چار پاروں کی بات صحیح معلوم نہیں ہوتی۔

(قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، احوال و آثار و باقیات و متعلقات، ص: ۷۴ تا ۷۷، مکتبۂ نور: کاندھلہ)

کتاب ’ العلل ‘ للترمذی کی ایک عبارت کا حل کبارِ محدثین کے اقوال کی روشنی میں

☆ بعض حضرات محدثین نے بعض راویانِ حدیث کو ان کی جلالتِ شان کے

باوجود ضعیف قرار دیا ہے۔ اس نکتے پر بحث کے دوران امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اصولِ ستّہ : کتبِ ستّہ (صحاح ستّہ) کے راوی : محمد بن عمرو بن علقمہ کے متعلق امام الجرح و التعدیل یحییٰ بن سعید القطّان رحمۃ اللہ علیہ نے جو کلام کیا ہے، 'العلل' میں اس کو نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

حدَّثنا أبـو بكر عبد القدوس بن محمد العطار البصری حدَّثنا علی بـن الـمـدِيـنـی قال : سألتُ يحيى بنَ سعيد عن محمد بن عمرو بن علقمة ، فقال : تُريد العفوَ أو تشدّد ؟ قلتُ : لا ؛ بل اشدّد ، فقال : ليس هو ممّن تُريد ، كان يقول: أشياخُنا أبو سلمةَ و يحيى بنُ عبدِالرحمٰن بنِ حاطب.

(کتـاب الـعـلـل لـلترمذی مع الجامع للترمذی، ص: ۲۳۷،۲۳۶ ج: ۲، فاروقی کتب خانہ: ملتان، لاھور)

''......علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے یحییٰ بن سعید سے محمد بن عمرو بن علقمہ کے متعلق دریافت کیا، (کہ یہ راوی کیسا ہے؟) یحییٰ نے کہا: آپ (جرح وتعدیل میں) عفو و درگزر چاہتے ہیں یا سختی کرنا چاہتے ہیں؟ (یعنی جرح وتعدیل میں آپ کے یہاں کچھ عفو و درگزر کی گنجائش ہے یا آپ کا معیار اس میں سخت ہے؟) میں نے کہا: میں درگزر نہیں چاہتا؛ بل کہ میں سختی کرنا چاہتا ہوں: میرے ہاں اس معاملے میں شدّت ہے، تو یحییٰ بن سعید نے فرمایا: یہ راوی ان لوگوں میں سے نہیں ہیں، جن کا آپ ارادہ کرتے ہیں: یہ راوی آپ کے کام کے نہیں ہیں، یہ راوی (محمد بن عمرو) کہتے تھے: ہمارے شیوخ ابو سلمہ اور یحییٰ بن عبد الرحمٰن بن حاطب ہیں۔''

یہاں سوال یہ ہے، کہ " کان یقولُ : أشیاخُنا یا حدَّثَنا أشیاخُنا أبو سلمة و یحیی بنُ عبدِ الرحمن بنِ حاطب " سے محمد بن عمرو بن علقمہ کے ضعف کا پہلو کس طرح مستنبط ہوتا ہے؟ کیوں کہ محمد بن عمرو جن دونوں حضرات : ابو سلمہ اور یحیی بن عبد الرحمٰن بن حاطب کو اپنے شیوخ بتاتے ہیں، اگر واقعی وہ دونوں ان کے شیخ و استاذ ہیں، جیسا کہ اربابِ رجال ذکر کرتے ہیں، تو پھر ایسا کہنے سے محمد بن عمرو کے مجروح ہونے کی کیا وجہ ہے؟ اور اگر فی الواقع یہ دونوں حضرات ان کے شیوخ نہیں، تو محمد بن عمرو کا ان کو اپنا شیخ کہنا کھلی غلط بیانی ہے، اس صورت میں تو وہ کسی پست سے پست معیار والے محدث کے معیار پر بھی ثقہ نہیں قرار دیے جاسکتے، سخت معیار کی قید کا کیا سوال؟

(۱) محدث العصر حضرت مولانا محمد یونس صاحب جونپوری مدظلہم : شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور کی رائے سامی یہ ہے، کہ اس جملے کا تضعیف سے کوئی تعلق نہیں ؛ بل کہ یہ صرف افادہ ہے کہ محمد بن عمرو، ابو سلمہ اور یحییٰ بن عبد الرحمٰن سے روایت کرتے ہیں اور اگر اس سے تضعیف مقصود ہو، تو مطلب یہ ہوسکتا ہے، کہ یہ قوی الحافظہ نہیں ہیں، مشائخ کی روایات ملا کر بیان کرتے ہیں، ان کو ان مشائخ کے الفاظ و مضمون محفوظ نہیں ؛ چناں چہ حضرت موصوف مدظلہم فرماتے ہیں :

"ظنّ غالب یہ ہے، کہ اس کا تضعیف سے کوئی تعلق نہیں ہے ؛ بل کہ یہ صرف افادہ ہے، یعنی وہ فلاں فلاں سے روایت کرتے ہیں اور نسخۂ اول (حدثنا أشیاخُنا والے نسخے) سے اس کی تائید ہوتی ہے اور سارے ہی اربابِ رجال ان دونوں کو محمد بن عمرو بن علقمہ کے اساتذہ میں لکھتے ہیں، جیسے ابن ابی حاتم، حافظ مزی،

حافظ ابن حجر وغیرھم۔

اور اگر تضعیف مقصود ہو، تو یہ مطلب ہوسکتا ہے، کہ یہ قوی الحافظہ نہیں ہیں، مشائخ کی روایات ملاکر بیان کرتے ہیں، کچھ پتا نہیں، کہ اس کے الفاظ کیا ہیں؟

لیکن اس پر اشکال ہے، کہ ابنِ شہاب وغیرہ مشہور محدثین نے ایسا کیا ہے، کہ متعدِّد مشائخ کی روایات کو ملاکر بیان کیا۔ ابن شہاب نے ''حدیث الإفك'' متعدِّد مشائخ سے سُنی، کسی سے مطوّلاً کسی سے مختصراً اور سب کو ایک ترتیب سے نقل کر دیا۔

اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے، کہ ابن شہاب نے الفاظِ شیوخ کو، واقعہ کو ترتیب وار نقل کرنے کے لیے ملاکر بیان فرمایا ہے، نہ کہ ان کو مشائخ کے الفاظ یاد نہیں اور ان کا مضمون محفوظ نہیں۔ و العلمُ عند اللّٰه . ''

(نوادر الحدیث، ص:۷۳،۷۴)

(۲) فقیہ شہیر حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہم: شیخ الحدیث و صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند کے خیال میں محمد بن عمرو ہر حدیث کی سند میں کہتے تھے: حدثنا أشياخنا أبو سلمة و يحيى بن عبد الرحمن بن حاطب. ''ہم سے ہمارے شیوخ: ابوسلمہ اور یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب نے بیان کیا۔'' حالاں کہ یہ ممکن نہیں، کہ انھوں نے تمام روایات ان ہی دو سے سنی ہوں، گویا یحییٰ بن سعید القطّان نے اسانید میں اس راوی کو غیر محتاط قرار دیا۔ حضرت موصوف مدظلہم اپنے رسالہ ' شرح عِلل الترمذی ' میں فرماتے ہیں:

((''.......قال سألت يحيى بن سعيد عن محمد بن عمرو بن

علقمة ›› أی کیف هو ؟ ‹‹فقال : ترید العفو أو تشدّد ؟ ›› أی أقول فیه قولا لیّنا أوالحقّ المرّ ؟ ‹‹ قلت : لا ؛ بل اشدد ›› أی قل قولا حقا ، ولو کان مرّا ! ‹‹ فقال : لیس هو ممّن ترید ›› أی لیس هو فی أعلی مراتب الضبط والإتقان ‹‹کان یقول : حدثنا ›› کلمة حدثنا زیادة من تهذیب ابن الحجر (۹:۳۷۶) ‹‹ أشیاخنا أبو سلمة و یحیی بن عبد الرحمن بن حاطب ›› أی یُسند جمیع أحادیثه عن هذین الشیخین ، و کیف یمکن ذلك ؟ فلیّنه القطّان أی جعله غیر محتاط فی الأسانید........"

(شرح علل الترمذی، ص : ٤٧)

'تحفة الألمعی شرح سنن الترمذی' **افاداتِ حضرت موصوف مدظلہم میں ہے:**

''علی بن مَدِینی کہتے ہیں : میں نے یحیٰی القطّان سے محمد بن عمرو بن علقمہ کے بارے میں پوچھا (کہ یہ راوی کیسا ہے؟) یحیٰی نے کہا: آپ درگزر چاہتے ہیں یا سختی کرنا چاہتے ہیں؟ (یعنی نرم بات سننا پسند کریں گے یا کھری بات؟) میں نے کہا: میں سختی کرنا چاہتا ہوں یعنی کھری بات سننا چاہتا ہوں۔ پس یحیٰی نے فرمایا: وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہے، جس کا تم ارادہ کرتے ہو، یعنی وہ قابلِ اعتماد راوی نہیں۔ وہ (ہر حدیث کی سند میں) کہا کرتا تھا: ہم سے بیان کیا ہمارے شیوخ : ابوسلمہ اور یحیٰی بن عبد الرحمٰن نے (حالاں کہ یہ بات ممکن نہیں، کہ اس نے تمام روایات ان ہی دو سے سُنی ہوں۔ گویا یحیٰی القطّان نے اس راوی کو غیرمحتاط قرار

دیا)......“

(تحفة الألمعي، ص: ١٢٤، ج :١)

(۳) محدث العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری قدس اللہ سرہ (۱۲۹۲-۱۳۵۲ھ) کی تحقیق یہ ہے، کہ محدثین کی اصطلاح میں ”شیخ“ کا لفظ اُسی استاذ کے لیے بولا جاتا ہے، جس کی باقاعدہ شاگردی کی گئی ہو اور بکثرت روایات اُس سے لی ہوں ۔ اگر صرف چند روایات لینے کی حد تک استاذ، شاگردی کا رشتہ قائم ہوا ہو، تو ایسے استاذ کے لیے ”شیخ“ کا لفظ نہیں بولا جاتا۔ اب اگر کوئی ایسے استاذ کے لیے لفظ ”شیخ“ استعمال کرے گا، تو سننے والوں کے غلط فہمی میں واقع ہونے کا اندیشہ ہے اور محمد بن عمرو اسی طرح کرتے ہیں؛ اس لیے جن ائمہ کے یہاں جرح وتعدیل میں کچھ چشم پوشی اور عفو و درگزر کی گنجائش ہے، ان کے نزدیک تو محمد بن عمرو ثقہ ہیں؛ کیوں کہ انھوں نے جھوٹ نہیں کہا؛ لیکن جو حضرات جرح وتعدیل میں زیادہ محتاط ہیں، ان کے یہاں محمد بن عمرو مجروح قرار پائیں گے۔

حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سنبھلی دامت برکاتہم : استاذِ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ ’العلل ‘ للترمذی کی عبارت پر ہونے والے اشکال کے حل کے لیے اپنے عمِ محترم : حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۲۳-۱۴۱۷ھ) کی خدمت میں حاضر ہوئے ،اس کی روداد ذکر کرتے ہوئے حضرت مولانا دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

”میں عمِّ محترم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا اشکال وضاحت کے ساتھ عرض کرنا چاہا، ابھی میں نے اپنی بات شروع ہی کی تھی، کہ آپ مسکرائے اور فرمایا:

جس وقت میں امروہہ میں پڑھاتا تھا، (یعنی ۳۱-۱۹۳۰ء)اس وقت حضرت (علامہ انور) شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بیمار ہوکر ڈابھیل سے دیوبند واپس آچکے تھے اور وہیں قیام تھا، میں ہر ایک دو ماہ کے بعد حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا اور اپنے اور مدرسہ کے دیگر اساتذہ کے کچھ علمی سوالات بھی لے جاتا اور حضرت سے ان کا جواب لے کر آتا تھا۔

ایک مرتبہ وہاں کے ترمذی شریف کے استاذ نے میرے ذریعہ یہی اشکال حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں بھیجا۔ میں نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوکر جب یہ اشکال کیا، تو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مسکرائے اور فرمایا: لوگ اللہ جانے کس طرح پڑھاتے ہیں اور کس طرح اس جگہ سے گزر جاتے ہیں، آپ دوسرے شخص ہیں، جنھوں نے یہ اشکال کیا ہے، پھر اشکال کا جواب دیا اور فرمایا:

محدثین کی اصطلاح میں ''شیخ'' کا لفظ اُسی استاذ کے لیے بولا جاتا ہے، جس کی باقاعدہ شاگردی کی گئی ہو اور بکثرت روایات اُس سے لی ہوں۔ اگر صرف چند روایات لینے کی حد تک استاد شاگردی کا رشتہ قائم ہوا ہو، تو ایسے استاذ کے لیے ''شیخ'' کا لفظ نہیں بولا جاتا ہے اور اگر کوئی ''شیخ'' کا لفظ استعمال کرے گا، تو اگر چہ یہ جھوٹ تو نہ ہوگا؛ لیکن سننے والوں کے لیے غلط فہمی میں پڑنے کا ذریعہ بنے گا؛ اس لیے محمد بن عمرو کا یہ بیان کہ ابوسلمہ اور یحییٰ بن عبد الرحمٰن میرے ''شیخ'' ہیں، جھوٹ تو نہیں ہے؛ کیوں کہ انھوں نے ان دونوں سے بعض روایات حاصل کی ہیں؛ لیکن دوسروں کے لیے غلط فہمی کا ذریعہ ہے، کہ یہ باقاعدہ استاد، شاگرد ہیں اور یہ بلند مقام محدث کی شان عالی کے خلاف ہے؛ لہذا جن حضرات کے یہاں جرح و تعدیل کے

مسئلہ میں کچھ عفو و درگزر کی گنجائش ہے، ان کے نزدیک تو محمد بن عمرو ثقہ ہی کہے جائیں گے ؛ اس لیے کہ انھوں نے کوئی جھوٹ نہیں کہا ؛ لیکن جو حضرات زیادہ محتاط ہیں اور ان کا معیار اس سلسلے میں زیادہ سخت ہے، ان کے یہاں محمد بن عمرو مجروح قرار دیے جائیں گے۔

(ماہنامہ الفرقان ، بانئ الفرقان نمبر، اشاعت خاص: ۱۹۹۸ء، ص: ۲۱۶)

”علىٰ عَاتِقِه“ کا اضافہ ’صحیح بخاری‘ کی حدیث میں بھی ہے

☆ ’صحیح بخاری‘ میں ہے:

بابٌ إذا حَمَلَ جاريةً صغيرةً علىٰ عُنُقِه فى الصلاة

حَدَّثَنا عبدُ اللّٰهِ بنُ يُوسُفَ قال : أنا مَالِكٌ عَنْ عامرِ بنِ عبدِ اللّٰهِ بنِ الزُّبيرِ عَنْ عمرِو بنِ سُليمٍ الزُّرَقِيِّ عَنْ أبِى قتادةَ الأنصارىِّ أنّ رسول اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّىْ وهو حَامِلٌ أُمامَةَ بنتَ زينبَ بنتِ رسولِ اللّٰه ﷺ وَ لِأَبِى العاصِ بنِ ربيعةَ بنِ عبدِ شمسٍ، فإذا سَجَدَ وَضَعَها و إذا قامَ حَمَلَها .

(صحيح بخارى، كتاب الصلاة ، باب إذا حمل جارية صغيرة الخ ،ص : ٧٤ ج : ١، قديمى : كراچى)

”جب چھوٹی بچّی کو نماز میں اپنی گردن پر اٹھایا (بٹھایا) ہو، اس کے بیان میں یہ باب ہے۔

......حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ

(اپنی نواسی) حضرت اُمامہ کو ، جو حضرت زینب بنت رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوالعاص بن ربیعہ — درست لفظ ''ربیع'' ہے — بن عبد شمس رضی اللہ عنہم کی صاحب زادی ہیں ، اٹھائے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے ، جب آپ ﷺ سجدہ میں جاتے ،تو انھیں اتار دیتے اور جب کھڑے ہوتے ،تو اٹھا لیتے ۔''

سیاقِ حدیث عام ہونے کے باوجود ترجمۃ الباب میں بچّی کے اٹھانے کو گردن کے ساتھ خاص کیوں کیا ؟

اس پر کلام کرتے ہوئے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ تخصیص حدیث کے دوسرے طرق سے ماخوذ ہے ،جن میں اس کی صراحت ہے ؛ چناں چہ ' صحیح مسلم ' میں بکیر بن الأشج عن عمرو بن سلیم کے طریق میں '' عنق '': گردن ، کا ذکر ہے ۔ یہی حدیث امام عبدالرزاق نے امام مالک رحمہما اللہ سے حدیث الباب کی سند سے روایت کی ہے ،اس میں '' علیٰ عاتقه '': اپنے شانہ مبارک پر، کا اضافہ ہے ،اسی طرح ' مسلم ' وغیرہ کے دوسرے طرق میں بھی '' علیٰ عاتقه'' کا اضافہ ہے ۔ ' مسند احمد ' کے ابن جریج کے طریق میں '' علیٰ رقبته'' : اپنی گردن مبارک پر ہے ۔

قوله : ((وهو حامل أمامة)) .... و تخصيص الحمل فی الترجمة بكونه على العنق — مع أن السياق يشمل ما هوأعم من ذلك — مأخوذ من طرق أخرى مصرحة بذلك ، وهی لمسلم من طريق بكير بن الأشج عن عمرو بن سليم ، ورواه عبد الرزاق عن مالك بإسناد حديث

الباب فزاد فيه ((علىٰ عاتقه))و كـذا لمسلم وغيره من طرق أخرى، ولأحمد من طريق ابن جريج ((علىٰ رقبته)).

(فتح البارى ، ص : ٢٦٦ ، ج : ٢ ، دارطيبة : الرياض)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ (۷۷۳-۸۵۲ھ) کا یہ کلام ' فتح البارى' کے حوالے سے أوجز المسالك إلى موطأ مالك ، كتاب قصر الصلاة فى السفر ، باب جامع الصلاة ، حديث : ٣٩٨، ص : ٥١٤، ج : ٣ ، دارالقلم : دمشق میں بلاتعقب منقول ہے۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ (۷۶۲-۸۵۵ھ) نے بھی قریب قریب یہی بات ذکر فرمائی ہے؛ البتہ انھوں نے " علىٰ عاتقه " کے الفاظ کے لیے ابوداود کی روایت کا حوالہ دیا ہے۔ ملاحظہ ہو: عمدة القارى ، ص : ٣٠١ ، ج : ٤ ، دارإحياء التراث العربى : بيروت .

ہمارے دیار کی مطبوعہ ' صحيح بخارى ' کے نسخوں کے حاشیے میں علامہ عینی رحمہٗ اللہ کا کلام ' عمدة القارى ' کے حوالے سے منقول ہے۔ ملاحظہ ہو: حاشيه : ٢، ص : ٧٤ ، ج : ١ ، قديمى : كراچى

علامہ جلال الدین سیوطی (۸۴۹-۹۱۱ھ) ، امام عبد اللہ بن سالم البصری المکی الشافعی (۱۰۴۸-۱۱۳۴ھ) ، شیخ محمد الفضیل الزرھونی (وفات: ۱۳۱۸ھ) اور علامہ محمد خضر الشنقیطی (وفات: ۱۳۵۴ھ) رحمہم اللہ نے " عَلىٰ عَاتِقِهٖ " کے اضافہ کے لیے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح ' مسلم' کا حوالہ دیا ہے، ملاحظہ ہو: التوشيح على الجامع الصحيح ، ص : ٣٦٥ ، ج : ١ ، العلمية : بيروت،

ضیـاء الساری فی مسالك أبواب البخاری ، ص : ١٥٣، ج : ٦، دارالنوادر : سـورية ، الـفـجرالساطع علی الصحیح الجامع ، ص : ٢٣٧، ج : ٢ ، مكتبة الـرشـد: الـرياض ،كوثرالمعانی الدراری فی كشف خبايا صحيح البخاری ، ص : ٤١٨ ، ج : ٧ ، مؤسسة الرسالة : بيروت .

'إیـضاح البخاری' **میں** "عَـلـیٰ عَاتِقِهٖ" **کے اضافہ کے لیے علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح ابوداود کی روایت کا حوالہ دیا گیا ہے، ملاحظہ ہو**: إیـضـاح البخاری ، ص: ٣٥٣ ، ج : ٣، إداره دعوتِ إسلام : كراتشی

بندہ کہتا ہے:

"علیٰ عاتقه" **کا اضافہ دوسرے طریق سے خود** صحیح بخاری ، کتاب الأدب **کی مندرجۂ ذیل حدیث میں بھی ہے:**

حدّثنا أبـوالـوليـدِ قـال : حـدّثنا الليثُ قال : حدثنا سعيد المقبریُّ قـال: حـدثنا عمروبن سُليم قال : حدّثنا أبوقتادةَ قال : خَرَجَ علينا النبیُّ ﷺ و أُمامةُ بنتُ أبی العاصِ علیٰ عاتِقِه فصلیّٰ ، فإذا رَكَعَ وَضَعَ و إذا رَفَعَ رَفَعَها .

(صـحيـح بـخاری ، کتاب الأدب ، باب رحمة الولد و تقبيله و معانقته ، ص : ٨٨٧ ، ج: ٢، قديمی : کراچی)

"عصر" کی صراحت خود 'صحیح بخاری' میں بھی ہے

'صحیح بخاری' کتاب مواقیت الصلاۃ **میں ہے:**

...... عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ أَخَّرَ الصَّلَاةَ يَوْماً ، فَدَخَلَ عَلَيْهِ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ ، فَأَخْبَرَهُ أَنَّ الْمُغِيْرَةَ بْنَ شُعْبَةَ أَخَّرَ الصَّلَاةَ يَوْماً ، وَ هُوَ بِالْعِرَاقِ ......

(صحيح بخاری ، كتاب مواقيت الصلاة ، باب مواقيت الصلاة و فضلها الخ ، ص : ٧٥ ، ج : ١ ، قديمی : كراتشی)

”......ابن شہاب رحمۃ اللہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن نماز میں تاخیر کردی ، تو حضرت عروہ بن زبیر رحمہما اللہ ان کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو بتایا کہ ایک دن حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے نماز میں دیر کردی ، دراں حالیکہ وہ عراق میں تھے — عراق کے گورنر تھے — ......“

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے (مدینہ منورہ زادھا اللہ شرفاً کے عہدِ گورنری بزمانۂ اِمارت ولید بن عبد الملک) جس نماز میں تاخیر کردی تھی ، وہ ”عصر“ کی نماز تھی ، یہ صحيح بخاری ، كتاب بدء الخلق ، باب ذكر الملائكة ، ص : ٤٥٧ ، ج : ١ ، قديمی كراتشی کی روایت میں مُصرَّح ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کوفہ کی گورنری (بزمانۂ امارت حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما) کے زمانے میں جس نماز میں دیر کردی تھی ، وہ بھی ”عصر“ کی نماز تھی ، حافظ ابن حجر عسقلانی (۷۷۳-۸۵۲ھ) ، امام عبد اللہ بن سالم البصری (۱۰۴۸-۱۱۳۴ھ) اور علامہ محمد خضر الشنقیطی (وفات : ۱۳۵۴ھ) رحمہم اللہ نے اس کے لیے صاحبِ مصنَّف امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ کی روایت کا حوالہ دیا ہے ؛ چناں چہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ ’ فتح الباری ‘ میں فرماتے

ہیں:

قولـه : (أن المغيرة بن شعبة أخر الصلاة يوماً) بين عبد الرزاق فـى روايتـه عـن ابن جريج عن ابن شهاب أن الصلاة المذكورة العصرايضاً ، ولفظه : ((أمسى المغيرة بن شعبة بصلاة العصر)) .

(فتح البارى ، كتاب مواقيت الصلاة ، باب مواقيت الصلاة و فضلها الخ ، ص : ٢٧٤ ، ج : ٢ ، دارطيبة : الرياض)

امام عبداللہ بن سالم البصری رحمہ اللہ ' ضيـاء السـارى فـى مسـالك أبواب البخارى ' **میں فرماتے ہیں:**

(فـأخبره أن المغيرة بن شعبة أخر الصلاة يوماً) بيّن عبد الرزاق فـى روايتـه عـن ابـن جريج عن ابن شهاب : أن الصلاة المذكورة هى العصر ايضاً و لفظه : مسّى (أمسى) المغيرة بن شعبة بصلاة العصر .

(ضيـاء السـارى فـى مسـالك أبـواب البـخـارى ، كتـاب مواقيت الصلاة ، باب مواقيت الصلاة و فضلها الخ ص : ١٧٠ ، ج : ٦ ، دارالنوادر : سورية)

علامہ محمد خضرالشنقیطی رحمہ اللہ ' كـوثـر الـمـعـانى الدرارى فى كشف خبايا صحيح البخارى ' **میں فرماتے ہیں:**

و قـولـه : (أخـر الـصلاة يوماً) فـى رواية عبـد الرزاق أن الصلاة المذكورة العصر ايضاً ، و لفظه : ((أمسى المغيرة بن شعبة بصلاة العصر)) .

(كـوثـر الـمعانى الدرارى ، كتاب مواقيت الصلاة ، الحديث الأول ، ص : ٤٣٨ ، ج : ٧، مؤسسة الرسالة : بيروت)

بندہ کہتا ہے:

''عصر'' کی صراحت خود 'صحیح بخاری' میں بھی ہے؛ چناں چہ 'صحیح بخاری' کتاب المغازی، باب بلا ترجمة بعد باب شهود الملائكة بدراً میں ہے:

حَدَّثَنَا أبُوالْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ عُرْوَةَ بنَ الزُّبَيْرِ يُحَدِّثُ عُمَرَ بنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ فِيْ إمَارَتِهِ: أَخَّرَ الْمُغِيْرَةُ بْنُ شُعْبَةَ الْعَصْرَ وَ هُوَ أَمِيْرُ الْكُوْفَةِ ......

(صحيح بخاری، كتاب المغازی، باب بلا ترجمة بعد باب شهود الملائكة بدراً، ص: ۵۷۱، ج: ۲، قديمی: كراتشی)

دوسرے طریق میں تحدیث کی تصریح کی ہے

☆ 'صحیح بخاری' میں ہے:

وَ يُذْكَرُ عَنْ أبی لاسٍ: حَمَلَنَا النَّبِيُّ ﷺ عَلىٰ إِبِلِ الصَّدَقَةِ لِلْحَجِّ.

(صحيح بخاری، كتاب الزكاة، باب قول الله تعالیٰ: و فی الرقاب و الغارمين و فی سبيل الله، ص: ۱۹۸، ج: ۱، قديمی: كراتشی)

''حضرت ابولاس رضی اللہ عنہ سے مذکور ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ہم کو حج کے لیے صدقہ کے اونٹ پر سوار کیا: حج کے لیے صدقہ کے اونٹ عنایت فرمائے۔''

حافظ ابن حجر، علامہ عینی، علامہ قسطلانی، امام عبد اللہ بن سالم البصری اور

علامہ محمد خضر الشنقیطی رحمہ اللہ ' صحیح بخاری ' کی اس تعلیق کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس کو امام احمد، ابن خزیمہ اور حاکم رحمہم اللہ وغیرھم نے موصولاً نقل فرمایا ہے، اس کے رُواۃ ثقات ہیں، مگر یہ کہ اس میں ابن اسحاق کا عنعنہ ہے؛ اسی لیے ابن المنذر رحمہٗ اللہ نے اس کے ثبوت میں توقف کیا ہے۔ ' فتح الباری ' میں ہے:

قوله : (**و يذكر عن أبى لاس**) ...... وقد وصله أحمد و ابن خزيمة و الحاكم وغيرهم من طريقه ، و لفظ أحمد «علىٰ إبل من إبل الصدقة ضعاف للحج ، فقلنا : يا رسول اللّٰه ، ما نرى أن تحمل هذه ، فقال : إنما يحمل اللّٰه» الحديث . ورجاله ثقات ، إلا أن فيه عنعنة ابن إسحق ، ولهذا توقف ابن المنذر فى ثبوته .

(فتح البارى ، ص : ۳۸۹ ، ج : ۳ ، دارالريان : القاهرة)

' عمدة القارى ' میں ہے:

و أخرجه أحمد ايضاً و ابن خزيمة و الحاكم و غيرهم و رجاله ثقات إلا أن فيه عنعنة ابن إسحق ، و لهذا توقف ابن المنذر فى ثبوته .

(عمدة القارى ، ص : ٤٦ ، ج : ٩ ، دار إحياء التراث العربى : بيروت)

' إرشاد السارى ' میں ہے:

و قد وصله ابن خزيمة والحاكم (**حملنا النبى ﷺ على إبل الصدقة للحج**)و لفظ أحمد على إبل من إبل الصدقة ضعاف للحج ، فقلنا: يا رسول اللّٰه ، ما نرى أن تحمل هذه ، فقال : «إنما يحمل اللّٰه »

الحديث. ورجاله ثقات إلا أن فيه عنعنة ابن إسحق ، ولهذا توقف ابن المنذر في ثبوته ، وأورده المؤلف بصيغة التمريض .

(إرشاد الساری ، ص : ٥٩٧ ، ج : ٣ ، العلمية : بيروت)

ضياء الساری فی مسالك أبواب البخاری للامام عبد اللّٰه بن سالم البصری **میں ہے**:

(**حملنا النبی ﷺ علی إبل الصدقة للحج**) و لفظ أحمد : «علی إبل من إبل الصدقة ضعاف للحج ، فقلنا : يا رسول اللّٰه ، ما نری أن تحمل هذه ، فقال : إنما يحمل اللّٰه» الحديث : و رجاله ثقات ، إلا أن فيه عنعنة ابن إسحاق ، ولهذا توقف ابن المنذر فی ثبوته ، و أورده المصنف بصيغة التمريض .

(ضياء الساری فی مسالك أبواب البخاری ، ص : ٤٧٠ ، ج : ١٢ ، دارالنوادر : سورية)

'کوثر المعانی الدراری فی کشف خبايا صحيح البخاری' للشنقيطی **میں ہے**:

وأخرجه أحمد وابن خزيمة والحاكم وغيرهم . ولفظ أحمد «علیٰ إبل من إبل الصدقة ضِعاف للحج ، فقلنا : يا رسول اللّٰه ، ما نری أن تحمل هذه ، فقال : إنما يحمل اللّٰه .... » الحديث .

ورجاله ثقات إلا أن فيه عنعنة ابن إسحاق ، ولهذا توقف ابن المنذر فی ثبوته .

(کوثر المعانی الدراری ، ص : ٣٧٨ ، ج : ١٢ ، مؤسسة الرسالة : بيروت)

بندہ کہتا ہے:

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی 'مسند' میں یہ حدیث دو طریق سے تخریج فرمائی ہے، ان میں سے پہلے طریق میں یقیناً ابن اسحٰق کا عنعنہ ہے؛ لیکن دوسرے طریق میں ابن اسحٰق نے محمد بن ابراھیم سے تحدیث کی تصریح کی ہے، جو حافظ ابن حجر، علامہ عینی، علامہ قسطلانی، امام عبداللہ بن سالم البصری اور علامہ محمد خضر الشنقیطی رحمہم اللہ سے نظر انداز ہوگئی یا اس کا استحضار نہ رہا۔ دونوں طریق حسبِ ذیل ہیں:

(۱) حدثنا محمد بن عُبید، حدثنا محمد بن إسحاق، عن محمد بن إبراهيم، عن عُمر بن الحكم بن ثَوبان:

عن أبی لاس الخُزاعی قال: حَمَلَنا رسولُ اللّٰه ﷺ علیٰ إبل من إبل الصدقة للحجّ، فقلنا: يا رسول اللّٰه، ما نُرَى أن تَحمِلَنا هذه. قال: ما من بعير إلا فی ذُِرْوَتِه شيطان، فاذكُرُوا اسمَ اللّٰهِ عليها إذا رَكِبْتُموها كَمَا أمَرَكم، ثمّ امْتَهِنوها لأنفُسِكم، فإنّما يَحمِلُ اللّٰه.

(۲) حدثنا يعقوب، حدثنا أبی (أی إبراهيم بن سعد الزهری)، عن ابن إسحاق، حدثنی محمد بن إبراهيم بن الحارث، عن عُمر بن الحكم بن ثوبان — وكان ثقة —:

عن أبی لاس الخُزاعی، قال: حَمَلَنا رسولُ اللّٰه ﷺ علیٰ إبل من إبل الصدقة ضعافٍ إلى الحجّ، قال: فقلنا له: يا رسول اللّٰه، إن هذه الإبل ضعافٌ نخشى أن لا تَحمِلنا. قال: فقال رسول اللّٰه ﷺ: ما من بعير إلا فی

ذروته شيطان ، فاركبوهنّ ، واذكروا اسم اللّٰه عليهنّ كما أُمِرْتُم ، ثم امْتَهِنوهنّ لأنفسكم ، فإنّما يَحمِلُ اللّٰه .

(مسند الإمام أحمد بن حنبل ، حديث أبي لاس الخزاعي ، رقم الحديث : ۱۷۹۳۸ ، ۱۷۹۳۹ ، ص : ۴۵۸ ، ۴۵۹ ، ج : ۲۹ ، مؤسسة الرسالة : بيروت)

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا قول " امْصَصْ بَظْرَ اللات " کی تحقیق پر ایک نظر

☆ صلحِ حدیبیہ کے موقع پر جب عروہ بن مسعود نے رسول اللہ ﷺ سے کہا:

" اگر یہ صورت ہوئی کہ قریش کو آپ پر غلبہ حاصل ہو گیا ، تو واللہ ! میں (آپ کے اردگرد) رلے ملے اور مختلف النوع لوگوں کو دیکھ رہا ہوں ، جو اس لائق ہیں کہ آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں ۔"

قبائل جب مخلوط ہوتے ہیں ، تو مشکل گھڑی میں بعض بعض کو چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں ؛ لیکن جب مستقل ایک قبیلہ ہو ، تو آدمی دوسرے افراد کو چھوڑ کر بھاگنے کو عار خیال کرتا ہے ۔ عروہ بن مسعود نے قبائلی طور طریق کے پیش نظر مذکورہ جملہ کہا تھا ۔ عروہ کو یہ پتا نہیں تھا ، کہ قرابت اور رشتہ داریوں سے بڑھا ہوا ایمان کا رشتہ ہوتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان کے ذریعہ مؤمنین کے دلوں کو باہم ایسا مربوط کیا تھا ، جو نسبی رشتہ داریوں کے ربط و جوڑ سے یقیناً کہیں زیادہ قوی و مستحکم تھا ۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عروہ کی بات سُن کر فرمایا:

امْصَصْ بَظْرَ اللات ، أنحنُ نَفِرُّ عنه و نَدَعُه ؟

(صحیح بخاری ، کتاب الشروط ، باب الشروط فی الجهاد ،ص : ۳۷۸ ، ج : ۱ ، قدیمی : کراچی)

’’ تو لات کی شرمگاہ چوس ! کیا ہم رسول اللہ ﷺ سے راہِ فرار اختیار کریں گے اور آپ کو چھوڑ دیں گے؟‘‘

’ فتاویٰ دارالعلوم زکریا‘ میں اس کے متعلق حسبِ ذیل سوال و جواب درج ہے:

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول امصص بظر اللات کی تحقیق:

سوال: ’صحیح بخاری‘ میں ہے کہ جب عروہ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ کہا کہ اگر آپ اپنی قوم کا استیصال کریں گے ....اور اگر مغلوب ہوئے ، تو یہ مختلف النوع لوگ آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے ، تو اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:

" امصص بظراللات ".

اس کے معنی شارحین لکھتے ہیں:

’’چوستے رہو لات کی شرمگاہ‘‘۔

(بخاری شریف ۱/ ۳۷۸ باب الشروط فی الجهاد)

یہ گالی بظاہر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان صدیقیت کے خلاف ہے۔ نیز قرآن کریم کی آیت ہے:

﴿ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ﴾

یہ اس کے بھی منافی ہے، اس اشکال کا کیا حل ہے؟

قادیانی اس جملہ سے مرزا کی مغلظات کی صحت پر استدلال کرتے ہیں۔ مثلاً مرزا نے اپنے نہ ماننے والوں کو کنجریوں کی اولاد کہا ہے اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گوہ کا ڈھیر اور اپنے دشمنوں کو بیابانوں کے خنزیر کہا ہے۔ یہ سب گالیاں مرزا قادیانی نے اپنی کتابوں میں لکھی ہیں۔ نیز شیعہ اس جملہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بدزبانی پر استدلال کرتے ہیں، نعوذ باللہ۔

جواب: **بظر** کے دو معنی ہیں:

(۱) شرمگاہ کا ابھرا ہوا حصہ

(۲) ہونٹ کے درمیان کا ابھرا ہوا حصہ (القاموس الوحید: ۱۷۱) چناں چہ **بظر** کے معنی "**الشفة العليا**" بھی ہے۔ (المعجم الوسیط: ۶۲)

اور یہاں دوسرے معنی مراد ہیں، جس کے قرائن یہ ہیں:

(۱) **امـصـص** کا لفظ قرینہ ہے؛ کیوں کہ چوسنے کی چیز ہونٹ ہے نہ کہ شرمگاہ۔

(۲) اسی حدیث میں مذکور ہے کہ صحابہ آں حضور ﷺ کا لعاب منہ پر لگاتے یا بدن پر لگاتے تھے اور آپ ﷺ کا بقیہ پانی پیتے تھے:

"**قال: فوالله ما تنخم رسول الله ﷺ نخامة إلا وقعت في كف رجل منهم فدلك بها وجهه وجلده**".

(بخاری شریف ۱ / ۳۷۹)

مطلب یہ ہے کہ تم لات کے لعاب کو چوسو، ہم رسول اللہ ﷺ کے لعاب کو منہ پر لگاتے اور چوستے رہیں گے۔

(۳) عروہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سب وشتم کا الزام نہیں لگایا، معلوم ہوا یہ گالی نہیں تھی۔

(۴) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اُسے اچھے معنی پر محمول کیا جائے۔ واللہ اعلم

(فتاوی دارالعلوم زکریا، کتاب الحدیث والآثار، ص: ۳۳۸، ۳۳۹، ج: ۱، زمزم پبلشرز کراچی، تاریخ اشاعت: نومبر ۲۰۰۷ء)

بندہ کہتا ہے:

سائل کو امصص بظر اللات کے معنی ''تو لات کی شرمگاہ چوس'' چند وجوہ سے ٹھیک معلوم نہیں ہوئے:

(۱) یہ گالی بظاہر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شانِ صدیقیت کے خلاف ہے۔

(۲) آیت قرآنیہ ﴿ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ﴾ [الانعام: ۱۰۸]. (اور دشنام مت دو ان کو، جن کی یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں؛ کیوں کہ پھر وہ براہِ جہل حد سے گزر کر اللہ کی شان میں گستاخی کریں گے۔) کے منافی ہے۔

(۳) قادیانی اس جملہ سے مرزا کی مغلظات کی صحت پر استدلال کرتے ہیں۔

(۴) شیعہ اس جملہ سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بدزبانی پر استدلال کرتے ہیں۔

مذکورہ امور میں سے ہر ایک کا جواب بندہ کی جانب سے بالترتیب حسبِ ذیل ہے:

(۱) صلح حدیبیہ کے موقع پر ابتداءً حالات سِلْم وصلح کے نہیں تھے؛ بل کہ حالات جنگ کا رُخ اختیار کیے ہوئے تھے؛ چناں چہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے سر پر خود: آہنی ٹوپی کا ہونا بھی اس کا قرینہ ہے، جس کا ذکر خُود اس روایت میں ہے اور ظاہر ہے کہ حالاتِ جنگ کے اَحکام صلح کے اَحکام سے مختلف ہوتے ہیں اور جب میدانِ جنگ میں قتال بالسّنان شانِ صدیقیت کے خلاف نہیں، تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جیسے معزز حضرات کی طرف فرار کی نسبت کرنے والے اور ان کے جذبۂ صدق و وفا پر نکتہ چینی کرنے والے سے جنگی حالات میں قتال باللسان بطریقِ اولیٰ شانِ صدیقیت کے خلاف نہیں۔

(۲) حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے "امصص بظر اللات" سے عروہ کو دشنام و گالی دی تھی، لات بُت کو نہیں، ہاں! لات بُت کے لیے "بظر" یعنی شرمگاہ کا اثبات ضرور پایا گیا ہے؛ لیکن جب مشرکین لات بُت کو مؤنث قرار دیتے تھے، تو مؤنث کے لیے "بظر" یعنی شرمگاہ کا اثبات گالی کیسے ہوا؟

جب یہ گالی لات بُت کو نہیں، تو آیتِ کریمہ ﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾. [الأنعام: ۱۰۸] کے منافی بھی نہیں۔

(۳) جنگی حالات میں نبیٔ صادق و مصدوق ﷺ کی موجودگی میں قتال

باللسان سے نبوت کے جھوٹے مدعی مرزا کی مُغلَّطات کی صحت پر استدلال کیسے ہوسکتا ہے؟ چہ نسبت خاک را بعالَمِ پاک؟

؎ کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر ☆ گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

(۴) مذکورہ بالا امور سے اس کا جواب بھی ہو گیا۔

مجیب محترم نے " بـــظـــر " کے دو معنی ذکر کر کے ان میں سے بجائے " شرمگاہ " کے " ہونٹ کے درمیان کا ابھرا ہوا حصہ " یا " اوپر کا ہونٹ " والے معنی مراد لیے اور اس کے لیے چار قرائن پیش فرمائے ہیں۔ " قـولـه " کے عنوان سے وہ قرائن اور " يقول العبد الضعيف " کے عنوان سے ان پر بندہ کی ناقص آراء ذیل میں درج ہیں:

(۱) قـولـه : امصص کا لفظ قرینہ ہے؛ کیوں کہ چوسنے کی چیز ہونٹ ہے، نہ کہ شرمگاہ۔

يقول العبد الضعيف :

اس کو قرینہ ٹھہرانا اس پر مبنی ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے گالی کا ارادہ نہیں فرمایا تھا؛ حالاں کہ اس مبنیٰ ہی میں کلام ہے۔

درحقیقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس جملہ سے گالی ہی کا قصد فرمایا تھا۔ عرب عادتاً اس سے گالی دیتے تھے؛ لیکن " اُمّ " کے لفظ کے ساتھ، یعنی " امـصص بظر أمك " کہتے تھے؛ چوں کہ مشرکین لات بُت کی تعظیم کرتے تھے؛ اس لیے عروہ کو دی جانے والی گالی میں مبالغہ کے قصد سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے " اُمّ " کی بجائے اس معبودِ باطل کو ذکر کیا۔ قاضی عیاض، ابن بطال، علاّمہ

کرمانی، ابن الملقن، بدرالدین زرکشی، علامہ برماوی، علامہ بدرالدین دمامینی، حافظ ابن حجرعسقلانی، علامہ عینی، علامہ قسطلانی، شیخ الاسلام زکریا الانصاری، علامہ سیوطی، علامہ محمد تاؤدی، شیخ عبد اللہ بن حجازی الشرقاوی، نواب صدیق حسن خان القنوجی، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمہم اللہ، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب، حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب اور شیخ محمد علی الصابونی مدظلہم نے مذکورہ جملہ کو گالی ہی کے معنی میں لیا ہے۔طوالت کے اندیشہ سے کتابوں کی عبارات کی بجائے صرف حوالجات پراکتفاء کیا جاتا ہے:

(۱) مشارق الأنوار، ص: ۱۳۹، ج: ۱، العلمیة: بیروت

(۲) شرح صحیح البخاری لابن بطال، ص: ۱۲۸، ۱۲۹، ج: ۸ مکتبة الرشد: الریاض

(۳) شرح البخاری للکرمانی، ص: ۴۳، ج: ۱۲، دار إحیاء التراث العربی: بیروت

(٤) التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ص: ۵۹، ج: ۱۷، وزارة الأوقاف: قطر

(۵) التنقیح لألفاظ الجامع الصحیح، ص: ٤۲۹، ج: ۲، نزار مصطفی الباز: مکة المکرمة

(٦) اللامع الصبیح بشرح الجامع الصحیح للبرماوی، ص: ۳۰۸، ج: ۸، دار النوادر: سوریة

(۷) مصابیح الجامع، ص: ۱٦۵، ج: ٦، دارالنوادر: سوریة

(٨) فتح الباری ، ص : ٤٠١ ، ج : ٥ ، دار الريان : القاهرة

(٩) عمدة القاری ، ص : ١٠ ، ج : ١٤ ، دار إحياء التراث العربی: بيروت

(١٠) إرشاد الساری ، ص : ٢٠٦ ، ج : ٦ ، العلمية : بيروت

(١١) منحة الباری بشرح صحيح البخاری المسمی تحفة الباری، ص: ٥٢٩ ، ٥٣٠ ، ج : ٥ ، الرشد : الرياض

(١٢) التوشيح علی الجامع الصحيح ، ص : ٢٠٢ ، ج : ٣ ، العلمية : بيروت

(١٣) حاشية التاودی بن سودة علی صحيح البخاری ، ص : ٩٦، ج : ٣ ، العلمية : بيروت

(١٤) فتح المبدی بشرح مختصر الزبيدی ، ص : ٤٩٤، ج : ٢ ، العلمية : بيروت

(١٥) عون الباری لحلّ أدلة صحيح البخاری ، ص : ١٩٤ ، ج : ٤ ، العلمية : بيروت

(١٦) هامش لامع الدراری ، ص : ١٦٦ ، ج : ٧ ، المكتبةالإمدادية : مكة المكرمة

(۱۷) آپ بیتی حضرت شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہ ،ص: ۳۸، ح: ۶ ،معہد الخلیل الاسلامی: کراچی

(١٨) إنعام الباری دروس بخاری شريف ، ص : ٩٧٩ ، ج : ٧ ،

مکتبة الحراء : کراچی

(۱۹) الـخير الجاری فی شرح صحيح البخاری ، ص : ۱۸۷، ج: ۳، اداره تالیفاتِ اشرفیه : ملتان

(۲۰) الشـرح الـميسـر لـصحيح البخاری المسمی الدرر و اللآلی بشرح صحيح البخاری ، ص : ۳۹۱ ، ج : ۳ ، المکتبة العصرية : بيروت

(۲) **قـولــه : اسی حدیث میں مذکور ہے کہ صحابہ آں حضور ﷺ کا لعاب منہ پر لگاتے یا بدن پر لگاتے تھے اور آپ ﷺ کا بقیہ پانی پیتے تھے:**

" قال : فوالله ما تنخم رسول الله ﷺ نخامة إلا وقعت فی کف رجل منهم فدلک بها وجهه و جلده ."

(بخاری شریف ۳۷۹/۱)

مطلب یہ ہے کہ تم لات کے لعاب کو چوسو، ہم رسول اللہ ﷺ کے لعاب کو منہ پر لگاتے اور چوستے رہیں گے۔

یقول العبد الضعیف :

بلا شبہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کا لعاب مبارک اور بلغم مبارک اپنے چہرے اور بدن پر مَلتے تھے؛ لیکن رسول اللہ ﷺ کے ہونٹ مبارک سے نہیں چوستے تھے، بل کہ اپنی ہتھیلیوں میں لے کر پھر چہرے اور بدن پر ملتے تھے؛ لہذا حدیثِ بالا کو بنیاد بنا کر امصص بظر اللات کا مطلب " تم لات کے لعاب کو چوسو" نکالنا تکلّف سے خالی نہیں۔

(۳) قولہ : عروہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سب وشتم کا الزام نہیں لگایا، معلوم ہوا یہ گالی نہیں تھی۔

یقول العبد الضعیف :

صلح حدیبیہ والی اسی روایت میں معاً وارد ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے " امصص بظر اللات ، أنحن نفرّ عنه و نَدَعُه ؟ " فرمایا، تو عروہ بن مسعود نے دریافت کیا کہ یہ (کلام کرنے والا) کون ہے؟ حاضرین نے کہا : ابوبکر ہیں ۔عروہ نے کہا: سنیے! اس ذات کی قسم ،جس کے قبضہ میں میری جان ہے! اگر آپ کا احسان مجھ پر نہ ہوتا ،جس کا میں اب تک آپ کو بدلہ نہیں دے سکا ہوں ،تو ضرور آپ کو جواب دیتا۔

فقال له أبو بكر : امصص بظر اللات ، أنحن نفرّ عنه و ندعه ؟ فقال: من ذا ؟ قالوا : أبوبكر . قال : أما والذى نفسى بيده ، لولا يدٌ كانت لك عندى لم أجزِك بها لأجبتك .

(صحيح بخارى ،ص : ۳۷۸ ، ج : ۱ ، قديمى : كراچى)

اس سے صاف معلوم ہوا کہ عروہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا کلام : امصص بظر اللات سُنا اور اس کو اپنے محمل میں رکھا، یعنی جس قصد و ارادہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ جملہ کہا تھا، عروہ نے اس مقصود : سبّ و شتم کو پالیا؛ لیکن دیت کی ادائیگی میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مکّی دور میں عروہ کی دس اونٹنیوں سے مدد کی تھی ، اب تک وہ احسان اتار نہ سکنے کی وجہ سے عروہ نے اس کا جواب نہ دیا ؛ بل کہ اس نے بقولِ خود صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی گالی کا جواب نہ دے کر احسان اتارا۔ ' فتح الباری ' وغیرہ میں ہے :

قوله : ((**لولا يد**)) أى نعمة ، وقوله : ((**لم أجزک بها**)) أى لم اكافئك بها ، زاد ابن إسحق ((ولكن هذه بها)) أى جازاه بعدم إجابته عن شتمه بيده التى كان أحسن إليه بها ، و بين عبد العزيز الإمامى عن الزهرى فى هذا الحديث أن اليد المذكورة أن عروة كان تحمل بدية ، فأعانه أبوبكر فيها بعون حسن ، وفى رواية الواقدى عشر قلائص .

(فتح البارى ، ص : ٤٠١ ، ج : ٥ ، دارالريان : القاهرة)

اگر امصص بظر اللات سے سب وشتم مقصود نہ تھا اور عروہ نے اس کو سب وشتم کے معنی میں نہیں لیا تھا ؛ بل کہ اس کا مطلب وہ تھا ، جو مجیب محترم نے ذکر فرمایا ہے ، تو احسان اتار نہ سکنا جواب دینے میں مانع کیوں کر ہوا ؟

(٤) **قوله :** حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان کا تقاضا بھی یہی ہے ، کہ اُسے اچھے معنی پر محمول کیا جائے ۔

يقول العبد الضعيف :

ماقبل میں معلوم ہو چکا کہ جنگی حالات میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ قتال باللسان : کلام ، ہرگز ان کی شانِ صدیقیت کے خلاف نہیں ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

یہ جزء 'صحیح بخاری' میں بھی ہے

☆ 'صحیح بخاری' میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ؛ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

دَخَلَ عَلِيٌّ علىٰ فاطمةَ ، ثُمَّ خَرَجَ ، فَاضْطَجَعَ فِي الْمَسْجِدِ ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : أَيْنَ ابنُ عَمِّكِ ؟ قَالَتْ : فِي الْمَسْجِدِ ، فَخَرَجَ إِلَيْهِ ، فَوَجَدَ رِدَاءَهُ قَدْ سَقَطَ عَنْ ظَهْرِهِ ، وَ خَلَصَ التُّرَابُ إِلىٰ ظَهْرِهِ ، فَجَعَلَ يَمْسَحُ (التُّرَابَ) عَنْ ظَهْرِهِ ، فَيَقُوْلُ : اجْلِسْ يَا أَبَا تُرَابٍ ، مَرَّتَيْنِ .

(صحيح بخاری ، كتاب المناقب ، باب مناقب علی بن أبی طالب ، ص : ٥٢٥ ، ج : ١ ، قديمی : كراتشی)

'' حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے ، پھر چلے گئے اور مسجد میں لیٹ گئے ۔ نبی ﷺ نے دریافت فرمایا: تمھارے چچازاد بھائی کہاں ہیں؟ انھوں نے عرض کیا: مسجد میں ہیں ۔ نبی ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے ، آپ نے ان کی چادر کو اس حال میں پایا کہ وہ پشت سے سرک گئی تھی اور ان کی پشت پر مٹی لگ گئی تھی ۔ آپ ﷺ ان کی پشت سے مٹی جھاڑنے لگے اور فرمانے لگے: '' اے مٹی والے! بیٹھ جاؤ'' ۔ یہ بات دو مرتبہ ارشاد فرمائی ۔''

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (۷۷۳-۸۵۲ھ) 'فتح الباری' میں فرماتے ہیں:

قوله : (أين ابن عمک ؟ قالت : فی المسجد) فی رواية الطبرانی : كان بينی و بينه شيء فغاضبنی .

(فتح الباری ، ص : ٤٢١ ، ج : ٨ ، دارطيبة : الرياض)

'' رسول اللہ ﷺ کے دریافت فرمانے پر کہ تمھارے چچازاد بھائی کہاں ہیں؟ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: مسجد میں ہیں) طبرانی کی روایت میں ہے: میرے اور ان کے درمیان کچھ بات ہوگئی ، تو وہ مجھ سے ناراض ہوگئے ۔''

ہمارے دیار کی مطبوعہ ’صحیح بخاری‘ کے نسخوں میں ’فتح الباری‘ کے حوالے سے ما بین السطور منقول ہے:

و فی روایة الطبرانی : کان بینی و بینه شيء .

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ (۸۵۱-۹۲۳ھ) ’إرشاد الساری‘ میں فرماتے ہیں:

(**قالت : فی المسجد**) و فی الطبرانی : کان بینی و بینه شيء .

(إرشاد الساری ، ص : ۲۰۱ ، ج : ۸ ، العلمیة : بیروت)

شیخ محمد الفضیل الزرهونی رحمۃ اللہ علیہ (وفات: ۱۳۱۸ھ) ’الفجر الساطع علی الصحیح الجامع‘ میں فرماتے ہیں:

(**وفی المسجد** :) فی روایة الطبرانی: کان بینی و بینه شيء ، فخرج .

(الفجر الساطع ، ص : ۵۸ ، ج : ۹ ، الرشد : الریاض)

بندہ کہتا ہے:

ان شراح کرام رحمہم اللہ نے جو جزءِ طبرانی کی روایت کے حوالے سے ذکر فرمایا ہے، یہ جزء ’صحیح بخاری‘ میں بھی ہے: چناں چہ ’صحیح بخاری‘ کتاب الصلاة (آداب المساجد) میں ہے:

...... عَنْ سَهْلِ بنِ سَعْدٍ ، قَالَ : جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَيْتَ فَاطمةَ ، فَلَمْ يَجِدْ عَلِيًّا فِی الْبَيْتِ ، فَقَالَ : أَيْنَ ابنُ عَمِّكِ ، قَالَتْ : كَانَ بَيْنِيْ وَ بَيْنَهُ شَيْءٌ، فَغَاضَبَنِيْ ، فَخَرَجَ ......

(صحیح بخاری ، کتاب الصلاة (أبواب آداب المساجد) ، باب نوم الرجال فی

المسجد ، ص : ٦٣ ، ج : ١ ، قديمى : كراتشى)

غالباً ''مصری''، نہیں؛قطعی طور پر''مصری''

☆ 'صحیح بخاری' میں ہے:

.......عن عثمان بن مَوُهَبٍ قال : جاء رجلٌ حَجّ البيت، فَرَأىٰ قوماً جُلوسا، فقال: مَن هؤلاء القُعودُ ؟ قالوا: هؤلاء قريشٌ. قال: مَن الشيخ ؟ قالوا : ابن عمر، فأتاه فقال : إنّى سائلُك عن شيءٍ أفَتُحَدِّثُنِيُ؟ قال: أَنُشُدُكَ بِحُرُمَةِ هذا البيتِ، أتَعُلَمُ أنّ عثمان بنَ عفّان فَرّ يومَ أُحُد ؟ قال: نعم. قال : فَتَعُلَمُه تَغَيَّبَ عَنُ بَدُرٍ فَلَمُ يَشُهَدُها ؟ قال : نَعَمُ .قال : فَتَعُلَمُ أنّه تَخَلَّفَ عن بيعةِ الرضوان فلم يَشُهَدُها ؟ قال: نعم. قال: فَكَبَّرَ.......

(صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب قول اللّٰہ تعالیٰ: ﴿ إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ ﴾الخ، ص:٥٨٢،٥٨١، ج:٢، قدیمی: کراچی)

روایت میں مذکور ''رَجُل'' کے متعلق 'فیض الباری علیٰ صحیح البخاری' میں ہے:

قوله : ((جاء رجل الخ ولعلّه كان مصريا ، لأن اول من بغٰى علىٰ عثمان أهل مصر.

(فيض البارى، ص: ٩٦، ج: ٤، المجلس العلمى: ڈابھيل)

''اور غالبا یہ مصری تھا؛ اس لیے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف

سب سے پہلے شورش برپا کرنے والے اہل مصر تھے۔‘‘

بندہ کہتا ہے:

یہ روایت ’ صحیح بخاری ‘ مناقب عثمان رضی اللّٰہ عنه **میں گزری ہے، وہاں صراحتاً اور جزماً** ” رجلٌ مِّنْ أَهْلِ مِصْر“ **واقع ہوا ہے:**

حدثنا موسی بن اسماعيل حدّثنا أبوعوانة حدّثنا عثمان هو ابن مَوْهَب قال: جاء رجلٌ من أهل مصر وحجّ البيت فرأى قوما جلوسا، فقال: مَن هؤلاء القوم ؟........

(صحيح بخاری ، كتاب المناقب ، مناقب عثمان : ص: ٥٢٣، ج:١، قديمی: كراچی)

عبارت میں سقوط ہے

☆ حضرت عبداللہ بن ابی اَوْفیٰ رضی اللہ عنہما کے **متعلق** هامش ’ لامع الدراری‘ **میں علامہ عینی رحمہٗ اللہ کے حوالہ سے لکھا ہے:**

و هو آخر الصحابة موتاً بالكوفة سنة ست و ثمانين ، و كان عمره حينئذ ست سنين ، وعلیٰ قول من قال : إن مولده سنة سبعين يكون عمره حينئذ ست عشرة سنة .

(لامع الدراری ، ص : ٤٣٠ ، ج : ٨ ، المكتبة الإمدادية : مكة المكرمة ، سنة الطبع : ١٣٩٨ هـ)

”اور آپ (عبد اللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہما) کوفہ میں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے آخر میں ۸۶ ھ میں وفات پانے والے ہیں اور اس وقت آپ کی عمر چھ سال تھی اور ۷۰ ھ میں آپ کی پیدائش کے قائلین کے قول کے مطابق آپ کی عمر اس وقت سولہ سال ہوگی۔“

بندہ کہتا ہے:

عبارت بالا سے مفہوم ہوتا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہما کی عمر ۸۶ ھ میں وفات کے وقت چھ سال کی تھی۔ اس اعتبار سے آپ کا سنِ پیدائش ۸۰ ھ ہوا اور ۷۰ ھ میں پیدائش والے قول کے مطابق وفات کے وقت آپ کی عمر سولہ سال ہوگی۔ اس کا بدیہی البطلان ہونا ظاہر ہے؛ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ۱۱ھ میں ہوگئی تھی، تو ۸۰ ھ یا ۷۰ ھ میں پیدا ہونے والا شخص صحابی کیسے ہوسکتا ہے؟ حالاں کہ حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہما کا صحابی ابن صحابی ہونا مسلَّم ہے۔

درحقیقت ھامش ’ لامع الدراری ‘ میں عبارت میں سقوط ہے، جس کی وجہ سے مفہوم میں خرابی لازم آرہی ہے۔ ۸۶ ھ میں چھ سال کے حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما نہیں؛ بل کہ امام ابوحنیفہ رحمہٗ اللہ تھے اور یہ ۸۰ ھ میں ان کی پیدائش کے قول کے لحاظ سے ہے، ۷۰ ھ میں پیدائش کے قائلین کے مطابق حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما کی ۸۶ ھ میں وفات کے وقت امام ابوحنیفہ رحمہٗ اللہ سولہ سال کے تھے۔ ’ عمدۃ القاری ‘ کی مکمل عبارت اس طرح ہے:

و هو آخر الصحابة موتاً بالكوفة سنة ست وثمانين ، و قد أدرك الإمام أبو حنيفة عبد الله هذا وراه ؛ لأن أصح الأقوال فی مولده سنة ثمانين ،

و كـان عـمـره حينئذ ست سنين ، و على قول من قال : إن مولده سنة سبعين يكون عمره حينئذ ست عشرة سنة .

(عمدة القارى ، ص : ۲۹۵ ، ج : ۱۷ ، دار إحياء التراث العربى : بيروت)

یہ 'صحیح بخاری' کی روایت میں بھی ہے

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ؛ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

افتتـحـنـا خيبـرَ ولـم نَـغْـنَـم ذَهبـاً ولافضّةً ، إنما غنِمنا البقرَ والإبلَ والـمتـاعَ والـحوائطَ ثمّ انصَرفْنا مع رسول اللّٰه ﷺ إلـى وادِى القُرىٰ ، ومعه عبدٌ لهٗ يُقال لهٗ مِدْعَم أهداه لهٗ أحدُ بنى الضِّباب ......

(صـحيـح بـخارى ، كتاب المغازى ، باب غزوة خيبر ، ص : ٦٠٨ ، ج : ٢ ، قديمى : كراتشى)

''ہم نے خیبر فتح کیا ، مالِ غنیمت میں ہمیں سونا یا چاندی نہیں ملی ، (بل کہ) گائے ، اونٹ ، گھریلو سامان اور باغات ملے ، پھر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہم وادی القُریٰ کی طرف لوٹے ، آپ ﷺ کے ساتھ آپ کا ایک غلام تھا ، جس کو ''مِدْعم'' کہا جاتا تھا ، جو بنو ضِباب قبیلہ کے ایک آدمی نے آپ ﷺ کو ہدیہ کے طور پر دیا تھا......''

علامہ بدرالدین زرکشی رحمۃ اللہ علیہ (۷۴۵ - ۷۹۴ھ) 'التنقيح لألفاظ

الجامع الصحیح ، میں فرماتے ہیں :

(**أهـداه له أحد بنی الضباب**) صـوابه الضبيب بضم الضاد ، وهو رفاعة بن زيد بن وهب الجذامی كذا رواه مسلم فی صحيحه .

(التنقيح ، ص : ٦٠١ ، ج : ٢ ، مكتبة نزار مصطفى الباز : مكة المكرمة)

"(**أهـداه له أحد بنی الضباب**) الضباب کی بجائے الضُبَیْب ضاد کے ضمہ کے ساتھ درست ہے اور بنوضبیب کے یہ فرد رفاعہ بن زید بن وھب الجذامی رضی اللہ عنہ ہیں ، جیسا کہ (امام) مسلم — رحمہ اللہ — نے اپنی ' صـحيـح ' میں روایت کیا ہے۔"

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہُ اللہ (۷۷۳-۸۵۲ھ) ' فتـح البـاری ' میں فرماتے ہیں :

وفـی روایة مسلم أهداه له رفاعة بن زيد أحد بنی الضبيب بضم اوله بصيغة التصغير.

(فتح البارى ، ص : ٥٥٩ ، ج : ٧ ، دارالريان : القاهرة)

" ' مسلم ' کی روایت میں ہے کہ وہ غلام آپ ﷺ کو بنو الضُّبَیب قبیلے کے ایک آدمی : رفاعہ بن زید رضی اللہ عنہ نے بطور ہدیہ دیا تھا۔"

' الـكـنز المتوارى فی معادن لامع الدرارى وصحيح البخارى ' میں حافظ رحمہُ اللہ کے حوالے سے ہے :

وفـی روایة مسلم : «أهـداه لـه رفـاعة بـن زيـد أحد بنی الضبيب» بصيغة التصغير .

(الكنز المتوارى ، ص : ٣٢٦ ، ج : ١٥ ، مكتبة الحرمين : دوبئى)

علامہ عینی رحمہ اللہ(۷۶۲-۸۵۵ھ) ’عمدۃ القاری ‘ **میں فرماتے ہیں:**

و فـی روایة مسـلـم أهـداه لـه رفاعة بن زید أحد بنی الضبیب بضم الضاد بصیغة التصغیر .

(عمدة القاری ، ص : ٢٥٤ ، ج : ١٧ ، دار إحیاء التراث العربی : بیروت)

علامہ شمس الدین برماوی رحمہ اللہ(۷۶۳-۸۳۱ھ)’ الـلامـع ا لصبیح بشرح الجامع الصحیح ‘ **میں فرماتے ہیں:**

(**الضباب**) بـکسـر الضاد المعجمة ، کذا فی اکثر النسخ ؛ بل فی کـلها ، و المشهور إنما هو الضبیب ، بضم المعجمة ، و هو رفاعة بن زید بن وهب الجذامی ، کذا رواه مسلم .

(اللامع الصبیح ، ص : ٢٨٠ ، ج : ١١ ، دارالنوادر : سوریة)

علامہ بدر الدین دمامینی رحمۃ اللہ علیہ (۷۶۳ وقیل : ۷۶۴- ۸۲۷ وقیل : ۸۳۱ھ وقیل غیرھما) ’ مصابیح الجامع ‘ **میں فرماتے ہیں:**

(**أهـداه لـه أحد بنی الضباب**) قیـل : صوابه الضبیب ـــــ بضم الـضـاد المعجمة علی التصغیر ـــــ وهـو رفاعة بن زید بن وهب الجذامی ، کذا رواه مسلم فی ((صحیحه)).

(مصابیح الجامع ، ص : ٧٧ ، ج : ٨ ، دارالنوادر : سوریة)

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ(۸۵۱-۹۲۳ھ) ’ إرشـاد الساری ‘ **میں فرماتے ہیں:**

(**أهداه له أحد بنی الضباب**)...... وهو رفاعة بن زید بن وهب

الجذامی کما فی مسلم و لمسلم الضبیب مصغراً .

(إرشاد الساری ،ص : ۲٤۰ ، ج : ۹ ، العلمیة : بیروت)

ہمارے دیار کی مطبوعہ صحیح بخاری کے نسخوں کے حاشیے میں علامہ قسطلانی رحمہ اللہ کا یہ کلام ان کے حوالے سے منقول ہے۔ ملاحظہ ہو: حاشیہ: ۷،ص: ۶۰۸، ج:۲،قدیمی: کراچی

علامہ محمد تاودی رحمہ اللہ (۱۱۱۱-۱۲۰۹ھ) فرماتے ہیں:

(**أهداه له أحد بنی الضباب**) وعند مسلم أهداه إلیه رفاعة بن زید أحد بنی الضبیب بالتصغیر .

(حاشیة التاودی بن سودة علی صحیح البخاری ، ص : ۲۰۷ ، ج : ٤ ، العلمیة : بیروت)

بندہ کہتا ہے:

جو بات ان شراح کرام رحمہم اللہ نے 'مسلم' کی روایت کے حوالے سے ذکرفرمائی ہے، یہ 'صحیح بخاری' کی روایت میں بھی ہے؛ چناں چہ 'صحیح بخاری'، کتاب الأیمان و النذور میں ہے:

عن أبی هریرة رضی اللّٰه عنه قال : خرجنا مع رسولِ اللّٰهِ ﷺ یومَ خیبر ، فَلَمْ نَغْنَمْ ذهباً و لا فضةً إلا الأموالَ والثیابَ والمتاعَ فأهدیٰ رجلٌ مِن بنی الضُبَیب یُقال له رفاعة بن زید لرسولِ اللّٰه ﷺ غلاماً یُقال له مِدْعم ، فوجّه رسول اللّٰه ﷺ إلی وادی القری......

(صحیح البخاری ، کتاب الأیمان و النذور ، باب هل یدخل فی الأیمان و النذور الأرض و الغنم و الزرع والأمتعة ، ص : ۹۹۲ ، ج : ۲ ، قدیمی : کراچی)

اس کو اصحابِ سننِ اربعہ نے روایت کیا ہے

☆ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہٗ اللہ (۷۷۳-۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

و أمـا مـا رواهُ أصحابُ السننِ الثلاثةِ مِنْ حديثِ الحسنِ عَنْ سَمُرةَ فـى حديثِ العقيقةِ «تُـذْبَـحُ عنهُ يومَ السابعِ و يُسَمّٰى» فـقد اختُلِفَ فى هذه اللفظةِ هَلْ هِىَ «يُسَمّٰى» أو «يُدَمّٰى» بالدال بدل السين ؟

(فتح البارى ، كتاب العقيقة ، باب تسمية المولود الخ ، ص : ۵۰۲ ، ج : ۹، دارالريان : القاهرة)

''بہرحال اصحابِ سننِ ثلثہ نے حسن عن سمرة (رضى الله عنه) کی عقیقہ کی حدیث میں جو روایت کیا ہے: تُـذْبَـحُ عنه يومَ السابعِ و يُسمّٰى. ''بچے کی طرف سے ساتویں دن جانور ذبح کیا جائے اور نومولود کا نام رکھا جائے۔'' اس کے اس لفظ میں اختلاف ہوا ہے کہ کیا یہ «يُسَمّٰى» ہے یا سین کی بجائے دال کے ساتھ «يُدَمّٰى» ہے؟''

ھامش 'لامع الدرارى' اور 'الكنز المتوارى فى معادن لامع الدرارى و صحيح البخارى' میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے اصحاب سنن ثلثہ کی تخریج کا ذکر ہے:

ثـم ذكر الحافظ الروايات الواردة فى تسمية المولود يوم السابع من السـنـن الثـلاثة من حديث الحسن عن سمرة فى حديث العقيقة «تذبح عنه

یوم السابع و یسمی)) .

(لامع الدراری ، ص : ۴۲۸ ، ج : ۹ ، المکتبة الإمدادیة : مکة المکرمة ، الکنز المتواری ، ص : ۱۰۸ ، ج : ۱۹ ، مکتبة الحرمین : دوبئی)

بندہ کہتا ہے:

اس سے بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ روایت اصحابِ سُنَنِ اربعہ میں سے کسی ایک نے ذکر نہیں کی ہے، حالاں کہ اس کی تخریج اصحابِ سنَنِ اربعہ نے کی ہے، جس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

(۱) **سنن الترمذی:** عن الحسن ،عَنْ سَمُرَةَ قال: قال رسولُ اللّٰہِ ﷺ : الغلامُ مُرْتَهَنٌ بِعَقِيقتِهِ يُذبحُ عنه يومَ السابِعِ ، ويُسمّٰى ، ويُحْلقُ رأسُهُ.

(الکتب الستة ، جامع الترمذی ، أبواب الأضاحی ، باب (من العقیقة) ، حدیث: ۱۵۲۲ ، ص : ۱۸۰۷ ، دارالسلام : الریاض)

(۲) **سنن أبی داود :** عَنِ الحسنِ ، عَنْ سَمُرَةَ عَنْ رسولِ اللّٰہِ ﷺ قال : كُلُّ غلامٍ رهينةٌ بِعقيقتِهِ ، تُذْبَحُ عنه يومَ السابعِ، و يُحلقُ رأسُهُ و يُدَمّٰى......

قال أبوداود : هذا وهمٌ مِنْ هَمّامٍ : وَ يُدَمّٰى.

قال أبو داود : خُولِفَ همّامٌ فی هذا الکلام ، و هو وهمٌ من همّامٍ و إنّما قالوا : يُسَمّٰى ، فقال همّامٌ : يُدَمّٰى.

قال أبو داودَ : و ليس يُؤخَذُ بِهذا.

......عَنِ الحسنِ ، عَنْ سَمُرَةَ بنِ جُنْدُبٍ أنّ رسولَ اللّٰه ﷺ قال :
كُلُّ غلامٍ رهينةٌ بِعقيقتِهِ تُذْبَحُ عنه يومَ سابِعِهِ وَ يُحْلَقُ و يُسَمّٰى .
قال أبو داود : و يُسَمّٰى أَصَحُّ ......

(الكتب الستة ، سنن أبى داود ، كتاب الضحايا (الأضاحى) ، باب فى العقيقة ، حديث : ۲۸۳۷، ۲۸۳۸، ص : ۱٤۳٥ ، دارالسلام : الرياض)

(۳) **سنن النسائی :** عَنِ الحسنِ ، عَنْ سَمُرَةَ بنِ جُندبٍ عَنْ رسولِ اللّٰه ﷺ قال: كُلُّ غلامٍ رهينٌ بِعقيقتِهِ تُذبَحُ عنه يومَ سابعِهِ ، ويُحْلَقُ رأسُهُ ويُسَمّٰى .

(الكتب الستة، سنن النسائى ، كتاب العقيقة ، باب متى يعق ؟ حديث : ٤۲۲٥ ، ص : ۲۳٦٤ ، دارالسلام : الرياض)

(٤) **سنن ابن ماجه :** عَنِ الحسنِ ، عَنْ سَمُرَةَ عَنِ النبيِّ ﷺ قال :
كُلُّ غلامٍ مُرْتَهَنٌ بِعقيقتِهِ ، تُذبح عنه يومَ السابعِ ، و يُحْلَقُ رأسُهُ ، وَ يُسمّٰى.
(الكتب الستة ، سنن ابن ماجه ، أبواب الذبائح ، باب العقيقة ، حديث ۳۱٦٥ ، ص : ۲٦٦۹ ، دارالسلام : الرياض)

ضمیر کا مرجع کیا ہے؟

☆ 'صحيح بخارى' كتاب الذبائح و الصيد **میں** ہے:
عَنْ عائشةَ رضى اللّٰه عنها أنّ قوماً قالوا للنبيِّ ﷺ : إنّ قوماً يَأْتُوننا

بِاللَّحمِ ، لَا نَدْرِیْ أ ذُکِر اسمُ اللّٰہِ علیہ أَمْ لَا ؟ فقال : سَمُّوا علیہ أنتم و کُلُوہُ . قَالتْ : و کانوا حَدِیثِی عَہْدٍ بالکفر .

(صحیح بخاری ، کتاب الذبائح و الصید ، باب ذبیحۃ الأعراب و نحوھم ، ص : ۸۲۸ ، ج : ۲، قدیمی)

’’ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ چند لوگوں نے نبیٔ اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ کچھ لوگ ہمارے پاس گوشت لاتے ہیں ، ہم نہیں جانتے کہ کیا اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا یا نہیں (تو وہ گوشت ہم کھا سکتے ہیں یا نہیں)؟ آپ ﷺ نے فرمایا : تم اس پر اللہ کا نام لو اور کھاؤ ۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وہ لوگ کفر کے زمانے کے قریب تھے (یعنی نئے نئے مسلمان ہوئے تھے)۔‘‘

علامہ کرمانی (۷۱۷-۷۸۶ ھ) ، علامہ عینی (۷۶۲-۸۵۵ ھ) ، علامہ برماوی (۷۶۳-۸۳۱ ھ) اور علامہ قسطلانی (۸۵۱-۹۲۳ ھ) رحمہم اللہ نے ((وَ کَانُوْا)) کی ضمیر کا مرجع قوم سائلین کو قرار دیا ہے ؛ چناں چہ علامہ کرمانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں :

(**کانوا**) أی القوم السائلون .

(البخاری بشرح الکرمانی ، ص : ۱۰۰ ، ج : ۲۰ ، دار إحیاء التراث العربی : بیروت)

علاّمہ عینی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں :

قولہ : ((و کانوا)) أی القوم السائلون .

(عمدۃ القاری ، ص : ۱۱۸، ج : ۲۱ ، دار إحیاء التراث العربی : بیروت)

قدیمی کتب خانہ: کراچی کی مطبوعہ ' صحیح بخاری ' کے نسخے میں علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کا مذکورہ کلام ما بین السطور لکھا ہوا ہے۔

علامہ برماوی رحمہٗ اللہ فرماتے ہیں:

(و كانوا) أى السائلون .

(اللامع الصبيح ، ص : ١١٦ ، ج : ١٤ ، دارالنوادر : سورية)

علاّمہ قسطلانی رحمہٗ اللہ فرماتے ہیں:

(**وكانوا**) أى القوم السائلون .

(إرشاد السارى ، ص : ٢٦٨ ، ج : ١٢ ، العلمية : بيروت)

اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ نبیٔ کریم ﷺ سے سوال پوچھنے والے نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔

بندہ کہتا ہے:

یہی روایت ' صحیح بخاری ' ، کتاب التوحید میں ان الفاظ کے ساتھ تخریج ہوئی ہے:

عَنْ عائشةَ قالتْ : قَالُوا : يا رسولَ الله ، إنّ هنا أقواماً حديثٌ عَهْدُهُمْ بِشِرْكٍ يَأتُونَّا بِلُحمانٍ ، لا نَدْرِىْ يَذْكُرُوْنَ عليها اسمَ اللّٰهِ أَمْ لَا ؟ قال : أُذْكُرُوْا أنتم اسمَ اللّٰهِ وَ كُلُوا.

(صحيح بخارى ، كتاب التوحيد ، باب السؤال بأسماء اللّٰه تعالىٰ و الاستعاذة بها ، ص: ١١٠٠ ، ج : ٢ ، قديمى : كراچى)

'' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے ؛ آپ رضی اللہ عنہا

نے فرمایا کہ لوگوں نے دریافت کیا: یا رسول اللہ! یہاں کچھ لوگ ہیں، جن کا زمانہ شرک سے قریب ہے (یعنی وہ نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں)، وہ ہمارے پاس گوشت لاتے ہیں، ہم نہیں جانتے کہ وہ اس پر اللہ کا نام لیتے ہیں یا نہیں (تو وہ گوشت ہم کھا سکتے ہیں یا نہیں)؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم اللہ کا نام لو اور کھاؤ۔''

اس سے صراحتاً معلوم ہوتا ہے کہ کفر و شرک سے قریب زمانے والے ہونا بالفاظِ دیگر نئے نئے مسلمان ہونا گوشت لانے والوں کی صفت ہے، سوال پوچھنے والوں کی نہیں؛ اس لیے ظاہر یہی ہے کہ 'صحیح بخاری'، کتاب الذبائح و الصید، ص: ۸۲۸، ج: ۲ میں ((وکانوا)) کی ضمیر کا مرجع ((قوماً یأتوننا باللحم)) ہے۔

واللّٰہ تعالیٰ أعلم بالصواب

یہ تو 'صحیح بخاری' کی روایت میں بھی ہے!

☆ نبی ﷺ کے ایک صحابی حضرت سلیمان بن صُرَد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

استبَّ رجلانِ عند النبی ﷺ، فغَضِبَ احدُهما، فاشتدّ غضبُه حتّی انتفخ وجهُه و تَغيَّر، فقال النبی ﷺ: إنی لأعلم کلمةً لو قالها لذهب عنه الذی يَجِدُ......

(صحیح بخاری، کتاب الأدب، باب ما ینهی عن السباب واللعن، ص: ۸۹۳، ج:

۲ ، قديمی : کراچی)

’’دو آدمیوں نے نبی ﷺ کے پاس ایک دوسرے کو برا بھلا کہا، پس ان میں سے ایک غصّہ ہوا اور اس کا غصّہ تیز ہوگیا، یہاں تک کہ اس کا چہرہ پھول گیا اور رنگ بدل گیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں، کہ اگر یہ شخص اس کو کہتا، تو وہ کیفیت دور ہوجاتی، جو وہ پا رہا ہے، یعنی اس کا غصہ جاتا رہتا۔‘‘

مذکورہ روایت میں یہ صراحت نہیں ہے، کہ وہ کلمہ کون سا ہے؟ ’صحیح بخاری‘، کتاب بدء الخلق، باب صفة إبليس و جنوده میں ابوحمزہ کے طریق سے مروی سلیمان بن صُرَد رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:

فقال النبی ﷺ : إنی لأعلم كلمة لو قالها لذهب عنه ما يجد ، لو قال : أعوذ بالله من الشيطان ذهب عنه ما يجد .

(صحیح بخاری ، ص : ٤٦٤ ، ج: ١ ، قديمی : کراچی)

اس طریق میں ” أعوذُ بالله مِن الشيطان “ ہے، اس میں ” الرجيم “ نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (۷۷۳-۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

قوله : « إنی لأعلم كلمة لو قالها لذهب عنه الذی يجد » فی الرواية المذكورة : لو قال : أعوذ بالله من الشيطان و فی رواية مسلم : الرجيم .

(فتح الباری، كتا ب الأدب ، باب ما ينهى عن السّباب واللعن ، ص : ٤٨٢، ج : ١٠ ، دارالريان : القاهرة)

’’(صفة إبليس میں) مذکور روایت میں ” لو قال: أعوذ بالله من

الشیطان " ہے اور ' صحیح مسلم ' کی روایت میں " الرجیم " ہے (یعنی پورا کلمہ " أعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم " ہے)۔"

بندہ کہتا ہے:

حافظ الدنیا حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کو استحضار نہیں رہا اور 'صحیح مسلم' کی روایت کا حوالہ دیا، ورنہ خود 'صحیح بخاری'، کتاب الادب ہی میں "باب الحذر من الغضب" میں واقع جریر کے طریق سے مروی سلیمان بن صُرَد رضی اللہ عنہ کی روایت میں " الرجیم " موجود ہے:

فقال النبی ﷺ: إنی لأعلم کلمة لو قالها لذهب عنه مایجد، لو قال: أعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم.

(صحیح بخاری، ص: ۹۰۳، ج: ۲، قدیمی: کراچی)

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ (۸۵۱-۹۲۳ھ) " بدء الخلق " میں ابوحمزہ کے طریق سے مذکور حضرت سلیمان بن صُرَد رضی اللہ عنہ کی روایت کے تحت فرماتے ہیں:

(**لو قال: أعوذ باللّٰہ من الشیطان**) لم یقل: الرجیم.

(إرشاد الساری، ص: ۱۹۵، : ۷، العلمیة بیروت)

بندہ کہتا ہے:

بدء الخلق میں ابوحمزہ کے طریق میں " الرجیم " مذکور نہیں؛ لیکن کتاب الأدب، باب الحذر من الغضب میں جریر کے طریق سے مروی سلیمان بن صُرَد

رضی اللہ عنہ کی روایت میں مذکور ہے، جیسا کہ ماقبل میں گزرا۔ واللّٰہ تعالی أعلم

حضرت سلیمان بن صُرَد رضی اللہ عنہ کی عُمر

☆ حضرت سلیمان بن صُرَد الخُزاعی رضی اللہ عنہ کے متعلق علامہ عینی رحمہٗ اللہ (۷۵۲-۸۵۵ھ) نے لکھا ہے کہ شہادت کے وقت ان کی عمر تہتّر (۷۳) سال تھی۔

وکان عمره ثلاثا و سبعين سنة .

(عـمـدة القارى ، كتاب الأدب، باب ما ينهى عنه من السباب واللعن، ص : ١٢٥ ، ج : ٢٢ ، دار إحياء التراث العربى : بيروت)

بندہ کہتا ہے:

مندرجۂ ذیل کتابوں میں حضرت سلیمان بن صُرَد رضی اللہ عنہ کی عمر تِرانوے (۹۳) سال منقول ہے:

(١) وله ثلث و تسعون سنة .

(فتـح البارى ، كتاب الأدب ، باب ما ينهىٰ عنه من السباب و اللعن ، ص : ٤٨٢ ، ج : ١٠ ، دارالريان : القاهرة)

(٢) وكان لسليمان يوم قُتل ثلاث و تسعون سنة .

(الإصابة ، ص : ٧٦ ، ج : ٢ ، دارالفكر ، بيروت)

(٣) و كان سليمان يوم قُتل ابن (٩٣) سنة .

(تهذيب التهذيب ، ص : ٤٨٦ ، ج : ٣ ، دارالفكر : بيروت)

(٤) و كان عمر سليمان حين قتل ثلاثا و تسعين سنة .

(أسد الغابة ، ص : ٥٤٩ ، ج : ٢ ، العلمية : بيروت)

(٥) و كان سليمان يوم قتل ابن ثلاث و تسعين سنة .

(الاستيعاب فى معرفة الأصحاب ، ص : ٢١١ ، ج : ٢ ، العلمية : بيروت)

(٦) و كان سليمان بن صرد يوم قتل ابن ثلاث و تسعين سنة ،

(الطبقات الكبرى لابن سعد ، ص : ٢٢٠ ، ج : ٤ ، العلمية : بيروت)

(٧) و كان عمره يوم قتل ثلا ثا و تسعين سنة ، رحمهٗ اللّٰه .

(البداية و النهاية، وقعة عين وردة ، ص : ٢٨٠ ، ج : ٨ ، دارإحياء التراث العربى : بيروت)

بندہ کے ناقص خیال میں 'عمدة القارى' میں کتابت کی غلطی سے تسعین کی بجائے سبعین ہوگیا (یعنی تین اوپر نوے: ترانوے کی بجائے تین اوپر ستّر: تہتّر ہوگیا ہے)۔ واللہ تعالیٰ اعلم

یہ جزء 'صحیح بخاری' میں بھی ہے

☆ 'صحیح بخاری' كتاب التوحيد میں ہے:

حدثنا عمرو بن على : حدثنا أبوعاصم : حدثنا قُرَّة بن خالد : حدثنا أبو جمرة الضبعى قلت لابن عباس فقال : قدم وفد عبد القيس علىٰ رسول اللّٰه ﷺ.......

(صحيح بخارى، كتاب التوحيد، باب قول اللّٰه تعالىٰ: ﴿ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴾ الخ،

ص: ۱۱۲۸، ج : ۲، قديمی : كراچی)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (۷۷۳-۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

قوله : «قلت لابن عباس فقال : قدم وفد عبد القيس» كذا فی هذه الرواية لم يذكر مقول قلت ، و بيّنه الإسماعيلی من طريق أبی عامر عبد الملك بن عمرو العَقَدی بفتح المهملة و القاف عن قرّة بن خالد فقال فی روايته : حدثنا أبو جمرة قال : قلت لابن عباس : إن لی جرة انتبذ فيها فاشربه حلوا لو أكثرت منه فجالست القوم لخشيت أن أفتضح فقال : قدم وفد عبدالقيس ....

(فتح الباری، كتاب التوحيد، باب قول اللّٰه تعالیٰ : ﴿ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ ﴾ الخ ، ص: ٥٤٤، ج : ١٣، دارالريان : القاهرة)

ہمارے دیار کی مطبوعہ ’ صحيح بخاری ‘ **کے حاشیہ میں حافظ رحمہ اللہ کا مذکورہ بالا کلام** ’ فتح الباری ‘ **کے حوالے سے منقول ہے۔**

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ (۸۵۱-۹۲۳ھ) فرماتے ہیں:

(**قلت لابن عباس**) رضی اللّٰه عنهما أی حَدِّثْنا مطلقاً أو عن قصة عبد القيس فحذف مفعول قلت . و عند الإسماعيلی من طريق أبی عامر عبد الملك بن عمرو العقدی عن قرة قال : حدثنا أبو جمرة قال : قلت لابن عباس : إن لی جرة انتبذ فيها فاشربه حلواً ، لو أكثرت منه فجالست القوم لخشيت أن افتضح.

(إرشاد الساری لشرح صحيح البخاری ، ص : ٥٣٥ ، ج : ١٥ ، العلمية : بيروت)

بندہ کہتا ہے:

حافظ الدنیا: حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ قسطلانی رحمہما اللہ کو استحضار نہیں رہا، جو جزء انھوں نے اسماعیلی کے حوالے سے نقل فرمایا، وہ خود 'صحیح بخاری'، کتاب المغازی میں موجود ہے:

حدثني إسحق قال : أخبرنا أبوعامر العَقَديُّ قال : حدثنا قرّة ، عن أبي جمرة، قلتُ لابن عباس : إن لي جرةً تنتبذ لي نبيذا، فاشربه حلواً في جَرّ ، إن أكثرتُ منه فجالستُ القومَ فأطلتُ الجلوسَ خشيتُ أن افتضح ، فقال : قدم وفدُ عبدِ القيسِ علىٰ رسول اللّٰه ﷺ ....

(صحيح بخاری ، كتاب المغازی ، باب وفد عبد القيس، ص: ٦٢٦،٦٢٧، ج : ٢، قديمی: كراچی)

''.......حضرت ابو جمرہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے؛ آپ نے فرمایا، کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا، کہ میرے پاس ایک گھڑا ہے، جو میرے لیے نبیذ بناتا ہے (یعنی اس میں میرے لیے نبیذ بنائی جاتی ہے) میں اسے میٹھی ہونے کی حالت میں پیتا ہوں۔ اگر میں اسے زیادہ پی لوں، پھر مجمع میں: لوگوں میں آکر بیٹھوں اور دیر تک بیٹھا رہوں، تو مجھے رسوا ہونے کا خوف ہوتا ہے۔ (زیادہ پی لینے کے بعد دیر تک مجلس میں بیٹھے رہنے کی صورت میں یہ اندیشہ ہوتا ہے، کہ نشہ والے آدمی کی طرح بہکی بہکی باتیں کر کے میں لوگوں میں رُسوا نہ ہو جاؤں) تو عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے (وفدِ عبد القیس کی حدیث سناتے ہوئے) فرمایا کہ وفدِ عبد القیس رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا.......''

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

و (**أبو جمرة**) ...... قال (**قلت لابن عباس**) أی حَدِّثْنا إما هو مطلقاً و إما عن قصة وفد عبد القيس .

(شرح البخاری للکرمانی ، کتاب التوحید ، باب قول اللّٰه تعالیٰ : ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ الخ ، ص : ۲٤۳ ، ج : ۲۵ ، دار إحياء التراث العربی : بيروت)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قوله : «قلت لابن عباس فقال : قدم» كذا في هذه الرواية لم يذكر مفعول قلت ، و التقدير قلت : حدِّثْنا إما مطلقاً و إما عن قصة عبد القيس .

(عمدة القاری ، کتاب التوحید ، باب قول اللّٰه تعالیٰ : ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ الخ ، ص : ۱۹۹ ، ج : ۲۵ ، دار إحياء التراث العربی : بيروت)

علامہ شمس الدین برماوی رحمۃ اللہ علیہ (۷۶۳-۸۳۱ھ) فرماتے ہیں:

(**قلت لابن عباس**) أی حدِّثنا ؛ إما مطلقاً و إما عن قصة وفد عبد القيس .

(اللامع الصبیح ، کتاب التوحید ، باب قول اللّٰه تعالیٰ ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ الخ ، ص : ۵۳٦ ، ج : ، دار النوادر : سورية)

بندہ کہتا ہے:

ماقبل میں مذکور " کتاب المغازی " کی روایت سے قلتُ کا مفعول ومقولہ معلوم ہو چکا؛ لہذا طلبِ تحدیث کو قلتُ کا مفعول ومقولہ قرار دینے کی حاجت نہیں،

جیسا کہ علامہ کرمانی، علامہ عینی، علامہ برماوی اور علامہ قسطلانی رحمہم اللہ نے قرار دیا ہے، نبّہ علیہ الحافظ ابن حجر رحمۃ اللّٰہ بروایۃ الإسماعیلی . و اللّٰہ تعالیٰ أعلم

مَسَحَ بِنَاصِیَتِہٖ کا ترجمہ

☆ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ ﷺ کے سفرِ تبوک میں وضوء کے متعلق روایت میں وارد ہے:

"مَسَحَ بِنَاصِیَتِہٖ."

(صحیح مسلم ، کتاب الطھارۃ ، باب المسح علیٰ الخفین ، ص : ١٣٤ ، ج : ١ ، قدیمی : کراچی)

بعض طلبہ اس کا ترجمہ کرتے ہیں: "آپ ﷺ نے اپنی پیشانی پر مسح فرمایا۔"

بعض اردو شروح میں بھی اسی طرح ترجمہ کیا گیا ہے۔

ظاہر ہے، کہ پیشانی تو " وجہ " یعنی چہرے میں داخل ہے، جس کا حکم وضو میں غَسْل : دھونا ہے، مسح نہیں ؛ لہذا یہ ترجمہ صحیح نہیں، کہ آپ ﷺ نے پیشانی پر مسح فرمایا، اِلّا یہ کہ تاویل کا سہارا لیا جائے۔

اگر " ناصیۃ " کا ترجمہ "پیشانی" ہے، جیسا کہ بعض عربی - اردو لغات میں مذکور ہے (ملاحظہ ہو: القاموس الجدید ، مادہ : ن ص ی) تو حدیث مذکور کا صحیح

ترجمہ اس طرح ہوگا: آپ ﷺ نے پیشانی کی مقدار اپنے سر کا مسح فرمایا۔

اور اگر ” ناصية “ کا ترجمہ ” مقدم الرأس “ یعنی سر کا اگلا حصّہ ہے، تو حدیثِ مذکور کا صحیح ترجمہ ہوگا: آپ ﷺ نے اپنے سر مبارک کے اگلے حصّے پر مسح فرمایا۔ خود ' صحيح مسلم ' کے ایک طریق میں وارد ہے:

أنّ نبيَّ اللّٰهِ ﷺ مَسَحَ علىٰ الخُفَّينِ و مُقَدَّمِ رأسِه ......

(صحيح مسلم ، ص : ١٣٤ ، ج : ١ ، قديمي : كراچى)

” نبی اللہ ﷺ نے اپنے سر مبارک کے اگلے حصّے پر اور موزوں پر مسح فرمایا۔“

شمس الائمہ ابوبکر محمد بن احمد سرخسی حنفی رحمۃ اللہ علیہ (وفات : ۴۹۰ ھ) فرماتے ہیں:

” رأس : سر، چار اجزاء: (۱) نَاصِيَة (۲) قَذَال اور (۳۔۴) فَوْدَان پر مشتمل ہے۔“

(المبسوط ، ص : ١٨٠ ، ج : ١ ، العلمية : بيروت)

نَاصِيَة : مقدّم الرأس یعنی سر کے اگلے حصّے کو، قَذَال : مؤخر الرأس یعنی سر کے پچھلے حصّے کو اور فَوْدَان : کان سے ملے ہوئے سر کے دونوں کنارے: دونوں جانب کو کہا جاتا ہے۔

نَاصِيَة کا یہ دوسرا ترجمہ (مقدّم الرأس یعنی سر کا اگلا حصّہ) ہی راجح ہے۔

” سورة العلق “ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ [العلق : ١٥]

اگر ” النَّاصِيَةِ “ بمعنی پیشانی ہو، تو پیشانی پکڑ کر گھسیٹنے کا کوئی تک نہیں بنتا، سر کے اگلے بالوں کو جنھیں پٹھے کہا جاتا ہے، پکڑ کر گھسیٹنے کے معنی معہود و معقول ہیں؛ چناں چہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) نے 'بیان القرآن' میں اور مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ (۱۳۱۴-۱۳۹۶ھ) نے 'معارف القرآن' میں ”سورة العلق“ کی تفسیر میں یہی دوسرے معنی لیے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

رسول اللہ ﷺ حبیب اللہ بھی ہیں اور خلیل اللہ بھی

☆ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) فرماتے ہیں:

حدیث صحیح میں آتا ہے، کہ ایک بار صحابہ رضی اللہ عنہم انبیاء علیہم السلام کے فضائل میں گفتگو کر رہے تھے، کسی نے کہا کہ حق تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ بنایا، کسی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کلیم اللہ بنایا، کسی نے کہا کہ حق تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ و کلمة اللہ بنایا، وعلیٰ ھذا

اور اس گفتگو سے صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ مقصود نہ تھا، کہ انبیاء علیہم السلام کو آپ ﷺ پر فضیلت دیں؛ بل کہ غالباً وہ یہ چاہ رہے تھے، کہ جس طرح ہم کو ان انبیاء علیہم السلام کے خاص اوصاف معلوم ہیں، اسی طرح یہ بھی معلوم کریں، کہ ہمارے حضور ﷺ میں خاص صفت کیا ہے، جس کی وجہ سے آپ سب انبیاء علیہم السلام سے

افضل ہیں؟

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اسی گفتگو میں تھے، کہ رسول اللہ ﷺ اپنے حجرہ سے باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ میں نے تمھاری گفتگو سُنی۔ واقعی حضرت ابراھیم علیہ السلام خلیل اللّٰہ ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللّٰہ ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللّٰہ و روح اللّٰہ ہیں، ألا إنّ صَاحِبَکُمْ حبیبُ اللّٰہ .

اس واقعہ میں یہ تو ضرور ہے، کہ حضور ﷺ نے اپنی یہ خاص صفت اپنی فضیلت ظاہر کرنے کے لیے بیان فرمائی؛ چناں چہ سیاقِ کلام اس کو مقتضِی ہے؛ مگر اس پر اشکال یہ ہے، کہ لُغت میں تَتَبُّع کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ ''مَحَبَّت'' و ''خُلَّت'' میں خُلّت کا درجہ بڑھا ہوا ہے؛ کیوں کہ محبت کا اطلاق تو تھوڑی محبت پر بھی ہوسکتا ہے، مگر خلّت کا اطلاق جبھی ہوتا ہے، جب کہ محبت خِلالِ قلب یعنی اندرونِ قلب میں پہنچ جائے، جس کو متنبّی (۳۰۳-۳۵۴ھ) نے اپنے ایک شعر میں بیان کیا ہے ؎

عذلُ العواذلِ حولَ قلبِ التائِہ و ھوی الأحبّۃِ منہُ فِی سَودائِہ

''ملامت گروں کی ملامت تو عاشق کے قلب کے گرداگرد ہی رہتی ہے اور محبوبوں کی محبّت سوداء قلب: نقطۂ قلب میں جاگزیں ہے۔ (لہذا اُس کا اس پر کیا اثر؟)''

پس خلّت اس درجہ کی محبت کا نام ہے، جو سویدائے قلب میں پیوست ہو جائے، تو اب حضور ﷺ کا یہ فرمانا کہ میں حبیب اللّٰہ ہوں، ابراھیم علیہ السلام پر آپ کی فضیلت کو ثابت نہیں کرتا؛ کیوں کہ وہ خلیل اللّٰہ ہیں اور خلت کا درجہ محبت

سے بڑھا ہوا ہے۔

اس اشکال کے جواب میں لوگوں نے مختلف تقریریں کی ہیں ؛ مگر سہل جواب یہ ہے، کہ اس جگہ آپ ﷺ نے محبت کا اطلاق معنیٰ لغوی کے اعتبار سے نہیں فرمایا ہے ؛ بل کہ محاورات کے اعتبار سے فرمایا ہے، پس لغۃً گو خلّت محبت سے بڑھی ہوئی ہے ؛ لیکن استعمال و اطلاق محاورات میں گو محبت خلت سے بڑھی ہوئی نہ ہو ؛ مگر حبیب کا صیغہ خلیل سے بڑھا ہوا ہے ؛ چناں چہ خلیل تو جس طرح معشوق کو کہتے ہیں ، اسی طرح اس کا اطلاق عاشق پر بھی آتا ہے، بخلاف حبیب کے کہ اس کا اطلاق محض معشوق پر ہوتا ہے، عاشق پر حبیب کا اطلاق نہیں ہوتا ؛ بل کہ اس کو محبّ کہتے ہیں ، پس خلیل اللہ وحبیب اللہ میں یہ فرق ہوا، کہ خلیل اللّٰہ اللہ تعالیٰ کے عاشق کو بھی کہہ سکتے ہیں اور معشوق کو بھی اور خلیل اللّٰہ صرف محبوب ہی کو کہیں گے (گو جو اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوگا ، وہ مُحِبّ بھی ضرور ہوگا مگر) مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ میں محبوبیت کی شان ابراہیم علیہ السلام سے بڑھی ہوئی ہے۔

(خطبات حکیم الامت ، ص : ۳۹۹ ، ۴۰۰ ، ج : ۵ ، حکایات اولیاء المعروف بہ ارواح ثلثہ ، ص : ۲۴۴ ، ۲۴۵ ، اسلامی اکاڈمی : لاہور)

بندہ کہتا ہے :

حضرت تھانوی قدس سرہ نے جس حدیث پاک کو ذکر فرمایا ہے، اس کے الفاظ حسبِ ذیل ہیں :

عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنهما قال : جلس ناسٌ مِن أصحابِ رسولِ اللّٰہ ﷺ ، ینتظرونه، قال : فخرج ، حتّی إذا دنا منهم ، سمعهم

يتذاكرون ، فسمع حديثَهم ، فقال بعضهم : عَجَباً ! إن اللّٰه اتّخذ مِن خَلقِه خليلا ، اتّخذ إبراهيمَ خليلا ، وقال آخر: ماذا بأعجب مِن كلامِ موسىٰ ؟ كلّمه تكليما ، وقال آخر : فعيسىٰ كلمةُ اللّٰه و رُوحُه ، وقال آخر : آدم اصطفاه اللّٰه ، فخرج عليهم ، فسَلَّمَ ، و قال : قد سمعتُ كلامَكم و عَجَبَكم: إن إبراهيمَ خليلُ اللّٰه ، وهو كذلك ، وموسىٰ نجيُّ اللّٰه ، وهو كذلك ، و عيسىٰ روحُه و كلمتُه ، وهو كذلك ، وآدمُ اصطفاهُ اللّٰه ، وهو كذلك ، ألا وأنا حبيبُ اللّٰه ، وَلَا فَخُرَ.......

(الكتب الستة ، جامع الترمذى ، ابواب المناقب ، باب بلاترجمة قبل باب ما جاء فى ميلاد النبى ﷺ ، ص : ٢٠٢٤ ، حديث : ٣٦١٦ – سنن الدارمى ، باب ما أعطى النبى ﷺ من الفضل ، ص : ٣٩ ، ج : ١ ، قديمى : كراچى)

” حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے ؛ آپ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے چند صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بیٹھے ہوئے آپ ﷺ کا انتظار کر رہے تھے ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں : چناں چہ آپ ﷺ نکلے، یہاں تک کہ جب ان سے قریب ہوئے ،تو آپ ﷺ نے ان کو گفتگو کرتے ہوئے سُنا،آپ ﷺ نے ان کی باتیں سُنیں ۔

ایک نے کہا : تعجب خیز بات ! اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے ایک خاص دوست بنایا : ابراھیم علیہ السلام کو اپنا خاص دوست بنایا۔ دوسرے نے کہا : موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہم کلامی سے زیادہ تعجب خیز بات کیا ہے ؟ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ خاص طور پر کلام فرمایا۔ تیسرے نے کہا : عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا ایک کلمہ

ہیں اور اس کی خاص روح ہیں۔ چوتھے نے کہا : آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ کیا۔

پس آپ ﷺ ان لوگوں کے پاس تشریف لے آئے ، انھیں سلام کیا اور فرمایا: میں نے آپ لوگوں کی باتیں سنیں اور آپ کے تعجّب کرنے کو بھی سُنا : بے شک ابراھیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خاص دوست ہیں اور وہ ایسے ہی ہیں ، یعنی یہ فضیلت ان کے لیے ثابت ہے۔ موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلام ہونے والے ہیں اور وہ ایسے ہی ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی خاص رُوح اور ان کا کلمہ ہیں اور وہ ایسے ہی ہیں اور آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ کیا ہے اور وہ ایسے ہی ہیں۔ سنو ! میں اللہ تعالیٰ کا حبیب ہوں اور فخر نہیں کر رہا (بل کہ حقیقت کو ظاہر کر رہا ہوں)۔"

اس روایت سے رسول اللہ ﷺ کا حبیب اللّٰہ ہونا ثابت ہوا اور 'صحیح مسلم' کی روایات میں اللہ تعالیٰ کا رسول اللہ ﷺ کو خلیل بنانا اور آپ ﷺ کا خلیل اللّٰہ ہونا صراحتاً وارد ہے:

عن أبی الأحوصِ قال : سمعتُ عبدَ اللّٰهِ بنَ مسعود رضی اللّٰه عنه یُحدِّثُ عن النبی ﷺ ؛ أنه قال : لو کنتُ مُتّخِذاً خلیلاً ، لاتّخذتُ أبا بکرٍ خلیلا ، ولکنه أخِي و صاحِبِی. وقد اتّخذَ اللّٰهُ عزّ و جل صَاحِبَکم خلیلاً .

عن أبی الأحوص ، عن عبد اللّٰه ، عن النبی ﷺ قال : لو کنتُ متّخذا مِن أهلِ الأرضِ خلیلاً ، لاتخذتُ ابن ابی قُحافَةَ خلیلا ، ولکنْ صاحبُکم خلیلُ اللّٰه .

(صحیح مسلم بشرح النووی، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل أبی بکر

الصدیق رضی اللّٰه عنه ، ص : ۱۲٤، ج :۱۵ ، العلمیة : بیروت)

’’نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر میں کسی کو خاص دوست بناتا، تو ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کوضرور خاص دوست بناتا؛ لیکن وہ میرے (دینی) بھائی اور ساتھی ہیں اور اللہ عزوجل نے تمھارے ساتھی کو (یعنی مجھے) خاص دوست بنایا ہے۔‘‘

’’نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر میں زمین والوں میں سے کسی کو خاص دوست بناتا، تو ابوقُحافہ (رضی اللہ عنہ) کے لڑکے (یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ) کوضرور خاص دوست بناتا؛ لیکن تمھارا ساتھی (یعنی میں) اللہ کا خاص دوست ہے۔‘‘

مذکورہ روایات سے ثابت ہوا، کہ رسول اللہ ﷺ حبیب اللّٰه بھی ہیں اور خلیل اللّٰه بھی؛ لہٰذا اشکال سرے سے وارد ہی نہیں ہوتا۔

’فتح الباری‘ میں ہے:

و اختلف فی المودّة و الخلة و المحبة و الصداقة ، هل هی مترادفة أو مختلفة ؟ قال أهل اللغة : الخلة أرفع رتبة ، وهو الذی يشعر به حديث الباب (لوكنتُ مُتّخِذاً خَلِيلاً لاتّخذتُ أبابَكْرٍ ؛ ولكن أخی وصاحبی) ، و كذا قوله عليه السلام : «لو كنت متخذا خليلا غير ربّی » فإنه يشعر بأنه لم يكن له خليل من بنی آدم ، وقد ثبتت محبته لجماعة من أصحابه كأبی بكر و فاطمة و عائشة و الحسنين و غيرهم ، و لا يعكر على هذا اتصاف إبراهيم عليه السلام بالخلة و محمد ﷺ بالمحبة ، فتكون المحبة أرفع رتبة من الخلة ؛ لأنه يجاب عن ذلك بأن محمداً ﷺ قد ثبت له الأمران معاً ، فيكون رجحانه من الجهتين، و اللّٰه أعلم .

(فتح الباری ، كتاب فضائل الصحابة ، باب قول النبی ﷺ : لو كنت متخذا خليلا ،

ص : ٢٧ ، ج : ٧ ، دارالریان : القاھرۃ)

کیا ہر ”محمد“ نام والا بلا حساب جنتی ؟

☆ ”محمد“ نام کی برکت و فضیلت کے سلسلے میں ایک روایت نقل کی جاتی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

قال أبو المحاسن عبد الرزاق بن محمد الطبسی فی الأربعین :

أنبأنا أبوعبد محمد بن الفضل الفرادی : أنبأنا أبو سعید محمد بن علی بن الخشاب الصوفی : أنبأنا أبوعمرو أحمد بن أبی القرانی : سمعت أبا الحسن محمد یحییٰ بن محمد الخطیب یقول : سمعت جدی محمد بن سهل بن إسحق الفرایضی یقول : أخبرنا أبی یرفع الحدیث إلی النبی ﷺ أنه قال : إذا کان یوم القیامة ، نادی منادٍ : یا محمد، قم، فادخل الجنة بغیر حساب، فیقوم کل من اسمه ” محمد “ فیتوهم أن النداء له، فلکرامة محمد لا یمنعون.

اس روایت کی وجہ سے بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں، کہ ”محمد“ نام والے ہر فرد کو قیامت کے دن بلاحساب جنت میں داخلہ مل جائے گا ؛ کیوں کہ جب قیامت کے دن منادی اعلان کرے گا : اے محمد ! جنت میں بلا حساب داخل ہو جاؤ، ”محمد“ سے مراد اگرچہ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہوگی ؛ لیکن ”محمد“ نامی ہر فرد یہ خیال کرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوگا، کہ اسی کو پکارا گیا ہے، تو رسول اللہ ﷺ کے اعزاز میں

ان میں سے کسی کو جنت میں داخل ہونے سے روکا نہیں جائے گا؛ بل کہ ہر ایک کو بلا حساب جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے، **اولاً**: اس لیے کہ اس صورت میں تو ''محمد'' نام والوں سے شریعت کا تعطّل اور اوامر ونواہی کا ''محمد'' نامی افراد کے علاوہ کے ساتھ مخصوص ہونا لازم آئے گا، جو بدیہی البطلان ہے۔

ثانیاً: یہ روایت نا قابلِ احتجاج ہے؛ چناں چہ 'اللآلی المصنوعة فی الأحادیث الموضوعة' للسیوطی میں ہے:

هذا معضل : سقط منه عدّةُ رِجال. والله أعلم

(اللآلی المصنوعة، ص: ۹۷، ج:۱)

''یہ روایت **معضل** ہے: اس کے کئی رُواۃ (سند سے) ساقط ہیں۔''

'تنزیه الشریعة المرفوعة عن الأخبار الشنیعة الموضوعة' لابن عَرَّاق میں ہے،

قال بعض أشیاخی : هذا حدیث موضوع بلا شك .

(تنزیه الشریعة المرفوعة ، ص : ۲۲٦، ج : ۱)

''میرے بعض شیوخ نے فرمایا: بلاشبہ یہ موضوع حدیث ہے۔''

جس طرح ''احمد'' نام رکھنے کی فضیلت کے سلسلے میں منقول روایات میں سے کوئی روایت ثابت نہیں، جیسا کہ علامہ صغانی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے، اسی طرح ''محمد'' نام رکھنے کی مدح وفضیلت پر اور اس کے جہنم میں داخل نہ ہونے پر دلالت کرنے والی روایات بھی باطل اور غیر ثابت ہیں، جیسا کہ علاّمہ ابن الجوزی

رحمۃ اللہ علیہ(ولادت:تقریباً ۵۱۰ ھ یا اس سے قبل ، وفات : ۵۹۷ ھ) نے ’الـموضـوعـات‘ ص : ۱۵٤، ج : ۱ میں، شیخ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ(۶۹۱ -۷۵۱ھ) نے ’ المنار المنیف فی الصحیح و الضعیف ‘ ص : ٥٧ نیز ٦١ میں اورملاّ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ(وفات:۱۰۱۴ھ) نے ’ الموضوعات الکبری ‘ ص : ۳۰۹ ، ۳۱۰ میں ذکر فرمایا ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (۸۴۹-۹۱۱ ھ) نے’’ محمد‘‘ نام کی فضیلت پر دلالت کرنے والی حسبِ ذیل روایت کی سند کو’’حَسَن‘‘ کی شرط پر قرار دیا ہے:

مَن وُلِد لہ مولود، فسمّاہ محمداً ، حباًّ لّی و تبرکاً، کان ھو و مولودُہ فی الجنۃ . أخرجہ ابن بکیر فی فضل من اسمہ محمد و أحمد من حدیث أبی امامۃ . و سندہ عندی علیٰ شرط الحسن.

(الحاوی للفتاوی، الدرّۃ التاجیۃ علی الأسئلۃ الناجیۃ، الحدیث السادس والعشرون، ص : ٤٩، ج :٢)

’’جس کے ہاں کوئی بچہّ پیدا ہوا، اس نے مجھ سے محبت کرتے ہوئے اور برکت حاصل کرنے کے لیے اس کا نام’’ محمد‘‘ رکھا ،تو وہ اور اس کا بچہّ دونوں جنت میں ہوں گے۔‘‘

و ورد ((مَنْ وُلِدَ لَهُ مَوْلُودٌ ، فَسَمّاهُ مُحَمَداً ، کَانَ هُوَ وَ مَوْلُوْدُهُ فِی الْجَنَّةِ)) رواہ ابن عساکر عن أمامۃ رفعہ . قال السیوطی : ھذا أمثل حدیث

ورد فی هذا الباب ، و إسناده حسن اهـ .

(رد المحتار علی الدر المختار ، کتاب الحظر و الإباحة ، باب الاستبراء وغیره ، ص : ۵۹۸ ، ج : ۹ ، العلمیة : بیروت)

لیکن شیخ عبد الفتّاح ابو غُدَّہ رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۳۶-۱۴۱۷ھ) نے 'المصنوع فی معرفة الحدیث الموضوع' لملّا علی القارئ ص: ۲٤۸ پر اپنی تعلیق میں ''حَسَن'' کی شرط پر قرار دینے کو علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے تساھلاتِ معروفہ میں سے قرار دیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ضعیف حدیث میں یہ مسئلہ آیا ہے

☆ بعض حضرات کا خیال ہے، کہ دنیا میں مختلف اوقات میں ایک سے زائد نکاح کرنے والی عورت جنت میں کس شوہر کو ملے گی ؟ یہ مسئلہ قرآن و حدیث میں واضح طور پر آیا ہے نہ اشارتاً آیا ہے۔

بندہ کہتا ہے:

حدیث میں اس مسئلہ کے نہ صراحتاً نہ اشارتاً آنے سے ان بعض حضرات کی حدیث سے مراد اگر حدیث صحیح ہو، تو بالکل درست ہے؛ لیکن اگر حدیث سے مطلق حدیث مراد ہو، تو محلِّ نظر ہے؛ کیوں کہ ضعیف حدیث میں یہ مسئلہ آیا ہے۔ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے دریافت کرنے پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اسے اختیار دیا جائے گا اور وہ ان میں اچھے اخلاق والے شوہر کو اختیار کرے گی۔

یہ روایت امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے شیخ ابن القیم رحمہ اللہ (۶۹۱ – ۷۵۱ھ) نے 'حـــادی الأرواح' میں اور علامہ نور الدین الھیثمی رحمہٗ اللہ (وفات: ۸۰۷ھ) نے 'مجمع الزوائد' میں نقل فرمائی ہے۔ اس میں سلیمان بن ابی کریمہ راوی متفرد ہے اور ابوحاتم اور ابن عدی رحمہما اللہ نے اس کی تضعیف کی ہے۔

'حادی الأرواح' میں ہے:

و قال الطبرانی : **حدثنا** بكر بن سهل الدمياطى ، حدثنا عمرو بن هشام البيرونى ، حدثنا سليمان بن أبى كريمة عن هشام بن حسان عن الحسن عن أبيه عن أم سلمة قالت : .... قلت : يا رسول اللّٰه ، المرأة منا تتزوج زوجين أو ثلاثة أو أربعة ثم تموت فتدخل الجنة و يدخلون معها ، من يكون زوجها ؟ قال : يا أم سلمة ، إنها تخيّر فتختار أحسنهم خلقا ، فتقول : أى رب ، إن هذا كان أحسنهم معى خلقا فى دار الدنيا فزوجنيه ، يا أمّ سلمة، ذهب حسنة الخلق بخير الدنيا و الآخرة ،

تفرد به سليمان بن أبى كريمة و ضعفه أبوحاتم . و قال ابن عدى : عامة أحاديثه مناكير و لم أر للمتقدمين فيه كلاماً ثم ساق هذا الحديث من طريقه و قال : لا يعرف إلا بهذا السند .

(حادى الأرواح ، الباب الثالث و الخمسون ، ص : ١٧٤، ١٧٥ ، العلمية : بيروت)

'مجمع الزوائد' میں ہے:

عن أم سلمة ، قالت .... قلتُ : يا رسول اللّٰه ، المرأة منّا تتزوج الزوجين ، و الثلاثة ، و الأربعة ، ثم تموت فتدخل الجنة و يدخلون معها ،

مـن يكون زوجها ؟ قال : « يـا أمَّ سـلمةَ ، إنّها تُخَيَّر فتختارُ أحسنَهم خُلُقا ، فتـقـول : يـا ربّ ، إنّ هـذا كـان أحسـنَهم خُلُقاً فى دار الدنيا فَزَوِّجْنِيه ، يا أمّ سلمة ، ذهب حُسنُ الخُلُق بِخَيْرِ الدنيا و الاخرة » .

رواه الطبرانى، وفيـه سـليـمان بن أبى كريمة ضعفه أبوحاتم وابن عدى.

(مـجـمـع الـزوائـد ، كتـاب الـتـفسيـر ، سورة الواقعة ، قوله تعالى : ﴿ **وَحُوۡرٌ عِيۡنٌ** ﴾، حديث : ١١٣٩٦ ، ص : ١٨٤ ، ج : ٧ ، العلمية : بيروت)

وعن أم سلمة زوج النبّ ﷺ ، قالتْ : ....قلتُ : المرأة منّا تتزوّج الـزوجين ، و الثلاثة ، و الأربعة فى الدنيا ، ثم تموت فتدخل الجنة و يدخلون مـعهـا ، مـن يـكون زوجها منهم ؟ قال : « يـا أمّ سـلـمة ، إنهـا تخير فتختار أحسنهم خلقاً » ، قال : «فتـقول : أى ربّ ، إن هذا كان أحسنهم خلقا فى دار الدنيا فزوّجنيه ، يا أمّ سلمة ، ذهب حسن الخلق بخير الدنيا و الآخرة » .

رواه الـطبـرانـى فى الأوسط و الكبير بـنـحـوه ، وقد تقدم طريق الكبير فى سورة الر حـمـن ، و فـى إسـنادهما سليمان بن أبى كريمة ، و هو ضعيف .

(مـجمع الزوائد ، كتاب أهل الجنة ، باب ما جاء فى نساء أهل الجنة من الحور العين و غيرهن ، حديث : ١٨٧٥٥ ، ص : ٥٥٧ ، ٥٥٨ ، ج : ١٠ ، العلمية : بيروت)

ملحوظہ :

’ مـجـمع الزوائد ‘ **میں یہاں لکھا ہے کہ** الـمـعـجـم الكبير للطبرانى **کا**

طریق "سورۃ الرحمن" میں گزرا، یہ وہم ہے؛ اس لیے کہ مذکورہ طریق "سورۃ الرحمن" میں نہیں؛ بل کہ "سورۃ الواقعۃ" میں گزرا ہے۔
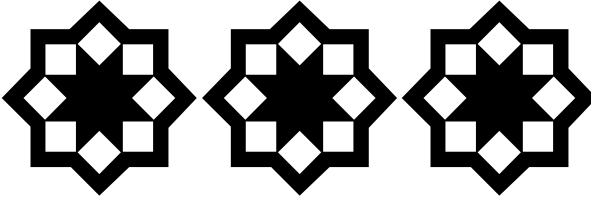
ما يتعلق بالأوهام

(خير الكلام فی کشف أوهام الأعلام)

ابوشاہ یمنی رضی اللہ عنہ کے لیے خطبہ لکھ دینے کا واقعہ کب کا ہے؟

☆ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی نور اللہ مرقدہ (۱۳۱۵-۱۴۰۲ھ) کی 'تقریر بخاری شریف' (اردو) کے ''مقدّمہ'' میں ہے:

''علماءِ سلف میں کتابتِ حدیث کے متعلق تین مذاہب ہو گئے:

ایک جماعت یوں کہتی ہے، کہ چوں کہ بعض دوسری احادیث سے کتابت کا ثبوت ملتا ہے؛ اس وجہ سے حدیث کا لکھنا، لکھانا جائز ہے۔ مثلاً:

حجۃ الوداع کے موقع پر ایک صحابی حضرت ابوشاہ یمنی نے آپ سے عرض کیا، کہ یا رسول اللہ! یہ خطبہ مجھے لکھوا دیجیے۔ آپ نے فرمایا: اکتبوا لأبی شاہ. اس خطبہ کے اندر کیا تھا؟ احادیث ہی تو تھیں۔''

(تقریر بخاری شریف (اردو)، ص: ۴۲، ج:۱، دارالاشاعت: کراچی)

'سراج القاری لحلّ صحیح البخاری' افادات: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مہاجر مدنی قدس سرہ میں 'تقریر بخاری شریف' (اردو) کا یہ مضمون بعینہٖ منقول ہے، ملاحظہ ہو: سراج القاری، ص: ۳۱، ج: ۱، جامعہ قاسمیہ دارالعلوم زکریا: مرادآباد، طبع اول: جمادی الأولی ۱۴۳۱ھ۔

''تقریر بخاری شریف (اردو) میں 'کتاب العلم' میں "فجاء رَجلٌ مِّنَ أهلِ الیمن" کے تحت ہے:

''یہ آنے والے حضرت ابوشاہ ہیں، جیسا کہ ابوداود وغیرہ کی روایات میں

تصریح ہے.......اور یہی جملہ ”اُکْتُبُوا لِأَبِیْ فُلَانٍ“ بخاری کی غرض ہے، کہ دیکھو! یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے، حضور اقدس ﷺ کے امر سے کتابتِ حدیث ہورہی ہے۔“

(تقریر بخاری شریف (اردو)،ص:۱۹۰، ج:۱،دارالاشاعت: کراچی)

’الکنز المتواری فی معادن لامع الدراری و صحیح البخاری‘ میں فجاء رجل من أهل الیمن کے ذیل میں ہے:

هذا الجائی هو سیّدنا أبوشاه، کما صرح فی روایة أبی داود وغیره........وبما أن غرض الإمام البخاری هو هذه الجملة «اکتبوا» فهذه القصة وقعت فی حجة الوداع .

(الکنز المتواری ،کتاب العلم ، باب کتابة العلم، ص :۳۵۱، ج : ۲،مؤسسة الخلیل الإسلامیة : فیصل آباد)

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہ (۱۲۹۶ - ۱۳۷۷ھ) کے ملفوظات میں ہے:

(ملفوظ:۳۴) جناب رسول اللہ ﷺ نے جب حجۃ الوداع کے موقع پر منیٰ میں اپنا نہایت جامع اور فصیح خطبہ پڑھا، جس میں اجمالاً تمام شرائع اسلامیہ کو ذکر کیا گیا تھا، تو ابوشاہ نے اس کے لکھوا دینے کی استدعاء کی ، آپ نے فرمایا: اس کو لکھ دو۔ (بخاری)

(سیرت شیخ الاسلام ،ص: ۵۶۰ ، ح:۲ ، مکتبہ دینیہ : دیوبند، طباعت : ربیع الاول:۱۴۱۴ھ)

بندہ کہتا ہے:

رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوشاہ یمنی رضی اللہ عنہ کی درخواست پر خطبہ لکھ

دینے کا امر فرمایا تھا، وہ ''حجۃ الوداع'' کے موقع پر نہیں؛ بل کہ ''فتحِ مکہ'' کے موقع پر تھا؛ چناں چہ 'صحیح بخاری'، کتاب العلم، باب کتابۃالعلم کی جس حدیثِ پاک میں یہ قصّہ مذکور ہے، اس کے سیاق میں اس کی صراحت ہے۔ مکمل حدیث اس طرح ہے:

.......عن أبی هريرة أنّ خُزاعَةَ قَتَلُوا رَجُلاً مِن بَنِی لَيْثٍ عامَ فتحِ مكّةَ بِقَتيلٍ مّنهم قَتَلُوه ، فَأُخْبِرَبذلك النبيُّ ﷺ ، فَرَكِبَ راحلتَهٗ فَخَطَبَ فَقال : إنّ اللّٰهَ حَبَسَ عَنْ مكّةَ الـقَتْلَ أوِ الـفِيلَ ، قال محمدٌ : وَاجْعَلُوه على الشّكِ ، كذا قال أبو نُعَيْمٍ: القتلَ او الفيلَ ، وغيرهٗ يقولُ : الفيلَ و سُلِّطَ عليهم رسولُ اللّٰه والمؤمنون ، أَلَا و إنّها لَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قبْلی ولا تَحِلُّ لأحدٍ بَعْدِی ، ألا و إنها حَلَّتْ لِیْ ساعةً مِنْ نهارٍ أَلَا وإنها ساعَتِیْ هذه حرامٌ ، لا يُخْتَلىٰ شَوْكُها و لا يُعْضَدُ شجرُها ولا تُلْتَقَطُ ساقطتُها إلا لِمُنْشِدٍ ، فَمَنْ قُتِلَ فهو بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ: إمّا أنْ يُعْقَلَ و إمّا أنْ يُقَادَ أهلُ القَتِيلِ ، فَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْيَمَنِ ، فَقَالَ: اُكْتُبْ لِیْ يا رسولَ اللّٰهِ ، فقال: اُكْتُبوا لِأبی فُلانٍ ، فقال رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ : إلَّا الإذْخِرَ يا رسول اللّٰه ، فَإنّا نَجْعَلُه فِیْ بُيُوْتِناَ وَ قُبُوْرِنا فقال النّبيُّ ﷺ: إلّا الإذْخِرَ إلّا الإذْخِرَ.

(صحیح بخاری، کتاب العلم ، باب کتابة العلم، ص : ۲۲، ج : ۱، قدیمی : کراچی)

ابن ابی جمرۃ رحمہٗ اللہ نے اس پر جزم نہیں کیا ہے

☆ غارِ حراء میں سب سے پہلی وحی نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے

جب ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو پورا ماجرا سنایا، تو خشیت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

لقد خشیتُ علیٰ نفسی .

(صحیح بخاری ، بدء الوحی ، ص : ۳ ، ج : ۱ ، قدیمی : کراچی)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (۷۷۳-۸۵۲ھ) نے مذکورہ خشیت کی مراد میں علماء کے بارہ اقوال نقل فرمائے ہیں ، جن میں سے چوتھا قول مرض کا اندیشہ نقل کرکے فرمایا کہ ابن ابی جمرۃ رحمہ اللہ (وفات : ۶۹۹ وقیل : ۶۷۵ھ) نے اسی پر جزم کیا ہے؛ چناں چہ 'فتح الباری' میں ہے:

و الخشية المذكورة اختلف العلماء فی المراد بها علی اثنی عشر قولا .... رابعها : المرض ، و قد جزم به ابن أبی جمرة .

(فتح الباری ، ص : ۳۳ ، ج : ۱، دارالریان : القاهرة)

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ (۸۵۱-۹۲۳ھ) نے بھی مرض والے قول پر جزم کی نسبت صاحبِ بہجۃ النفوس شیخ عارف ابن ابی جمرۃ رحمہ اللہ کی طرف کی ہے؛ چناں چہ 'إرشاد الساری' میں ہے:

(**خشيت علىٰ نفسی**) الموت من شدة الرعب ، أو المرض ، كما جزم به فی بهجة النفوس .

(إرشاد الساری ، ص : ۹۰ ، ج : ۱ ، العلمية : بيروت)

'إمداد الباری شرح بخاری' ، میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کا اور ہامش 'لامع الدراری' نیز 'الکنز المتواری' میں حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ قسطلانی رحمہما اللہ دونوں کا کلام بلا تعقّب منقول ہے۔ ملاحظہ ہو: إمداد الباری ،

ص: ۱۸۲ ، ج : ۳ ، مکتبۂ حرم : مرادآباد ، لامع الدراری ، ص: ۵۰۱ ، ج: ۱ ، الإمـدادية : مكة المكرمة ، الكنز المتواری ، ص : ۴۹ ، ج : ۲ ، مؤسسة الخليل الإسلامية : فيصل آباد .

نواب صدیق حسن خاں صاحب قنوجی بھوپالی نے حافظ ابن حجر اورعلامہ قسطلانی رحمہم اللہ کے مانند مرض والے قول پر جزم کی نسبت ' بهـجة الـنـفـوس ' کی طرف کی ہے، پھر آگے حافظ ابن حجر رحمہٗ اللہ کی بات بھی ' فتـح البـاری ' کے حوالے سے ذکر فرمائی ہے:

(**لـقـد خشيت علىٰ نفسی**) الـمـوت من شدة الرعب أو المرض كـما جزم به فی بهجة النفوس ......قال الحافظ فی الفتح : .... رابعها : المرض ، وقد جزم به ابن أبی جمرة .

(عون الباری لحلّ أدلة صحيح البخاری ، ص : ۵۱ ، ۵۲ ، ج : ۱، العلمية : بيروت)

بندہ کہتا ہے:

یہاں حافظ ابن حجر عسقلانی ، علامہ قسطلانی اور نواب صدیق حسن خاں بھوپالی رحمہم اللہ کو وہم ہوا ہے؛ اس لیے کہ صاحب بہجۃ النفوس شیخ عارف ابن ابی جمرۃ رحمہٗ اللہ نے مرض والے قول پر جزم نہیں کیا ہے ؛ بل کہ انھوں نے دو احتمال ذکر فرمائے ہیں : (۱) مرض (۲) کہانت ۔ اُن کا رجحان اِن دو میں سے کہانت والے احتمال کی طرف ہے ، انھوں نے اسے اظہر قرار دیا ہے ؛ چناں چہ حضرت موصوف ' بهجة النفوس ' میں فرماتے ہیں:

قـولـه عـليـه السـلام : ﴿ لـقـد خشيـت على نفسی ﴾ خشيته عليه

السلام هنا تحتمل وجهين .

أحدهما أن تكون خشيته من الوعك الذى أصابه من قبل الملك ، فخشى أن يقيم بالمرض من أجل ذلك .

الثانى أن تكون خشيته عليه السلام من الكهانة ، و هو الأظهر ؛ لأنه عليه السلام كان يبغض الكهنة و أفعالهم ، فلما جاء ه الملك و لم يصرح له بعد بأنه نبى أو رسول ؛ لأنه قال له: اقرأ و تلا عليه الآية ، و ليس فى ذلك ما يدلّ علىٰ أنه نبى أو رسول ، خشى عليه السلام إذ ذاك أن يصيبه من الكهانة شىء ؛ لأنها كانت فى زمانه كثيرة ، وهذا منه عليه السلام كثرة مبالغة فى الإجتهاد و تمحيض فى الأفعال ؛ لأنه قد صحّ أن الحجر كان يخاطبه قبل ذلك ، و يشهد له بالرسالة و المدر و الشجر كذلك ، و قد أخبره بعض الرهبان بذلك ؛ لكن بعد هذا كله لما أن أصابه عليه السلام هذا الأمر ، وهو محتمل لوجهين . أحدهما ضعيف و الآخر قوى بتلك الأدلة التى ظهرت له قبل ، لم يترك الوجه المحتمل ، وإن كان ضعيفا حتى تحقق بطلانه بيقين . و به يستدل المتصوفة فى الواقع إذا وقع لهم محتملا لوجهين أو وجوه ، و أحدها يخاف منه و الوجه الآخر من المبشرات أنهم يبحثون على الشىء الذى يخافون منه و إن كان ضعيفا بالنسبة إلى غيره .

يشهد لما قررناه من أن النبى ﷺ كانت خشيته من الكهانة جواب خديجة إليه ، و كيف رفعته إلى ورقة ، فلو كانت خشيته عليه السلام من المرض لما كان جواب خديجة إليه بتلك الألفاظ و لما احتاج أن يبث

خبره عليه السلام لورقة .

(بهجة النفوس ، ص : ١٨ ، ١٩ ، ج : ١ ، دارالجيل : بيروت)

'صحیح بخاری' میں حدیثِ ہرقل کی تخریج کتنے مقامات میں ہوئی ہے؟

☆ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ (۱۹۴-۲۵۶ھ) نے اپنی 'صحیح' میں حدیثِ ہرقل — کہیں مطول تو کہیں مختصر — کتنے مقامات میں تخریج فرمائی ہے؟

(أ) علامہ کرمانی رحمہٗ اللہ (۷۱۷-۷۸۶ھ) نے اجمالاً ذکر کیا ہے کہ دس مقامات میں تخریج فرمائی ہے۔ انھوں نے ان دس مقامات کی تفصیل بیان نہیں کی ہے۔

و قد ذكر البخاري حديث هرقل في كتابه عشرة مواضع ، و الله أعلم .

(شرح الكرماني ، ص : ٦٧ ، ج : ١ ، دارإحياء التراث العربي : بيروت)

(ب) علامہ عینی رحمہٗ اللہ (۷۶۲- ۸۵۵ھ) فرماتے ہیں کہ چودہ مقامات میں تخریج فرمائی ہے، جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

(۱) بدء الوحي

(۲) كتاب الجهاد **میں** إبراهيم بن حمزه عن إبراهيم بن سعد عن

صالح عن الزهری کے طریق سے

(۳) کتاب التفسیر میں إبراهيم بن موسى عن هشام عن معمر عن الزهری کے طریق سے

(۴) کتاب التفسیر ہی میں عبد الله بن محمد عن عبدالرزاق عن معمر عن الزهری کے طریق سے

(۵) کتاب الشهادات میں إبراهيم بن حمزه عن إبراهيم بن سعد عن صالح عن الزهری کے طریق سے

(۶) کتاب الجزية میں يحيى بن بُكير عن الليث عن يونس عن الزهری کے طریق سے

(۷) کتاب الأدب میں أبوبكير عن الليث عن عقيل عن الزهری کے طریق سے

(۸) کتاب الأدب ہی میں محمد بن مقاتل عن عبد الله عن يونس عن الزهری کے طریق سے

(۹) کتاب الإيمان

(۱۰) کتاب العلم

(۱۱) کتاب الأحكام

(۱۲) کتاب المغازی

(۱۳) کتاب خبر الواحد

(۱۴) کتاب الاستئذان

قلت : ذكره في أربعة عشر موضعا ☆ الأول ههنا (أى فى بدء الوحى) كما ترى ☆ الثانى فى الجهاد عن إبراهيم بن حمزة عن إبراهيم بن سعد عن صالح ☆ الثالث فى التفسير عن إبراهيم بن موسى عن هشام ☆ الرابع فيه ايضاً عن عبد اللّٰه بن محمد عن عبد الرزاق قالا حدثنا معمر كلهم عن الزهرى به ☆ الخامس فى الشهادات عن إبراهيم بن حمزة عن إبراهيم بن سعد عن صالح عن الزهرى مختصرا « سألتك هل يزيدون أو ينقصون » ☆ السادس فى الجزية عن يحيى بن بكير عن الليث عن يونس عن الزهرى مختصرا ☆ السابع فى الأدب عن أبى بكير عن الليث عن عقيل عن الزهرى مختصرا ايضاً ☆ الثامن فيه ايضاً عن محمد بن مقاتل عن عبد اللّٰه عن يونس عن الزهرى مختصرا ☆ التاسع فى الإيمان ☆ العاشر فى العلم ☆ الحادى عشر فى الأحكام ☆ الثانى عشر فى المغازى ☆ الثالث عشر فى خبر الواحد ☆ الرابع عشر فى الاستئذان .

(عمدة القارى ، بدء الوحى ، ص : ٨٤ ، ج : ١ ، دار إحياء التراث العربى : بيروت)

بندہ کہتا ہے:

(۱) **علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے پانچویں نمبر پر** کتاب الشهادات **میں حدیثِ مذکور کے الفاظ** « سألتك هل يزيدون أو ينقصون » **نقل کیے ہیں، یہ علامہ عینی رحمہٗ اللہ کا وہم ہے؛ کیوں کہ** كتاب الشهادات **میں حدیثِ مذکور ان الفاظ کے ساتھ نہیں ہے؛ بل کہ اس کے الفاظ یہ ہیں:**

......أن هرقل قال له : سألتك ماذا يأمركم ، فزعمت أنه أمركم

بالصلاة والصدق والعفاف والوفاء بالعهد و أداء الأمانة ، قال: وهذه صفة نبي .

(صحيح بخاري ، كتاب الشهادات ، باب من أمر بإنجاز الوعد ، ص : ٣٦٨ ، ج : ١ ، قديمي : كراچی)

(۲) علامہ عینی رحمہ اللہ نے ساتویں نمبر پر کتاب الأدب کا جو طریق ذکر کیا ہے، اس میں عن أبي بكير کی بجائے عن ابن بكير ہونا چاہیے؛ کیوں کہ یہ راوی أبو زكريا يحيىٰ بن عبد الله بن بكير ہیں، جن کو جد کی طرف نسبت کرتے ہوئے يحيىٰ بن بكير کہا جاتا ہے۔

(۳) یہ ملحوظ رہے کہ علامہ عینی رحمہ اللہ نے کتاب التفسير، باب ﴿قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ﴾ الخ والی روایت کو، جس کی سند میں تحویل ہے، دو حدیث شمار کیا ہے۔

(۴) علامہ عینی رحمہ اللہ نے آٹھویں نمبر پر کتاب الأدب میں دوسری روایت محمد بن مقاتل عن عبد الله عن يونس عن الزهري کے طریق والی شمار کی ہے، حالاں کہ یہ روایت کتاب الأدب میں نہیں؛ بل کہ کتاب الاستئذان میں ہے، جو علامہ عینی رحمہ اللہ کا ذکر کردہ چودھواں نمبر ہے۔

اس طرح ایک عدد کم ہو گیا اور کل تعداد تیرہ ہو گئی۔

(۵) بندہ کو یہ حدیث کتاب العلم اور کتاب المغازي میں نہیں ملی، جن کا ذکر علامہ عینی رحمہ اللہ نے دسویں اور بارہویں نمبر پر کیا ہے۔

اگر یہ حدیث مذکورہ دونوں جگہوں میں واقعتاً نہیں ہے، تو مزید دو عدد کم

ہوجانے سے کل تعداد گیارہ رہ جائے گی۔

(ج) شیخ محمد خضر الجکنی الشنقیطی رحمہٗ اللہ (وفات: ۱۳۵۴ھ) نے وہی چودہ مقامات ذکر کیے ہیں، جو علامہ عینی رحمہٗ اللہ نے ذکر فرمائے ہیں؛ چناں چہ آپ رحمہٗ اللہ 'کوثر المعانی الدراری فی کشف خبایا صحیح البخاری' میں فرماتے ہیں:

أخرج البخاری حدیث هرقل فی أربعة عشر موضعاً، هنا (أی فی بدء الوحی) کما تری، و فی الجهاد عن إبراهیم بن حمزة، و فی التفسیر عن إبراهیم بن موسیٰ، و فیه أیضاً عن عبد اللّٰه بن محمد، و فی الشهادة عن إبراهیم بن حمزة أیضاً مختصراً، و فی الجزیة أیضاً عن یحیی بن بُکَیْر، و فی الأدب عَنْ أبی بُکَیْر، و فیه أیضاً عن محمد بن مُقاتل، و فی الإیمان، و فی العلم، و فی الأحکام، و فی المغازی، و فی خبر الواحد، و فی الاستئذان .

(کوثر المعانی الدراری، بدء الوحی، ص: ۳۷۰، ج: ۱، مؤسسة الرسالة: بیروت)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام پر بندہ نے پانچ نمبروں میں جو بحث کی ہے، ان میں نمبر اول کو چھوڑ کر باقی چار نمبروں کی بحث علاّمہ شنقیطی رحمہٗ اللہ کے کلام میں بھی جاری ہوگی، کہ یہ ملحوظ رہے کہ کتاب التفسیر والی روایت — جس کی سند میں تحویل ہے — کو دو حدیث شمار کیا گیا ہے اور کتاب الأدب میں ایک ہی مقام میں اس حدیث کی تخریج ہوئی ہے، دو مقام میں نہیں اور کتاب العلم اور کتاب المغازی میں بندہ کو یہ روایت نہیں ملی، ان مقامات میں فی الواقع یہ حدیث نہ ہونے کی صورت میں کل تعداد بجائے چودہ کے گیارہ ہوگی۔

(د) علامہ قسطلانی رحمہٗ اللہ نے ’ إرشـــاد الســـاری ‘ میں وہی چودہ مقامات ذکر کیے ہیں، جوعلامہ عینی رحمہٗ اللہ نے ’ عمدة القاری ‘ میں ذکر کیے ہیں:

و أخـرج متـنـه المؤلف هنا (أی فی بدء الوحی) ، و فی الجهاد و التـفسيـر فـی موضعين ، و فی الشهادات و الجزية و الأدب فی موضعين ، و فی الإيمان و العلم و الأحكام و المغازی و خبر الواحد و الاستئذان .

(إرشاد الساری ، ص : ۱۱۹ ، ج : ۱ ، العلمية : بيروت)

(هــــ) نواب صدیق حسن خان قنوجی بھوپالی (وفات : ۱۳۰۷ھ) نے ’عـون البـــاری لـحـلّ أدلة صـحـيـح البخـاری ‘ ص : ۸٦ ، ج : ۱ ، العلمية : بيروت میں علامہ قسطلانی رحمہٗ اللہ کا مذکورہ کلام بلاتعقب وتبصرہ نقل کیا ہے۔

علامہ عینی رحمہٗ اللہ کے کلام پر بندہ نے پانچ نمبروں میں جو بحث کی ہے، ان میں پہلے دونمبروں کو چھوڑ کر باقی تین نمبروں کی بحث علامہ قسطلانی رحمہٗ اللہ کے کلام میں بھی جاری ہوگی۔

(و) شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی نوراللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

’’اس (حدیث ہرقل) کو امام بخاری نے تیرہ جگہ ذکر فرمایا ہے، تین جگہ مفصل اور دس جگہ اختصار کے ساتھ کچھ کچھ ٹکڑے۔‘‘

(تقریر بخاری شریف (اردو)، ص: ۱۰۴، ج: ۱، دارالاشاعت: کراچی)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی نور اللہ مرقدہ

’الأبواب و التراجم ‘ میں فرماتے ہیں:

و ذكر البخارى هذا الحديث مطولا فى ثلاثة مواضع : هاهنا (أى فى بدء الوحى) ، و فى كتاب الجهاد فى « باب دعاء النبى ﷺ إلى الإسلام و النبوة » ، و فى التفسير فى تفسير قوله تعالىٰ :﴿ قُلْ يَاأَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا إِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ ﴾ الآية [آل عمران : ٦٤] ، وذكره فى عشرة مواضع مختصراً ، صفحاته فى المطبوعات الهندية هى : ١٣ و ٣٦٨ و ٣٩٣ و ٤١١ و ٤١٨ و ٤٥٠ و ٨٨٤ و ٩٢٦ و ١٠٦٨ و ١١٢٥ .

” صفحاته فى المطبوعات الهندية “ کے متعلق حاشیہ میں ہے:

انظر أرقامه فى الطبعة الجديدة المرقمة من بيروت : (٥١ ، ٢٦٨١، ٢٨٠٤ ، ٢٩٣٦ ، ٢٩٧٨ ، ٣١٧٤ ، ٥٩٨٠ ، ٦٢٦٠ ، ٧١٩٦ ، ٧٥٤١).

(الأبواب و التراجم ، ص : ٣٠٨ ، ج : ٢ ، دار البشائر الإسلامية : بيروت)

بندہ کہتا ہے:

اس میں حسبِ ذیل چار مقامات شمار سے رہ گئے ہیں:

(١) كتاب الصلاة، باب كيف فرضت الصلاة فى الإسراء، ص: ٥٠

(٢) كتاب الزكاة ، باب وجوب الزكاة ، ص : ١٨٧

(٣) كتاب الجهاد ، باب من استعان بالضعفاء و الصالحين فى الحرب ، ص : ٤٠٥

(٤) كتاب أخبار الآحاد ، باب ما كان النبى ﷺ يبعث من الأمراء

و الرسل واحدا بعد واحد ، ص : ۱۰۷۸

(ز) ' الکنزالمتواری فی معادن لامع الدراری وصحیح البخاری' کے حاشیہ میں ہے:

ذکر البخاری هذا الحدیث (حدیث هرقل) مطولا فی ثلاثة مواضع ، ههنا (فی بدء الوحی) ، و فی «کتاب الجهاد» فی باب دعاء النبی ﷺ إلی الإسلام و النبوة ، وفی «التفسیر» فی تفسیر قوله تعالیٰ : ﴿ قُلْ يَاأَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا إِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ ﴾ الآیة ، و ذکره فی عشرة مواضع مختصراً ، وهی : (۱) فی «کتاب الإیمان» بعد باب سؤال جبریل النبی ﷺ عن الإیمان و الإسلام و الإحسان (۲) فی «کتاب الصلاة» فی باب کیف فرضت الصلاة فی الإسراء (۳) فی «کتاب الشهادات» فی باب من أمر بإنجاز الوعد (٤) فی «کتاب الجهاد» فی باب قول اللّٰه تعالیٰ : ﴿ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُونَ بِنَآ إِلَّآ إِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ﴾ (٥) فی «کتاب الجهاد» فی باب هل یرشد المسلم أهل الکتاب أویعلمهم الکتاب (٦) فی «کتاب الجهاد» فی باب قول النبی ﷺ : نصرت بالرعب مسیرة شهر (۷) فی «کتاب الجهاد» فی باب الوفاء بالعهد (۸) فی «کتاب الآداب» فی باب صلة المرأة أمها و لها زوج (۹) فی «کتاب الاستئذان» فی باب کیف یکتب الکتاب إلی أهل الکتاب (۱۰) فی «کتاب الأحکام» فی باب ترجمة الحکام

(الکنز المتواری ، ص : ٦٩ ، ۷۰ ، ج : ۲ مؤسسة الخلیل الإسلامیة : فیصل آباد)

بندہ کہتا ہے:

اس میں حسبِ ذیل چار مقامات شمار سے رہ گئے ہیں:

(۱) كتاب الزكاة ، باب وجوب الزكاة

(۲) كتاب الجهاد ، باب من استعان بالضعفاء و الصالحين فى الحرب

(۳) كتاب أخبار الآحاد ، باب ما كان النبىﷺ يبعث من الأمراء والرسل واحدا بعد واحد

(٤) كتاب التوحيد ، باب مايجوز من تفسير التوراة و كتب اللّٰه بالعربية و غيرها.

(ح) ' سراج القارى لحلّ صحيح البخارى ' **افادات: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی نور اللہ مرقدہ میں ہے:**

امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث (حدیثِ ہرقل) کو تیرہ (۱۳) جگہ ذکر کیا ہے، جن میں سے تین جگہ مکمل اور پوری ذکر کی ہے اور بقیہ دس جگہ مختصراً ذکر کی ہے۔

حاشیہ میں ان مقامات کے حوالے منقول ہیں:

(۱) بدء الوحى ٤/١ رقم ٧ ، الجهاد ٤١٢/١ رقم ٢٩٤١ ، التفسير ٦٥٣/٢ رقم ٤٥٥٣ (٢) الإيمان ١٣/١ (٥١) ، الشهادات ٣٦٨/١ (٢٦٨١) ، الجهاد ٣٩٣/١ (٢٨٠٤) ، و ٤١١/١(٢٩٣٦) ، و ٤١٢/١(٢٩٤٠) ، و ٤١٨/١(٢٩٧٨) ، الجزية ٤٥٠/١(٣١٧٤) ،

الأدب ۸۸٤/۲(٥٩٨٠)، الإستئذان ۹۲٦/۲(٦٢٦٠)، الأحكام ۱۰٦۸/۲(۷۱۹٦).

’سراج القاری‘ میں آگے فرماتے ہیں:

علامہ عینی رحمہ اللہ نے کتاب التفسیر والی روایت کو، جس کی سند میں تحویل ہے، اس کو دو حدیث شمار کیا ہے، اس طرح ان کے نزدیک اس کی تعداد چودہ ہوجاتی ہے، اس کے علاوہ امام بخاری نے اس حدیث کو مختصر طور پر تعلیقاً بھی دو جگہ ذکر کیا ہے: ۱۔ أخبار الآحاد ۲ / ۱۰۷۸ رقم ۷۲٦٤، ۲۔ التوحيد ۲/ ۱۱۲٥ رقم ۷٥٤۱.

(سراج القاری، ص: ۹۱، ج: ۱، جامعہ قاسمیہ دارالعلوم زکریا: مراد آباد)

بندہ کہتا ہے:

(۱) علامہ عینی رحمہ اللہ کی ذکر کردہ چودہ کی تعداد پر بندہ کا کلام ماقبل میں گزر چکا ہے۔

(۲)’سراج القاری‘ میں تعلیقاً مذکور مزید تین مقامات فروگذاشت ہوگئے ہیں:

۱- كتاب الصلاة، باب كيف فرضت الصلاة فی الإسراء، ص: ٥۰، ج: ۱

۲- كتاب الزكاة، باب وجوب الزكاة، ص: ۱۸۷، ج: ۱

۳- كتاب الجهاد، باب من استعان بالضعفاء و الصالحين فی الحرب، ص: ٤۰٥، ج: ۱

(ط) اس مضمون کی تکمیل کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانی (۷۷۳-۸۵۲ھ) کے استاذ علامہ ابن الملقّن (۷۲۳-۸۰۴ھ) رحمہما اللہ کی ' التوضیح لشرح الجامع الصحیح ' دستیاب ہوئی، اس کے مجوث عنہ مقام کو دیکھنے سے محسوس ہوا ، کہ علامہ عینی رحمۂ اللہ وغیرہ چودہ کی تعداد ذکر کرنے والے شارحین کا بلاواسطہ یا بالواسطہ ماخذ ' التوضیح ' ہی ہے، ' عمدة القاری ' کی جو عبارت ماقبل میں نقل کی گئی، تقریباً وہی عبارت ' التوضیح ' میں ہے؛ البتہ چودہ میں سے ساتویں نمبر پر راوی کا نام ' التوضیح ' میں " ابن بکیر " درست لکھا ہے، جو ' عمدة القاری ' اور ' کوثر المعانی الدراری ' میں کسی وجہ سے " أبو بکیر " لکھا گیا ہے۔ ' التوضیح ' کی مکمل عبارت حسبِ ذیل ہے:

و كرره البخاري في « صحيحه » في مواضع :

أخرجه هنا (أي في بدء الوحي) كما ترى .

و في الجهاد عن إبراهيم بن حمزة ، عن إبراهيم بن سعد عن صالح.

و في التفسير عن إبراهيم بن موسىٰ ، عن هشام . و فيه : عن عبد الله بن محمد ، عن عبد الرزاق قالا : حدّثنا معمر ، كلهم عن الزهري به .

و في الشهادات عن إبراهيم بن حمزة ، عن إبراهيم بن سعد ، عن صالح، عن الزهري مختصراً : سألتك هل يزيدون أو ينقصون ؟

و في الجزية عن يحيىٰ بن بكير، عن الليث، عن يونس، عن الزهري

مختصراً.

وفی الأدب عن ابن بكير ، عن الليث ، عن عقيل ، عن الزهری مختصراً أيضا ، وعن محمد بن مقاتل ، عن عبد اللّٰه ، عن يونس عن الزهری مختصراً .

و أخرجه أيضاً فی الإيمان ، و العلم ، و الأحكام ، و المغازی ، و خبر الواحد ، و الاستئذان . فهذه أربعة عشر موضعاً .

(التوضيح ، ص : ٣٦٩ ، ٣٧٠ ، ج : ٢ ، وزارة الأوقاف و الشئون الإسلامية : قطر)

علامہ عینی رحمہ اللہ کے کلام پر بندہ نے پانچ نمبروں میں جو بحث کی ہے، ان میں نمبر دو کو چھوڑ کر باقی چار نمبروں کی بحث علامہ ابن الملقّن رحمہ اللہ کے کلام میں بھی جاری ہوگی ؛ اس لیے ان کے ہاں بھی کل تعداد بجائے چودہ کے گیارہ ہوگی۔

(ی) 'التوضيح ' کے محقّق حاشیہ میں مزید مقامات کی نشان دہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قلت : فات المصنف بعض المواضع ، إليك بيانها : كتاب الجهاد ، باب: قول اللّٰه تعالىٰ :﴿ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ﴾ ، (٢٩٣٦) كتاب الجهاد، باب هل يرشد المسلم أهل الكتاب أو يعلمهم الكتاب ، (٢٩٧٨) كتاب الجهاد ، باب : قول النبی ﷺ :((نصرت بالرعب مسيرة شهر)) . و رواه معلقا قبل حديث (١٣٩٥) كتاب الزكاة ، باب : وجوب الزكاة ، (٧٥٤١) كتاب التوحيد، باب : مايجوزمن تفسير التوراة وغيرها من

كتب الله بالعربية وغيرها .

(هامش التوضيح ، ص : ٣٧٠ ، ج : ٢)

بندہ کہتا ہے:

' التوضیح ' کے محقق سے دو مقام نظر انداز ہوگئے ہیں:

۱- كتاب الصلاة ، باب : كيف فرضت الصلاة فى الإسراء میں حدیث: ۳۴۹ سے قبل معلّقاً۔

۲- كتاب الجهاد ، باب : من استعان بالضعفاء و الصالحين فى الحرب میں حدیث: ۲۸۹٦ سے قبل معلّقاً۔

(ك) حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی مدظلہم: مفتی ومحدث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی: مراد آباد کی ترقیم میں كتاب التوحيد میں تعلیقاً منقول روایت کو تو شمار کیا گیا ہے؛ لیکن حسبِ ذیل چار مقامات میں تعلیقاً منقول روایت کو شمار نہیں کیا گیا ہے:

١ــ كتاب الصلاة ، باب كيف فرضت الصلاة فى الإسراء

٢ــ كتاب الزكاة ، باب وجوب الزكاة

٣ــ كتاب الجهاد ، باب من استعان بالضعفاء و الصالحين فى الحرب

٤ــ كتاب أخبار الآحاد ، باب ما كان النبى ﷺ يبعث من الأمراء و الرسل واحداً بعد واحد

حدیثِ ہرقل کی تخریج کے مقامات کا ایک جدول پیش کیا جاتا ہے:

نوٹ:

جدول میں صفحہ نمبر اور جلد نمبر کا حوالہ 'صحیح بخاری' مطبوعہ قدیمی کراچی کا دیا گیا ہے۔

نمبر شمار	کتاب	باب	کتنی دفعہ تخریج ہوئی؟	متصلاً یا معلقاً؟	صفحہ نمبر	جلد نمبر
۱		كيف كان بدء الوحى إلى رسول الله ﷺ	۱	متصلاً	٤، ٥	۱
۲	الإيمان	باب بلا ترجمة ، بعد باب سؤال جبريل النبى ﷺ الخ	۱	,,	۱۳	۱
۳	الصلاة	كيف فرضت الصلاة فى الإسراء	۱	معلقاً	٥٠	۱
٤	الزكاة	وجوب الزكاة	۱	معلقاً	۱۸۷	۱
٥	الشهادات	من أمر بإنجاز الوعد	۱	متصلاً	۳٦۸	۱
٦	الجهاد	قول الله عزوجل : قل هل تربصون بنا إلا إحدى الحسنيين	۱	,,	۳۹۳	۱

۷	الجهاد	من استعان بالضعفاء و الصالحين فى الحرب	۱	معلقاً	٤٠٥	۱
۸	,,	هل يرشد المسلم أهل الكتاب أو يعلمهم الكتاب	۱	متصلاً	٤١١	۱
۹	,,	دعاء النبی ﷺ إلى الإسلام و النبوة الخ	۲ حافظ کی تحقیق کے مطابق (فتح الباری ص ۸/۶۳)	متصلاً	٤١٢ ٤١٣	۱
۱۰	,,	قول النبی ﷺ : نصرت بالرعب مسيرة شهر الخ	۱	,,	٤١٨	۱
۱۱	الجزية و الموادعة	فضل الوفاء بالعهد	۱	,,	٤٥٠	۱
۱۲	التفسير	قل يأهل الكتب تعالوا إلى كلمة سواء بيننا و بينكم الخ	۲ (عینی کے شمار کے مطابق)	,,	٦٥٣ ٦٥٤	۲
۱۳	الأدب	صلة المرأة أمها ولها زوج	۱	,,	٨٨٤	۲

١٤	الاستئذان	كيف يكتب إلىٰ أهل الكتاب	١	متصلاً	٩٢٦	٢
١٥	الأحكام	ترجمة الحكام وهل يجوز ترجمان واحد	١	,,	١٠٦٨	٢
١٦	أخبار الآحاد	ما كان النبی ﷺ يبعث من الأمراء و الرسل واحدا بعد واحد	١	معلقاً	١٠٨٧	٢
١٧	التوحيد	ما يجوز من تفسير التوراة و كتب اللّٰه بالعربية و غيرها	١	,,	١١٢٥	٢

یہاں صحابی کے نام میں وہم ہوا ہے

☆ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہٗ اللہ (۷۷۳-۸۵۲ھ) 'فتح الباری' میں فرماتے ہیں:

و التحقيقُ أنَّ أولَ صلاةٍ صلّاها فی بنی سلمةَ لمّا مات بِشْرُ بنُ البراءِ بن مَعْرورٍ الظّهرُ.

(فتح الباری، كتاب الإيمان، باب الصلاة من الإيمان، ص: ١٢٠، ج: ١، دار الريان: القاهرة)

’’تحقیق یہ ہے کہ سب سے پہلی نماز جو (خانۂ کعبہ کی طرف رُخ کرکے) آپ ﷺ نے بنوسلمہ میں، جب حضرت بِشر بن براء بن مَعْرور رضی اللہ عنہما کی وفات ہوئی، ادا فرمائی وہ ظہر کی نماز ہے۔‘‘

بندہ کہتا ہے:

یہاں صحابی کے نام میں حافظ ابن حجر رحمہٗ اللہ کو وہم ہوا ہے؛ کیوں کہ تحویلِ قبلہ سے قبل وفات پانے والے حضرت بِشْر بن براء بن مَعْرُور رضی اللہ عنہما کے والد حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ ہیں، حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہما نہیں ۔ حضرت بِشر بن براء تو تحویلِ قبلہ کے وقت بقید حیات تھے، ان کا وصال فتحِ خیبر کے موقع پر سَلّام بن مِشْکَمْ کی بیوی زینب بنت الحارث کی پیش کردہ بھونی ہوئی زہر آلود بکری کا گوشت کھانے سے ہوا تھا۔ ’فتح الباری‘ میں ہے:

و الذين ماتوا بعد فرض الصلاة و قبل تحويل القبلة من المسلمين عشرة أنفس...... و من الأنصار بالمدينة البراء بن معرور بمهملات وأسعد بن زرارة .

(فتح البارى، كتاب الإيمان، باب الصلاة من الإيمان، ص: ۱۲۱، ج: ۱، دارالريان: القاهرة)

’العجاب فى بيان الأسباب‘ (أسباب نزول القرآن) للحافظ ابن حجر العسقلانى میں ہے:

قال الواحدى:

قال ابن عباس فى رواية الكلبى — يعنى عن أبى صالح عنه —: كان

رجال من أصحاب رسول اللّٰہ ﷺ من المسلمین قد ماتوا علی القبلۃ الأولی، منھم أبو أمامۃ أسعد بن زرارۃ أحد بنی النجار و البراء بن معرور أحد بنی سلمۃ فی أناس آخرین، جاء ت عشائرھم ، فقالوا : یا رسول اللّٰہ ، توفی إخواننا وھم یصلون إلی القبلۃ الأولیٰ، وقد صرفک اللّٰہ إلیٰ قبلۃ إبراھیم ، فکیف بإخواننا ؟ فأنزل اللّٰہ عز وجل ﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ ﴾ .

(العجاب فی بیان الأسباب ، ص : ۹٤ ، العلمیۃ : بیروت)

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (۶۷۳ - ۷۴۸ھ) 'العبر فی خبر من غبر' میں سن ۱ ہجری کے واقعات میں تحریر فرماتے ہیں:

وفیھا توفی البراء بن معرور أحد النقباء و أول من بایع النبی ﷺ لیلۃ العقبۃ .

(العبر فی خبر من غبر ، ص : ٥ ، ج : ۱ ، العلمیۃ : بیروت)

'فتح الباری' میں ہے:

و کان (أی البراء بن معرور رضی اللّٰہ عنہ) قد مات قبل أن یدخل النبی ﷺ المدینۃ بشھر .

(فتح الباری ، کتاب الوصایا ، باب الوصیۃ بالثلث ، ص : ٤۳٥ ، ج : ٥ ، دارالریان : القاھرۃ)

عباراتِ بالا سے معلوم ہوا کہ حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ کا انتقال تحویلِ قبلہ سے پہلے ہوا ہے۔

اب ذیل میں وہ عبارات درج کی جاتی ہیں، جو اس بات پر دلالت کرتی

ہیں کہ حضرت بِشْر بن براء بن مَعْرُ ور رضی اللہ عنہما کی وفات فتحِ خیبر کے موقع پر ہوئی تھی ؛ چناں چہ حافظ ابن حجر رحمہٗ اللہ ' فتح الباری ' میں فرماتے ہیں :

قال ابن إسحق :

لما اطمأن النبی ﷺ بعد فتح خیبر ، أهدت له زینب بنت الحارث امرأة سلام بن مشكم شاة مشوية ، وكانت سألت : أی عضو من الشاة أحب إليه ؟ قيل لها : الذراع ، فأكثرت فيها من السم ، فلما تناول الذراع لاك منها مضغة ولم يسغها ، وأكل معه بشر بن البراء فأساغ لقمته ، فذكر القصة ، وأنه صفح عنها ، وأن بشر بن البراء مات منها .

(فتح الباری ، كتاب المغازی ، باب الشاة التی سمّت للنبی ﷺ بخیبر، ص : ٥٦٨ ، ٥٦٩، ج : ٧ ، دارالریان : القاهرة)

حافظ ابن حجر رحمہٗ اللہ ' الإصابة فی تمییز الصحابة ' میں فرماتے ہیں :

٦٥٤ (**بشر**) بن البراء بن معرور .... و أما بشر فشهد العقبة مع أبيه ، و شهد بدرا و ما بعدها ، ومات بعد خيبر من أكلة أكلها مع النبی صلی اللّٰه علیه و آله وسلم من الشاة التی سمّ فیها ، قاله ابن إسحاق .

(الإصابة ، ص : ١٥٠ ، ج : ١ ، دارالفكر : بيروت)

ملحوظہ :

علامہ شمس الدین برماوی رحمہٗ اللہ (۷۶۳ - ۸۳۱ ھ) نے فتح خیبر کے موقع پر بھونی ہوئی زہر آلود بکری کا گوشت کھانے کی وجہ سے وفات پانے والا بجائے حضرت بِشر کے ان کے والد حضرت براء رضی اللہ عنہما کو قرار دیا ہے ، ملاحظہ ہو :

اللامع الصبیح ، ص : ۲۹۲ ، ج : ۱۱ ، دارالنوادر : سوریة ۔اسی طرح قدیمی کتب خانہ: کراچی ، پاکستان کی مطبوعہ 'صحیح بخاری ' کے حاشیہ میں بھی واقع ہوا ہے، ملاحظہ ہو: صحیح بخاری ، کتاب المغازی ، باب الشاة التی سمت النبی ﷺ بخیبر ، ص : ٦١٠ ، ج : ٢ ، قدیمی : کراچی ، یہ وہم ہے۔

الغرض بحث کی ابتداء میں مذکور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے قول:

و التحقیقُ أن أول صلاةٍ صلّاها فی بنی سلمةَ لمّا مات بِشْرُ بنُ البراءِ بنِ معرورٍ الظّهرُ (فتح الباری ،ص : ١٢٠ ، ج : ١) میں بشر بن براء بن معرور رضی اللہ عنہما کا ذکر وہم ہے۔ یہ وہم دیگر شروح وامالی میں بھی در آیا ہے،بعض میں حافظ ابن حجر رحمہٗ اللہ کے حوالے سے اور بعض میں ان کے حوالے کے بغیر۔ ذیل میں بطور مثال چند شروح وامالی کا ذکر کیا جاتا ہے:

(١) ضیاء الساری فی مسالك أبواب البخاری ، ص : ٤٢٥ ، ج : ١ ، دارالنوادر : سوریة

(٢) کوثر المعانی الدراری فی کشف خبایا صحیح البخاری ، ص : ٢٢٦ ، ج : ٢ ، مؤسسة الرسالة : بیروت

(٣) هامش لامع الدراری علی جامع البخاری ، ص: ٥٨٤ ، ج : ١ ، المکتبة الإمدادیة : مکة المکرمة

(٤) الکنز المتواری فی معادن لامع الدراری و صحیح البخاری ، ص : ٢٠٤ ، ج : ٢ ، مؤسسة الخلیل الإسلامیة : فیصل آباد

(٥) معارف السنن شرح سنن الترمذی ، ص : ٣٦٩ ، ج : ٣ ،

الرشیدیة : کراتشی

(٦) الکوثری شرح ترمذی ، ص : ١٥ ، ج : ٢ ، مکتبه حرم : نئی دهلی

(٧) إیضاح البخاری ، ص : ٣٧٨ ، ج : ١ ، إداره دعوتِ إسلام : کراچی

(٨) سراج القاری لحلّ صحیح البخاری ، ص : ١٩٣ ، ج : ١ ، جامعه قاسمیه دارالعلوم زکریا : مراد آباد

اس موقع پر صاحبِ امداد الباری شرح بخاری کو پیش آنے والے وہم میں بِشر بن براء اور براء بن معرور کے درمیان فرق ہی نظر انداز ہو گیا ہے ، ملاحظہ ہو :
إمداد الباری شرح بخاری، ص : ٦١٩ ، ٦٢٠ ، ج : ٤ ، مکتبه حرم : مرادآباد

اس رات میں سرے سے وضوء کا ذکر ہی نہیں

☆ 'صحیح بخاری' میں ہے :

حدّثنا عبدُ اللّٰهِ بن مَسْلَمَةَ عَنْ مالكٍ عَنْ موسیٰ بنِ عُقْبَةَ عَنْ کُرَیْبٍ مولی ابنِ عبّاسٍ عَنْ أُسامةَ بنِ زیدٍ أنّه سَمِعَهُ یَقُول : دَفَعَ رسولُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ عَرَفَةَ حتّی إذا کانَ بِالشِّعْبِ نَزَلَ فَبالَ ، ثم تَوَضَّأَ و لَمْ یُسْبِغِ الْوُضُوءَ فقلتُ : الصلاةُ یا رسولَ اللّٰهِ قال : الصّلاةُ أَمَامَكَ فَرَکِبَ فلمّا جاءَ المُزْدَلِفَةَ

نَـزَلَ فَتَـوَضَّـأَ فَـأَسْبَغَ الوُضُوءَ ثم أُقِيمَتِ الصلاةُ فصَلّٰى المغربَ ، ثم أَنَاخَ كُلُّ إِنْسانٍ بَعِيْرَهُ فِى مَنْزِلِه ، ثم أُقِيمتِ العِشاءُ فصلّٰى ، و لـم يُصلِّ بَيْنَهما .

(صحيح بخارى ، كتاب الوضوء ، باب إسباغ الوضوء ، ص : ٢٦ ، ٢٧ ، ج : ١ ، قديمى : كراچى)

''.......حضرت کُریب مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انھوں نے حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو فرماتے ہوئے سُنا :

رسول اللہ ﷺ عرفہ سے روانہ ہوئے ، یہاں تک کہ جب ایک گھاٹی میں پہنچے ، تو سواری سے اترے اور پیشاب کیا ، پھر آپ ﷺ نے وضو فرمایا اور وضو میں اسباغ نہیں کیا (یعنی خفیف وضو فرمایا) ، میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ ! نماز کا ارادہ ہے ؟ (یا نماز کا وقت ہو گیا ہے ،) آپ ﷺ نے فرمایا : نماز (یا نماز کی جگہ) تمھارے آگے ہے (یعنی مزدلفہ جا کر نماز پڑھیں گے) ، پھر آپ ﷺ سوار ہو گئے ، جب مزدلفہ میں آئے ، تو سواری سے اترے اور وضو فرمایا ، تو وضو میں اسباغ کیا ، پھر نماز کے لیے اقامت کہی گئی ، تو آپ ﷺ نے مغرب پڑھائی ، پھر ہر شخص نے اپنا اونٹ اس کے ٹھکانے پر بٹھایا ، پھر عشاء کے لیے تکبیر کہی گئی ، پس آپ ﷺ نے (عشاء کی) نماز پڑھائی اور ان دونوں نمازوں کے درمیان آپ ﷺ نے کوئی (نفل) نماز نہیں پڑھی ۔''

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (۷۷۳-۸۵۲ ھ) فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس رات جس پانی سے وضو فرمایا ، وہ زمزم کا پانی تھا ، اس کی تخریج عبد اللہ بن احمد بن حنبل نے زیاداتِ مسند احمد بن حنبل میں اسنادِ حسن سے حضرت علی

بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی حدیث سے کی ہے۔ ' فتح الباری ' میں ہے:

(**فائدة**) : الماء الذی توضأ به ﷺ لیلتئذ کان من ماء زمزم ، أخرجه عبدالله بن أحمد بن حنبل فی زیادات مسند أبیه بإسناد حسن من حدیث علی بن أبی طالب .

(فتح الباری ، کتاب الوضوء ، باب إسباغ الوضوء ، ص : ۲۹۰ ، ج : ۱ ، دارالریان : القاهرة)

بندہ کہتا ہے:

یہ وہم ہے؛ اس لیے کہ محولۂ بالا روایت میں اس رات میں سرے سے وضو کا ذکر ہی نہیں ، چہ جائیکہ ماءِ زمزم سے وضو کا ذکر ہو؛ البتہ اس روایت میں طوافِ افاضہ کے موقع پر ماءِ زمزم سے وضو کا ذکر ہے۔ مکمل روایت حسبِ ذیل ہے:

حدثنا عبد الله ، حدثنی أحمد بن عَبْدَة البصري ، حدثنا المغيرة بن عبدالرحمن بن الحارث المَخْزُومي ، حدثنی أبی عبدُ الرحمٰن بن الحارث ، عن زيد بن علي بن حُسين بن علي ، عن أبيه علي بن حسين ، عن عُبيد اللّٰه بن أبي رافع مولى رسول اللّٰه ﷺ :

عن علي بن أبی طالب رضی اللّٰه عنه : أَن النبی ﷺ وَقَفَ بعَرفة وهو مُرْدِفٌ أُسامةَ بنَ زَيدٍ ، فقال : «هذا الموقِفُ ، و كلُّ عرَفَةَ مَوقِفٌ» ثم دفع يَسيرُ العَنَقَ ، وجعل الناسُ يَضْرِبون يميناً و شمالاً ، وهو يلتفتُ و يقول : «السَّكينَةَ أَيُّها النَّاسُ ، السَّكينَةَ أَيُّها النّاسُ» حتى جاءَ المُزْدَلفةَ ، وجَمَع بين الصلاتين ، ثم وقف بالمُزْدَلِفةِ ، فوقف على قُزَحَ ، وأَرْدَفَ الفَضلَ بنَ عبَّاس ، و قال : «هذا

الـمـوقفُ ، و كـلُّ المُزْدَلِفةِ مَوقفٌ » ثـم دَفَـعَ و جَـعـل يَسيـرُ العَنَق، و الناسُ يَضرِبُونَ يميناً و شمالاً ، وهو يلتفتُ و يقول : « السَّكينةَ ، السَّكينةَ أيُّها الناسُ » حتـى جَـاءَ مُـحَسِّـراً فـقَرَع راحلتَه فخَبَّتْ ، حتى خرج ، ثم عاد لسَيْرِهِ الأولِ ، حتى رَمى الجمرةَ ، ثم جاء المَنْحَر فقال : « هٰذا المَنْحَرُ ، و كلُّ مِنى مَنْحَرٌ » .

ثـم جاءَته امرأَةٌ شابةٌ من خَثْعَمَ ، فقالت : إنّ أَبى شَيخٌ كَبيرٌ، وقد أَفْنَدَ ، وأَدركَتْه فَـريـضةُ الـلّـه فى الحَجِّ ، ولا يستطيعُ أَداءَ ها ، فيُجزِىءُ عنه أَن أُؤدِّيَها عـنهُ ؟ قال رسول اللّٰه ﷺ : « نعم »، و جَـعـل يصرِفُ وجهَ الفَضل بنِ العباس عنها.

ثم أَتاه رَجُلٌ فقال: إِنى رَمَيْتُ الجَمْرَةَ ، وأَفَضْتُ ولَبِستُ ولـم أَحْلِقْ. قال : « فلا حَرَجَ ، فاحْلِقْ » . ثـم أَتاهُ رجل آخرُ ، فقال : إِنى رَمَيتُ و حلقتُ ولَبِستُ ولـم أَنْحَرْ . فقال : « لا حَرَجَ فانْحَرْ » .

ثـم أَفاض رسولُ اللّٰه ﷺ ، فـدعـا بسَجْلٍ من ماءِ زَمزَمَ ، فشَرِبَ منه و توضأ ، ثم قال :« انْزِعُوا يا بَني عبدِ المُطَّلبِ ، فلولا أَن تُغْلَبُوا عليها لَنَزَعْتُ ».

قال العباس : يا رسول اللّٰه ، إِنى رأَيْتُك تَصْرِفُ وجهَ ابنِ أَخِيكَ؟ قال: «إِنى رأَيتُ غُلاماً شاباً ، وجاريةً شابةً ، فخَشِيتُ عَلَيْهِما الشَّيطانَ » .

(مسـنـد الإمـام أحـمـد بـن حـنبل ، مسند على بن أبى طالب رضى اللّٰه عنه ، حديث : ٥٦٤ ، ص : ٨ ، ٩، ج : ٢ ، مؤسسة الرسالة : بيروت)

’ فتـح البـارى ‘ **میں واقع ہونے والا وہم دیگر شروح وکتب میں بھی درآیا ہے، بعض میں** ’ فتح البارى ‘ **کے حوالے سے اور بعض میں اس کے حوالے کے بغیر۔**

ذیل میں بطور مثال چند شروح وکتب کا ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) منحة الباری بشرح صحیح البخاری ، کتاب الوضوء ، باب إسباغ الوضوء ، ص : ٤١٣ ، ج : ١ ، الرشد : الریاض

(٢) إرشاد الساری ، کتاب الوضوء ، باب إسباغ الوضوء ، ص : ٣٤٩ ، ج : ١ ، العلمیة : بیروت

(٣) ضیاء الساری فی مسالك أبواب البخاری ، کتاب الوضوء ، باب إسباغ الوضوء ، ص : ١٠٠ ، ج : ٣ ، دارالنوادر : سوریة

(٤) حاشیة التاودی بن سودة علی صحیح البخاری ، کتاب الوضوء، باب إسباغ الوضوء ، ص : ١٤٩ ، ج : ١ ، العلمیة : بیروت

(٥) فتح المبدی بشرح مختصر الزبیدی ، کتاب الوضوء ، ص : ٢١٥ ، ج : ١ ، العلمیة : بیروت

(٦) عون الباری لحلّ أدلة صحیح البخاری ، کتاب الوضوء ، ص: ٢٥٧ ، ج : ١ ، العلمیة : بیروت

(٧) الفجر الساطع علی الصحیح الجامع ، کتاب الوضوء ، باب إسباغ الوضوء ، ص : ٣٠٣ ، ج : ١ ، الرشد : الریاض

(٨) کوثر المعانی الدراری فی کشف خبایا صحیح البخاری ، کتاب الوضوء ، باب إسباغ الوضوء ، ص : ٢٢٤ ، ٢٢٥ ، ج : ٤ ، مؤسسة الرسالة : بیروت

(٩) أوجز المسالك إلی موطأ مالك ، کتاب الحج ، باب صلاة

المزدلفة ، حديث : ۸۸۹ ، ص : ۲۱۵ ، ج : ۸ ، دارالقلم : دمشق

(۱۰) حجة الوداع و جزء عمرات النبی ﷺ ، ص : ۱۱۰ ، المجلس العلمی : سملك -ڈابھیل

(۱۱) الشرح الميسر لصحيح البخاری المسمی الدرر واللآلی بشرح صحيح البخاری ، كتاب الوضوء ، باب إسباغ الوضوء ، ص : ۲۳۰، ج : ۱ ، المكتبة العصرية : بيروت

یہ عبداللہ بن زید، ابن عبد ربّہ نہیں ؛ بل کہ ابن عاصم المازِنی رضی اللہ عنہما ہیں

☆ 'صحيح بخاری' میں ہے:

.... عَنْ عبدِ اللّٰهِ بنِ أبی بكرِبنِ محمدِ بنِ عمروِ بنِ حَزْمٍ عَنْ عَبَّادِ بنِ تَميمٍ عَنْ عبدِ اللّٰهِ بنِ زيدٍ أنّ النبیَّ ﷺ تَوَضَّأَ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ .

(صحيح بخاری ، كتاب الوضوء ، باب الوضوء مرتين مرتين ، ص : ۲۷ ، ج : ۱ ، قديمی : کراچی)

''.......عبداللہ بن ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم ، عَبّاد بن تَمیم سے اور وہ عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اعضاءِ وضو کو دو دو مرتبہ دھویا۔''

شیخ الاسلام زکریا الانصاری (ولادت : راجح قول کے مطابق ۸۲۶ ،

وفات: ۹۲۶ ھ) ، علامہ قسطلانی (۸۵۱-۹۲۳ ھ) ، شیخ عبد اللہ بن حجازی الشرقاوی (۱۱۵۰- ۱۲۲۷ ھ) ، نواب صدیق حسن خان قنوجی بھوپالی (۱۲۴۸ - ۱۳۰۷ ھ) رحمہم اللہ نے اس حدیث کی سند میں وارد عبداللہ بن زید سے عبد اللہ بن زید بن عبد ربّہ رضی اللہ عنہ کو ، جنھوں نے اذان والا خواب دیکھا تھا ، مراد لیا ہے ؛ چناں چہ 'منحة الباری بشرح صحیح البخاری المسمی بـ تحفة الباری ' میں ہے:

(**عن عبد اللّٰه بن زيد**) أی ابن عبد ربه .

(منحة الباری ، ص : ٤٣٧ ، ج : ١ ، الرشد : الرياض)

' إرشاد الساری ' میں ہے:

(**عن عبد اللّٰه بن زيد**) أی ابن عبد ربّه صاحب رؤيا الأذان رضی اللّٰه عنه.

(إرشاد الساری ، ص : ٣٧٠ ، ج :١ ، العلمية : بيروت)

' فتح المبدی بشرح مختصر الزبيدی' للشرقاوی میں ہے:

(**عن عبد اللّٰه بن زيد**) أی ابن عبد ربه صاحب رؤيا الأذان (**رضی اللّٰه عنه**).

(فتح المبدی ، ص : ٢٢٤ ، ج : ١ ، العلمية : بيروت)

' عون الباری لحلّ أدلة صحيح البخاری ' میں ہے:

(**عن عبد اللّٰه بن زيد**) بن عبد ربه صاحب الأذان .

(عون الباری ، ص : ٢٧٠ ، ج : ١ ، العلمية : بيروت)

بندہ کہتا ہے:

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ (اصح قول کے مطابق ۲۰۹ - ۲۷۹ھ) صاحب رؤیا الاذان: حضرت عبد اللہ بن زید عبد ربہ رضی اللہ عنہ کی اذان والی روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

و عبدُ اللّٰهِ بنُ زيدٍ هُو ابنُ عبدِ رَبّه (و يُقال: ابنُ عبدِ ربٍّ)

وَ لَا نَعْرِفُ لَهٗ عَنِ النبيِّ ﷺ شيئاً يَصِحُّ إلّا هذا الحديثَ الواحدَ فی الأذانِ.

(الكتب الستة، جامع الترمذی، أبواب الصلاة، باب ماجاء فی بدء الأذان، ص: ١٦٥٤، دارالسلام: الرياض)

"عبد اللہ بن زید وہ ابن عبد ربّہ ہیں، یعنی عبداللہ کے دادا کا نام عبد ربّہ ہے (اور ایک قول عبدُ ربٍّ (ہ کے بغیر) کا ہے)۔

اور اذان کے متعلق اس ایک حدیث کے علاوہ ہم ان کی ایسی کوئی روایت نبی ﷺ سے نہیں جانتے، جو ثابت ہو۔"

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کے اعتبار سے جب حضرت عبداللہ بن زید بن عبد ربہ رضی اللہ عنہ سے اذان والی روایت کے علاوہ کوئی اور روایت ثابت نہیں، تو مذکورہ بالا حضرات: شیخ الاسلام زکریا الانصاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا 'صحیح بخاری' کی روایتِ مذکورہ میں "عبداللہ بن زید" سے عبداللہ بن زید بن عبد ربہ کو مراد لینا وہم ہوگا۔ مذکورہ روایت میں علامہ کرمانی، حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ عینی اور امام عبد اللہ بن سالم البصری رحمہم اللہ نے "عبد اللہ بن

زید" سے عبد اللہ بن زید بن عاصم المازنی رضی اللہ عنہ کو مراد لیا ہے؛ چناں چہ علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ (۷۱۷-۷۸۶ھ) فرماتے ہیں:

و ﴿**عبد الله بن زيد**﴾ بن عاصم هو عمّ عباد ، قد تقدم ذكرهما في باب لايتوضأ من الشك حتى يستيقن و هو غير عبد الله بن زيد بن عبد ربه صاحب رؤيا الأذان .

(شرح البخاری للكرمانی ، ص : ۲۰۷ ، ج : ۲ ، دار إحياء التراث العربی : بيروت)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

و عبدالله بن زيد هو ابن عاصم المازنی .

(فتح الباری ، ص : ۳۱۱ ، ج : ۱ ، دارالريان : القاهرة)

علامہ عینی رحمہ اللہ حدیثِ مذکور کے ذیل میں (بيان رجاله) کے تحت اس چھٹے راوی کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

السادس عبد الله بن زيد بن عاصم المازنی و هو عمّ عَبّاد ...... و هو غير عبد الله بن زيد بن عبد ربه صاحب رؤيا الأذان رضی الله عنه .

(عمدة القاری ، ص : ٤ ، ج : ۳ ، دار إحياء التراث العربی : بيروت)

امام عبد اللہ بن سالم البصری رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۴۸ - ۱۱۳۴ھ) فرماتے ہیں:

(**عن عبد الله بن زيد**) أی : ابن عاصم الأنصاری المازنی ، و هو عم عباد بن تميم كما مرّ فی « باب لا يتوضأ من الشك حتى يستيقن »،

وهو غير عبد اللّٰه بن زيد بن عبد ربه صاحب رؤيا الأذان .

(ضياء السارى فى مسالك أبواب البخارى ، ص : ٢١٩ ، ج : ٣ ، دارالنوادر : سورية)

ملحوظہ :

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبد اللہ بن زید بن عبدربہ رضی اللہ عنہ کے متعلق فرماتے ہیں ، کہ کئی حضرات نے ان کے بارے میں مطلقاً یہ کہہ دیا ہے کہ اذان والی روایت کے علاوہ ان کی کوئی اور روایت ہے ہی نہیں، حالاں کہ یہ خطا ہے۔ان کی چھ یا سات روایتیں ہیں ،جن کو میں نے الگ جزء میں جمع کیا ہے۔' الإصابة فى تمييز الصحابة ' لابن حجر میں ہے:

قال الترمذى : لا نعرف له عن النبى ﷺ شيئا يصح إلا هذا الحديث الواحد . وقال ابن عدى : لا نعرف له شيئا يصح غيره ، و أطلق غير واحد أنه ليس له غيره وهو خطأ ، فقد جاء ت عنه عدة أحاديث : ستة أو سبعة ، جمعتها فى جزء مفرد ، و جزم البغوى بأن ما له غيرحديث الأذان .

(الإصابة ، ص : ٣١٢ ، ج : ٢ ، دارالفكر : بيروت)

' تهذيب التهذيب ' لابن حجر میں ہے:

قال الترمذى عن البخارى : لا يعرف له إلا حديث الأذان ......
قلت: وقال ابن عدى : لا نعرف له شيئا يصح عن النبى ﷺ إلا حديث الأذان. انتهى (قال صدقى جميل العطار فى تعليقه على تهذيب التهذيب : لم نجده عند ابن عدى فى « الكامل ») و هذا يؤيد كلام البخارى و هو المعتمد ، وقد وجدت له أحاديث غير الأذان جمعتها فى جزء . و اغتر

الأصبهانی بالأول ، فجزم به ، و تبعه جماعة فوهموا .

(تهذیب التهذیب ، ص : ۳۰۷ ، ج : ٤ ، دارالفکر : بیروت)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ (۶۳۱ - ۶۷۶ھ) ' تهذیب الأسماء و اللغات ' میں فرماتے ہیں:

قال الترمذی : سمعت البخاریّ یقول : لا یعرف لعبد اللّٰه بن زید بن عبد ربه إلا حدیث الأذان .

قلت : قد روینا فی مسند أبی یعلی الموصلی عن محمد بن المثنی عن عبد الوهاب عن عبید اللّٰه بن بشیر بن محمد عن عبد اللّٰه بن زید بن عبد ربه أنه تصدق علی أبویه ثم توفیا فرده إلیه رسول اللّٰه ﷺ میراثا .

و روینا فی تاریخ دِمَشق عن ابنه محمد عن أبیه عبد اللّٰه بن زید حدیثا فی حلق النبی ﷺ رأسه بمنی و قسمة شعره وهو فی طبقات ابن سعد و إسناده جید .

(تهذیب الأسماء و اللغات ، ص : ۲٦۸ ، ۲٦۹ ، ج : ۱ ، العلمیة : بیروت)

" عصر " کی صراحت کہاں ہے؟

' صحیح بخاری ' کتاب مواقیت الصلاة میں ہے:

...... عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ أَخَّرَ الصَّلَاةَ يَوْماً ، فَدَخَلَ عَلَيْهِ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ ، فَأَخْبَرَهُ أَنَّ الْمُغِيْرَةَ بْنَ شُعْبَةَ أَخَّرَ الصَّلَاةَ يَوْماً ، وَ

هُوَ بِالْعِرَاقِ ......

(صحيح بخارى ، كتاب مواقيت الصلاة ، باب مواقيت الصلاة و فضلها الخ ، ص : ۷۵ ، ج : ۱ ، قديمى : كراتشى)

''...... ابن شہاب رحمہٗ اللہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن نماز میں تاخیر کردی ، تو حضرت عروہ بن زبیر رحمہما اللہ ان کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو بتایا کہ ایک دن حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے نماز میں دیر کردی ، دراں حالیکہ وہ عراق میں تھے — عراق کے گورنر تھے — ......''

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے (مدینہ منورہ زادھا اللہ شرفاً کے عہدِ گورنری بزمانۂ اِمارت ولید بن عبد الملک) جس نماز میں تاخیر کردی تھی ، وہ ''عصر'' کی نماز تھی ، اس بات کی صراحت کہاں ہے؟

علامہ ابن بطال مالکی رحمۃ اللہ علیہ (وفات : ۴۴۹ و قیل غیرھا) فرماتے ہیں ، کہ یہ ' صحیح بخاری ' کتاب المغازی میں شعیب عن الزہری کی روایت میں ہے :

و هذه الصلا ة التى أخرها عمر كانت صلاة العصر ، روى ذلك شعيب عن الزهرى فى المغازى من هذا الكتاب .

(شرح صحيح البخارى لابن بطال ، كتاب مواقيت الصلاة و فضلها ، قوله تعالىٰ : ﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴾ ، ص : ۱٤۹ ، ج : ۲ ، الرشد : الرياض)

بندہ کہتا ہے:

یہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ کا وہم ہے؛ اس لیے کہ یہ بات کتاب المغازی کی روایت میں نہیں ہے؛ چناں چہ کتاب المغازی کی روایت یہ ہے:

حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ ، قَالَ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ ، قَالَ : سَمِعْتُ عُرْوَةَ بنَ الزُّبَيْرِ يُحَدِّثُ عُمَرَ بنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ فِيْ إِمَارَتِهٖ : أَخَّرَ الْمُغِيْرَةُ بْنُ شُعْبَةَ الْعَصْرَ وَ هُوَ أَمِيْرُ الْكُوْفَةِ ......

(صحیح بخاری ، کتاب المغازی ، باب بلا ترجمة بعد باب شهود الملائكة بدراً ، ص : ۵۷۱ ، ج : ۲ ، قدیمی : کراتشی)

اس میں تو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے عصر کی نماز کو مؤخر کرنے کا ذکر ہے، حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے کسی نماز کو مؤخر کرنے کا ذکر ہی نہیں ، چہ جائیکہ ’’عصر‘‘ کی صراحت ہو۔ ہاں! کتاب بدء الخلق میں لیث عن الزہری کی روایت میں اس کی صراحت ہے، جوحسبِ ذیل ہے:

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ عُمَرَبْنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ أَخَّرَ الْعَصْرَ شَيْئاً ، فَقَالَ لَهُ عُرْوَةُ : أَمَا إِنَّ جِبْرَئِيْلَ قَدْ نَزَلَ فَصَلّٰى أَمَامَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ عُمَرُ : اعْلَمْ مَا تَقُوْلُ يَا عُرْوَةُ ، قَالَ : سَمِعْتُ بَشِيْرَ بْنَ أَبِي مَسْعُوْدٍ يَقُوْلُ : سَمِعْتُ أَبَا مَسْعُوْدٍ يَقُوْلُ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ : نَزَلَ جَبْرَئِيْلُ فَأَمَّنِيْ فَصَلَّيْتُ مَعَهُ ، ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهُ ، ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهُ ، ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهُ ، ثُمَّ صَلَّيْتُ مَعَهُ يَحْسُبُ بِأَصَابِعِهٖ خَمْسَ صَلَوَاتٍ .

(صحیح بخاری ، کتاب بدء الخلق ، باب ذکر الملائکة ، ص : ۴۵۷ ، ج : ۱ ، قدیمی : کراچی)

یہاں وہم ہو گیا ہے

حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ اوران کے ساتھیوں کو واپسی کے وقت رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِىْ أُصَلِّىْ .

(صحيح بخارى ، كتاب الأذان ، باب الأذان للمسافر إذا كانوا جماعة ، و الإقامة الخ ، ص : ۸۸ ، ج : ۱ ، قديمى : كراتشى)

”تم اسی طرح نماز پڑھنا، جیسے مجھے پڑھتے دیکھا ہے۔“

اس جملہ کو حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (۷۷۳-۸۵۲ھ) نے 'التلخيص الحبير في تخريج أحاديث الرافعي الكبير' میں ایک مقام پر ”متفق علیہ“ قرار دیا ہے؛ چناں چہ 'التلخيص الحبير' میں ہے:

حديث : «صلّوا كما رأيتموني أصلّي » متفق عليه من حديث مالك بن الحويرث .

(التلخيص الحبير ، ص : ۲٤٦ ، ۲٤٧ ، ج : ۲ ، مؤسسة قرطبة : القاهرة)

بندہ کہتا ہے:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کو یہاں وہم ہو گیا ہے؛ اس لیے کہ « صلّوا كما رأيتموني أصلّي » صرف 'صحيح بخارى' میں ہے، 'صحيح مسلم' میں نہیں ۔ البتہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے دوسرے مقام میں اس کی تخریج کی نسبت بخاری ہی کی طرف کی ہے؛ چناں چہ 'التلخيص الحبير' میں ہے:

و حديث : «صلّوا كما رأيتمونى أصلّى» رواه البخارى من حديث مالك بن الحويرث .

(التلخيص الحبير ، ص : ۹ ، ج : ۲ ، مؤسسة قرطبة : القاهرة)

عہدِ نبوت میں سورج گہن اور دو وہم کا ذکر

عہدِ نبوت میں سورج گہن کتنی بار ہوا؟

☆ عہدِ نبوت میں سورج گہن مُتعدِّد بار ہوئے یا صرف ایک مرتبہ ہوا ؟ اس میں دوقول ہیں :

قولِ اوّل: علماء کی ایک جماعت، جن میں اسحٰق بن راھویہ، ابن جریر طبری اور ابن المنذر رحمہم اللہ ہیں، کہتی ہے ، کہ عہدِ نبوت میں سورج گہن مُتعدِّد بار ہوئے ہیں۔ ’ فلکیاتِ جدیدہ‘ میں ماخذ کے ذکر کے بغیر ماخوذ ایک جدول دیا گیا ہے، جس میں ۲۳ سالہ عہدِ نبوت کے ۱۹ سورج گہنوں کا وقوع کی تاریخوں کے ساتھ ذکر ہے۔

ملاحظہ ہو: فلکیاتِ جدیدہ،ص: ۲۴۴، ۲۴۵ ، ادارۃ التصنیف والادب : لاہور

بندہ کہتا ہے :

’ فلکیاتِ جدیدہ‘ میں جو جدول دیا گیا ہے ، وہ قاضی عبد الرحمٰن صاحب کا تیار کردہ ہے ، جسے حضرت مولانا قاضی محمد سلیمان سلمان صاحب منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ’ رحمۃ للعالمین ﷺ ‘ ص : ۱۰۷ ، ۱۰۸ ، ج :۲ ، دارالاشاعت : کراچی

میں نقل فرمایا ہے ؛ اس لیے 'فلکیاتِ جدیدہ' میں مذکور جدول کا ماخذ غالبًا ' رحمۃ للعالمین ﷺ' ہوگا۔

سورج گہن کی نماز کی کیفیت کے سلسلے میں وارد مختلف و متعارض روایات کے درمیان جمع کے لیے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کو قوی قرار دیا ہے، جیسا کہ 'صحیح مسلم بشرح النووی' ص : ۱۷۷، ج : ٦ ، العلمیة : بیروت میں ہے۔

قولِ ثانی : علماء کی دوسری جماعت کہتی ہے، کہ ۲۳ سالہ عہدِ نبوت میں سورج گہن ایک ہی مرتبہ ہوا ہے، جب رسول اللہ ﷺ کے صاحب زادے حضرت ابراھیم رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا۔ علومِ ریاضی کے ماہر محمود پاشا مصری کی تحقیق یہی ہے۔

اِس قول کے اعتبار سے سورج گہن کی نماز کی کیفیت کے سلسلے میں وارد متعارض روایات ایک ہی واقعہ سے متعلق ہیں ۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان ' فتح الباری ' ص : ٦١٢، ج : ٢ ، دارالریان : القاهرة میں اسی طرف ہے اور محدث العصر علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۹۲-۱۳۵۲ھ) نے ' فیض الباری علی صحیح البخاری' ص: ۳۸۱ ، ج : ۲ (المجلس العلمی : ڈابھیل) اور ' العرف الشذی شرح سنن الترمذی ' ص : ٦٠٦ ، ج : ١ (العلمیة : بیروت) میں اسی کو اختیار فرمایا ہے۔

قولِ ثانی پر تاریخِ وقوع کیا ہے؟

☆ قولِ ثانی : سورج گہن ایک ہی مرتبہ ہوا، پر اس کی تاریخ وقوع کیا ہے؟

(۱) فنِ ریاضی کی مایۂ ناز شخصیت محمود پاشا مصری ــ جنھوں نے اسلام سے قبل عرب کی تقویم وجنتری سے متعلق فرانسیسی زبان میں ایک رسالہ لکھا ہے، جس کو احمد ذکی پاشا نے ' نتائج الأفهام في تقويم العرب قبل الإسلام ' کے نام سے عربی جامہ پہنایا ہے ــ کی تحقیق کے مطابق مدینہ منورہ میں سورج گہن ۲۹ شوال ۱۰ ھ مطابق ۲۷ جنوری ۶۳۲ ء پیر کے دن ہوا۔

' مقالات الكوثري ص : ٤٠٦ (ايچ ايم سعيد : كراتشي) '، ' فتح الملهم' ص : ٦١٣، ٦١٤، ج : ٥ (مكتبة دارالعلوم : كراتشي) اور ' معارف السنن ' ص: ٥ ، ج : ٥ (المكتبة الرشيدية : كراتشي) میں محمود پاشا کی یہی تحقیق مذکور ہے۔

(۲) 'العرف الشذي شرح سنن الترمذي' ص : ٦٠٦، ٦٠٧، ج : ١ (العلمية : بيروت) اور ' أنوار الباري شرح صحيح البخاري ' ص : ٣٢٨، ج: ١٦ (إدارۂ تاليفاتِ اشرفيه : ملتان) میں ۹ ھ مذکور ہے۔

بندہ کہتا ہے:

۹ ھ ذکر کرنے میں وہم واقع ہوا ہے؛ کیوں کہ ' العرف الشذي ' اور ' أنوار الباري ' دونوں ہی میں محمود پاشا فلکی مصری کی تحقیق کا حوالہ دیا گیا ہے، حالاں کہ ان کی تحقیق ۹ ھ نہیں؛ بل کہ ۱۰ ھ ہے۔

(۳) احمد آباد شہر (صوبہ : گجرات، انڈیا) کے ایک ہندو پروفیسر کے حساب کی رُو سے اس کی تاریخ ۲۹ شوال ۱۰ ھ مطابق ۲۸ جنوری ۶۳۲ ء منگل ہے۔

(فلکیاتِ جدیدہ، ص: ۲۴۳)

حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی رحمۃ اللہ علیہ (وفات: ۱۴۱۹ھ):
سابق شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ، لاہور فرماتے ہیں:
’’ہمارے خیال میں مذکورہ بالا بیان میں یہ اشکال ہے، کہ ۲۷ جنوری ۶۳۲ء کو اتوار کا دن تھا؛ سوموار کا نہیں (جیسا کہ فلکی محمود پاشا مصری نے لکھا ہے)۔
اسی طرح ۲۸ جنوری ۶۳۲ء کو سوموار کا دن ہونا چاہیے؛ منگل نہیں (جیسا کہ ہندو پروفیسر نے لکھا ہے)۔
نیز جنوری میں سخت سردی پڑتی ہے اور صحیح روایاتِ ابی داود و مسلم میں ہے: کہ یہ آفتاب گہن سخت گرمی کے موسم میں واقع ہوا تھا، صلاۃِ کُسُوف پڑھتے ہوئے بعض لوگ شدّتِ گرمی کے باعث بیہوش ہو کر گر پڑے، ہوش میں لانے اور گرمی دفع کرنے کی خاطر ان پر پانی ڈالا گیا۔‘‘

(فلکیاتِ جدیدہ، ص: ۲۴۳، ۲۴۴)

(۴) حضرت مولانا محمد موسیٰ روحانی بازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
’’ہمارے خیال میں اس کُسوف کی تاریخِ وقوع سوموار ۳۰ محرم ۱۱ھ مطابق ۲۸ اپریل ۶۳۲ء ہے۔ مدینہ منورہ میں عرضِ بلد کی کمی کی وجہ سے اپریل ہمارے (اہلِ ملتان و پنجاب کے) جون یا مئی سے کم گرم نہیں ہوتا۔
(۵) یا اس کی تاریخ وقوع اس سے قبل جمعرات (خمیس) ۲۹ ربیع الاول ۱۰ھ مطابق ۶ جون ۶۳۱ء ہے۔
اس بیان کی تائید میں بعض وہ روایات پیش کی جاسکتی ہیں، جن میں حضرت ابراھیم رضی اللہ عنہ کی وفات ربیع الاول میں بتائی گئی ہے۔‘‘

(فلکیاتِ جدیدہ، ص: ۲۴۴)

سورج گہن کا وقت کون سا تھا؟

محمود پاشا فلکی مصری کی تحقیق کے مطابق عہدِ نبوت میں ہونے والا واحد سورج گہن صبح ساڑھے آٹھ بجے ہوا تھا۔ ’العرف الشذی‘ میں ہے:

وقال (أی محمود باشا الفرنساوی): إن الكسوف فی عهده عليه الصلاة والسلام واحد، وانكسف وقت ثمانية ساعات ونصف ساعة علىٰ حساب عرض المدينة.

(العرف الشذی، أبواب الصلاة، باب ما جاء فی صلاة الكسوف، ص: ٦٠٦،٦٠٧، ج: ١، العلمية: بيروت)

’فتح الملهم‘ میں ہے:

.......أن الشمس كسفت فی المدينة المنورة فی يوم الاثنين ٢٩ شوال سنة ١٠، الموافق ليوم ٢٧ يناير سنة ٦٣٢ ميلادية فی الساعة ٨، والدقيقة ٣٠ صباحاً.

(فتح الملهم، كتاب الكسوف، ص: ٦١٤، ج: ٥، مكتبة دارالعلوم كراتشی)

حضرت مولانا احمد رضا صاحب بجنوری نور اللہ مرقدہ (۱۹۰۷ء-۱۴۱۸ھ) ’أنوار الباری شرح صحيح البخاری‘ میں تحریر فرماتے ہیں:

حضرت (علامہ انور) شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

’’حضور ﷺ کی زندگی میں صرف ایک بار سورج گرہن ہوا تھا، جو حسبِ تحقیق مشہور ماہر ریاضی محمود شاہ فرنساوی ۹ھ میں ساڑھے آٹھ گھنٹے تک رہا تھا۔‘‘

(أنوار الباری، ص: ٣٢٨، ج: ١٦، إدارۂ تاليفاتِ اشرفيه: ملتان)

بندہ کہتا ہے:

’أنـــوار البـــاری‘ میں وہم ہوگیا ہے، ’’ساڑھے آٹھ بجے ہوا تھا‘‘ کی بجائے ’’ساڑھے آٹھ گھنٹے تک رہا تھا‘‘ ذکر کر دیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اس مضمون کی تکمیل کے بعد ’نتـائـج الأفهـام فـی تـقـویـم العرب قبل الإســلام‘ دستیاب ہوئی، مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ اس کی متعلقہ عبارت ذیل میں درج کر دی جائے:

و قـد تتبعـت حساباً دقیقاً، فاتضح لی منه أن الشمس کسفت فی المدینة المنورة فی الساعة ۸ و الدقیقة ۳۰ بعد نصف اللیل من یوم ۲۷ ینایر سنة ٦۳۲ م

و بنـاءً علی ذلك یکون الیوم التاسع والعشرون من شوال من السنة العـاشـرة للهجرة موافقاً للیوم السابع والعشرین من ینایر سنة ٦۳۲ م، فهذه مسئلة فلکیة قد توصلنا إلی تحقیقها، فاجعلها علیٰ بال منك.

(نتـائـج الأفهـام فـی تـقـویم العرب قبل الإسلام، المبحث الأول فی تحدید یوم موت إبـراهیـم بـن الـنبـی عـلیـه الصلاة والسلام بکسوف شمسی، ص: ۹، ۱۰، دار إحیاء التراث العربی: بیروت)

ابومروان الغسّانی کی صحیح بخاری میں کتنی حدیثیں ہیں؟

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (۷۷۳-۸۵۳ھ) ابومروان یحییٰ بن

ابی زکریا الغسانی الواسطی کے ترجمہ میں فرماتے ہیں۔

ماله فی البخاری سوی موضع واحد متابعة .

(تقریب التهذیب ، ص : ٦٥٨ ، ج : ٢ ، دارالفکر : بیروت)

''ان کی 'صحیح بخاری ' میں ایک جگہ متابعتاً حدیث کے علاوہ کوئی حدیث نہیں ہے۔''

بعینہ یہ کلام 'قرة العین فی تلخیص تراجم رجال الصحیحین ' ص : ٤٩٥ ، مؤسسة الریان : بیروت میں منقول ہے۔

'تهذیب التهذیب ' میں ہے:

له فی صحیح البخاری حدیث واحد عن هشام بن عروة عن أبیه عن عائشة — رضی اللّٰه عنها — متابعة .

(تهذیب التهذیب ، ص : ٢٣٠ ، ج : ٩ ، دارالفکر : بیروت)

''ان کی 'صحیح بخاری ' میں هشام بن عروه عن ابیه عن عائشة — رضی الله عنها — کے طریق سے ایک متابعتاً حدیث ہی ہے۔''

بندہ کہتا ہے:

ابومروان الغسانی کی 'صحیح بخاری ' میں ایک ہی حدیث ہونے کا قول وہم ہے۔ خود حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے 'فتح الباری ' میں دوسری حدیث کا وجود تسلیم کیا ہے؛ چناں چہ فتح الباری ، کتاب الهبة ، باب من أهدی إلی صاحبه و تحری بعض نسائه دون بعض میں ابومروان الغسانی کی متابعتاً حدیث کے ذیل میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

و قد تقدمت لأبی مروان هذا روایة موصولة فی کتاب الحج .

(فتح الباری ، کتاب الهبة ، باب من أهدی إلی صاحبه و تحری بعض نسائه دون بعض ، ص : ۲٤۷ ، ج : ٥ ، دارالریان ، القاهرة)

’’اس ابومروان کی موصول روایت کتاب الحج میں گزر چکی ہے۔‘‘

درحقیقت ابومروان یحییٰ بن ابی زکریا الغسانی کی ’صحیح بخاری‘ **میں نہ صرف ایک حدیث ہے اور نہ ہی دو ؛ بل کہ ان کی حدیثیں پانچ سے کم تو ہرگز نہیں، جس کی تفصیل حسب ذیل ہے :**

(۱) **حدّثنا** إِسماعیلُ قال حدَّثَنی سُلیمانُ عن هِشامٍ **ح** قال و حَدَّثَنی محمدُ بنُ حرب قال حدَّثَنا أَبُو مَروانَ یَحییٰ بنُ أَبی زَکریَّاءَ عن هِشامٍ عن عُروةَ عن عائشةَ قالتْ ((إِنْ کانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَیَتَعَذَّرُ فی مَرَضِهِ : أینَ أَنا الیومَ ، أَینَ أنا غداً ؟ استبطاءً لیومِ عائشةَ . فلمّا کانَ یَومی قَبَضَهُ اللّٰهُ بینَ سَحْری و نَحْری ، و دُفِنَ فی بیْتی)) .

(صحیح بخاری ، کتاب الجنائز ، باب ما جاء فی قبر النبی ﷺ و أبی بکر و عمر رضی اللّٰه عنهما ، ص : ۱۸٦ ، ج: ۱ ، قدیمی : کراچی)

(۲) **حدّثنا** عبدُ اللّٰهِ بنُ یوسفَ قال أَخبرَنا مالكٌ عن محمدِ بنِ عبدِ الرحمٰنِ عن عُروةَ عن زینبَ عن أُمِّ سلمةَ رضیَ اللّٰهُ عنها قالت : ((شَکوتُ إلیٰ رسولِ اللّٰهِ ﷺ)) **ح** قال و حدّثنی محمدُ بنُ حربٍ قال حدَّثَنا أبومَروانَ یحییٰ بنُ أبی زکریَّاءَ الغَسَّانیُّ عن هِشام عن عُروةَ عن أُمِّ سلمةَ رضی اللّٰهُ عنها زوجِ النبیِّ ﷺ ((أَنَّ رسولَ اللّٰهِ ﷺ قال وهوَ بمکة و أرادَ الخروجَ ـــ

ولم تكنْ أُمُّ سلمةَ طافتْ بالبيتِ و أرادتِ الخروجَ ــ فقال لها رسولُ اللّٰهِ ﷺ ((إِذا أُقيمَت الصلاةُ للصبح (صلاة الصبحِ) فطُوفى على بعيرِكِ و الناسُ يُصلونَ ، ففعلتُ ذٰلكَ ولم تُصلِّ حتىٰ خرَجَت)).

(صحيح بخارى ، كتاب الحج ، باب من صلّى ركعتى الطواف خارجاً من المسجد ، ص : ۲۲۰ ، ج : ۱ ، قديمى : كراچى)

(۳) وَ قَالَ أبُومَرْوانَ الغسانى عَنْ هِشامٍ عَنْ عُرْوَةَ ((كَانَ النَّاسُ يَتَحرَّونَ بهدَاياهُم يَوْمَ عَائِشَةَ)). وعن هشام عن رجل من قريش و رجل من الموالى عن الزهرى عن محمد بن عبد الرحمن بن الحارث بن هشام ((قالت عائشةُ : كنت عند النَّبىِّ فاستأَذنت فاطمة)) .

(صحيح بخارى ، كتاب الهبة ، باب من أهدى إلى صاحبه و تحرى بعض نسائه دون بعض ، ص : ۳۵۱ ، ج : ۱ ، قديمى : كراچى)

(٤) **حدَّثنا** فروةُ بن أبى المغراء قال حدثنا على بن مسهرٍ عن هشام عن أبيهِ ((عن عائشةَ هُزمَ المشركون يومَ أُحُدٍ ......)) **ح** و حدّثنى محمدُ بن حربٍ قال حدثّنا أبو مروان يحيىٰ بن أبى زكريا الواسطىُّ عن هشام عن عروة ((عن عائشة رضى اللّٰه عنها قالت : صَرَخَ إبليسُ يَومَ أُحدٍ فى الناس : يا عبادَ اللّٰه أخراكم ، فرجعَت أولاهم على أخراهم حتى قتلوا اليمان، فقالَ حذَيفة : أبى أبى ، فقتلوه ، فقال حذيفة : غفرَ اللّٰه لكم . قال : وقد كان انهزَمَ منهم قومٌ حتى لحقوا بالطائف)).

(صحيح بخارى ، كتاب الديات ، باب العفو فى الخطأ بعد الموت ، ص : ۱۰۱۷ ،

ج: ۲، قدیمی : کراچی)

(۵) وقال أبو أسامة عن هشام ح و حدَّثنی محمد بن حرب قال حدثنا یحیی بن أبی زکریا الغسانی عن هشام بن عروة عن أبیه «عن عائشة أن رسول اللّٰه ﷺ خطب الناس فحمد اللّٰه و أثنی علیه وقال : ما تشیرون علیَّ فی قومٍ یسبون أهلی ما علمت علیهم من سوء قط » وعن عروة قال : « لما أخبرت عائشة بالأمر قالت : یا رسول اللّٰه أتأذن لی أن أنطلق الی أهلی ؟ فأذن لها فأرسل معها الغلام . و قال رجل من الأنصار : سبحانك ما یکون لنا أن نتکلم بهذا ، سبحانك هذا بهتان عظیم .

(صحیح بخاری ، کتاب الاعتصام بالکتاب و السنة ، باب قول اللّٰه تعالیٰ ﴿ وَأَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ﴾ ﴿ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ﴾ الخ ، ص : ۱۰۹۶ ، ج : ۲ ، قدیمی : کراچی)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا نام 'صحیح بخاری' میں کتنے مقامات میں ہے؟

' فیض الباری علی صحیح البخاری ' من أمالی الفقیه المحدث الاستاذ الکبیر إمام العصر الشیخ محمد أنور الکشمیری قدس اللّٰه سره **میں** ہے:

وَ لَمْ یُسَمِّ أحمدَ إلّا فِی مَوْضِعَیْنِ .

(فیض الباری ، کتاب الزکاة ، باب فی الرکاز الخمس ، ص : ٥٤ ، ج : ٣ ، المجلس

العلمی : ڈابھیل)

'' اور — مصنف رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں — امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا دو ہی مقامات میں نام لیا ہے۔''

بندہ کہتا ہے:

' فیض الباری علی صحیح البخاری ' **میں مذکور یہ بات کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ (۱۹۴-۲۵۶ھ) نے اپنی کتاب**: الجامع المسند الصحیح المختصر من أمور رسول اللہ ﷺ وسننہ وأیامہ ، **میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا نام دو ہی مقامات میں لیا ہے، وہم پر مبنی ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی کل دو روایتیں اپنی ' صحیح ' میں تخریج فرمائی ہیں، ان میں سے ایک مرفوع ہے ، جو بواسطہ ہے اور دوسری موقوف ہے ، جو بلا واسطہ ہے ؛ چناں چہ مرفوع روایت بواسطہ احمد بن الحسن الترمذی حسبِ ذیل ہے:**

(۱) **حَدَّثَنِیْ** أحمدُ بنُ الحسنِ قال : حدّثَنا أحمدُ بنُ محمدِ بنِ حنبلِ بنِ هِلالٍ قال : حدّثَنا مُعْتَمِرُ بنُ سُلیمانَ ، عَنْ کَهْمَسٍ ، عَنِ ابنِ بُرَیْدَةَ، عن أبیهِ قال : غَزَا معَ رسولِ اللّٰهِ ﷺ سِتَّ عَشرةَ غَزوةً .

(صحیح بخاری ، کتاب المغازی ، باب کم غزا النبی ﷺ ، ص : ٦٤٢ ، ج : ٢ ، قدیمی : کراچی)

اور موقوف بلا واسطہ روایت یہ ہے:

(۲) **وَقال لَنَا** أحمدُبنُ حَنبلٍ: حدّثَنا یحییَ بنُ سعیدٍ عَنْ سفیانَ قال : حدّثَنی حَبیبٌ عَنْ سَعیدٍ ، عَنِ ابنِ عباسٍ — رضی اللّٰه عنهما — حَرُمَ

مِنَ النَّسَبِ سَبْعٌ ، و مِنَ الصِّهْرِ سبعٌ ثُمَّ قَرأَ ﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ ﴾ الآيةَ .

(صحيح بخاری ، كتاب النكاح ، باب ما يحل من النساء و ما يحرم الخ ، ص : ٧٦٥ ، ج : ٢ ، قديمی : كراچی)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ دو مقامات کے علاوہ مزید دو جگہوں میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا نام ذکر فرمایا ہے :

(١) قال أبو عبدِ اللّٰهِ : قال عَلِيُّ بنُ عبدِ اللّٰهِ (المدينی) : سَأَلَنی أحمدُ بنُ حنبلٍ عن هذا الحديثِ قال : و إنّما أردتُ أن النبیَّ ﷺ كان أعلَى مِن الناسِ ، فلا بأسَ أن يكونَ الإمامُ أعلى مِنَ الناسِ بهذا الحديث قال : فقلتُ : فإن سفيانَ بنَ عُيَيْنَةَ كان يُسْأَلُ عن هذا كثيراً ، فلَمْ تَسْمَعْهُ مِنْهُ ؟ قال : لَا .

(صحيح بخاری ، كتاب الصلاة ، باب الصلاة فی السطوح و المنبر و الخشب ، ص : ٥٥، ج : ١ ، قديمی : كراچی)

(٢) قال أبو عبدِ اللّٰه : وقال أحمدُ بنُ حنبلٍ : إن نَقَص رمضانُ تَمَّ ذُوالحجة ، وإن نقص ذُوالحجة تَمَّ رمضانُ .

(صحيح بخاری ، كتاب الصوم ، باب شهرا عيد لا ينقصان ، ص : ٢٥٦، ج : ١ ، قديمی : كراچی)

مذکورہ بالا کل چار مقامات کے علاوہ تین جگہیں اور ہیں ، جہاں ’’احمد‘‘ نام آیا ہے ۔ بعض حضرات نے اس سے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو مراد لیا ہے ؛ لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کو اس میں تأمل ہے ۔ وہ تین مقامات حسبِ ذیل ہیں :

(۱) **حدّثَنا** حَفْصُ بنُ عُمَرَ حدّثنا هَمّامٌ ، عَنْ قتادةَ ، عَنْ أبی الخليلِ ، عَنْ عبدِ اللّٰهِ بنِ الحارث ، عَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزامٍ ، عَنِ النبیّ ﷺ قال : البَيّعانِ بِالْخِيارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقا . وزاد أحمدُ حدّثَنا بَهْزٌ قال : قال هَمّامٌ : فذكرتُ ذلكَ لأبی التَّيّاحِ فقال : كنتُ مَعَ أبی الخليلِ لَمَّا حدّثهُ عبدُ اللّٰهِ بنُ الحارثِ هذا الحديثَ .

(صحیح بخاری ، کتاب البیوع ، باب کم یجوز الخیار ، ص : ۲۸۳، ج : ۱ ، قدیمی: کراچی)

ابو المعالی احمد بن یحیٰی بن ھبۃ اللہ بن البیع فرماتے ہیں، کہ اس روایت میں مذکور ''احمد'' سے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ مراد ہیں۔علامہ بدرالدین زرکشی رحمۃ اللہ علیہ (۷۴۵-۷۹۴ھ) نے اسی کو اختیار کیا ہے اور علامہ کرمانی (۷۱۷-۷۸۶ھ) اور علامہ بدر الدین الدمامینی (۷۶۳ وقیل :۷۶۴-۸۲۷ وقیل :۸۳۱ھ وقیل غیرہما) رحمہما اللہ کا میلان اسی قول کی طرف ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ، ص: ۲۳۸ ، ج : ۱۴ ، وزارۃ الأوقاف :قطر ، عمدۃ القاری ، ص : ۲۲۷ ، ج : ۱۱ ، دار إحیاء التراث العربی : بیروت ، التنقیح لألفاظ الجامع الصحیح ، ص : ۳۳۵ ، ج : ۲ ، مکتبۃ نزار مصطفی الباز : مکۃ المکرمۃ، شرح البخاری للکرمانی ، ص : ۶ ، ۷ ، ج : ۱۰ ، دار إحیاء التراث العربی : بیروت ، مصابیح الجامع ، ص : ۴۲ ، ج : ۵ ، دار النوادر : سوریۃ)

لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (۷۷۳-۸۵۲ھ) فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کو (عن بَهْزٍ) 'مسند احمد بن حنبل ' میں نہیں پایا۔

حافظ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں یہاں ''احمد'' سے مراد ابوجعفر احمد بن سعید الدارِمی ہیں۔ ابوعوانہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ' صحیح ' میں اس حدیث کو ابوجعفر الدارِمی — جن کا نام احمد بن سعید ہے — عن بَہْزٍ کے طریق سے موصولاً نقل کیا ہے۔

(ھدی الساری مقدمة فتح الباری ، ص : ۵۳۵ ، ۵۳٦ ، ج : ۱ ، دار طیبة : الریاض ، فتح الباری بشرح صحیح البخاری ، ص : ۵٦۳ ، ج : ۵ ، دارطیبة : الریاض ، تغلیق التعلیق علی صحیح البخاری ، ص : ۲۲۷ ، ج : ۳ ، المکتب الإسلامی : بیروت)

(۲) **حدّثَنا** أبو الرَّبیعِ سُلیمانُ بنُ داوٗدَ و أَفْهَمَنِی بعضَهُ أحمدُ حدّثَنا فُلیحُ بنُ سَلیمانَ عَنِ ابنِ شهاب الزهریِّ ، عَنْ عروةَ بنِ الزُّبیرِ و سعیدِ بنِ المسیّبِ و علقمةَ بنِ وقّاص اللیثیّ و عُبیدِ اللّٰهِ بنِ عبدِ اللّٰهِ بنِ عُتبةَ ، عَنْ عائشةَ رضی اللّٰه عنها زوجِ النبیِّ ﷺ حِیْنَ قال لها أهلُ الإفكِ ما قالُوا ، فَبَرَّأَهَا اللّٰهُ مِنْهُ ....

(صحیح بخاری ، کتاب الشهادات ، باب تعدیل النساء بعضهن بعضا ، ص : ۳٦۳، ج : ۱ ، قدیمی : کراچی)

اس روایت میں مذکور ''احمد'' سے کون مراد ہے؟ اس سلسلے میں مختلف اقوال ہیں:

ابن خلفون نے ' المعلم بأسماء شیوخ البخاری و مسلم ' میں ذکر کیا ہے کہ شاید یہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (۶۷۳-۷۴۸ھ) نے ' طبقات القراء ' میں لکھا ہے کہ احمد بن النضر النیسابوری مراد ہیں۔

علامہ کرمانی اور ان کے اتباع میں علامہ شمس الدین البِر ماوی (۷۶۳-۸۳۱ھ) رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ بعض نسخوں میں احمد بن یونس — یعنی احمد بن عبداللہ بن یونس الیربوعی جو شیخ الاسلام سے معروف ہیں — واقع ہوا ہے۔ دمیاطی کے ہاں احمد بن یونس واقع ہوا ہے۔ خلَف واسطی اپنے 'الأطـراف' میں اسی کے قائل ہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (۸۴۹-۹۱۱ھ) فرماتے ہیں:

"و أفهـمـنـی بـعـضَـه أحمد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا کلام ہے۔ اس صورت میں کہا گیا ہے کہ یہ "ابن حنبل" ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ "ابن النضر النیسابوری" ہیں اور و أفهمنی بعضَه أحمد اگر سلیمان بن داؤد کا کلام ہے، تو پھر یہ "ابن یونس" ہیں۔"

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ، ص : ٥٦٣ ، ٥٦٤ ، ج : ١٦ ، شرح البخاری للکرمانی ، ص : ١٨٠ ، ج : ١١ ، اللامع الصبیح بشرح الجامع الصحیح ، ص : ١٩٢، ج : ٨ ، دارالنوادر : سوریة ، هدی الساری ، ص : ٥٤١ ، ج : ١ ، فتح الباری ، ص : ٥٣٢ ، ٥٣٣ ، ج : ٦ ، عمدة القاری ، ص : ٢٢٧ ، ج : ١٣ ، إرشاد الساری لشرح صحیح البخاری ، ص : ١٠٧ ، ج : ٦ ، العلمیة : بیروت ، التوشیح علی الجامع الصحیح ، ص : ١٨٠ ، ج : ٣ ، العلمیة : بیروت)

(٣) **حدّثنا** محـمـدُ بنُ عبدِ اللّٰهِ الأنصاریُّ قال : حدّثنی أَبی ، عَنْ ثُمامَةَ ، عَنْ أنسٍ — رضی اللّٰه عنه — أنّ أبا بکرٍ — رضی اللّٰه عنه — لمّا استُخْلِفَ کَتَبَ لهُ ، و کان نقشُ الخاتمِ ثلثةَ أَسْطُرٍ : محمدٌ سَطْرٌ ، و رسولٌ سطرٌ ، و اللّٰهُ

سطرٌ . قال أبو عبدِ اللّٰهِ : و زادنی أحمدُ قال : حدثنا الأنصاریُّ قال : حدثنی أبِی ، عن ثُمامةَ ، عَن أنسٍ — رضی اللّٰه عنه — قال : كان خاتمُ النبیّ ﷺ فی یدِهٖ ، و فی یدِ أبی بكرٍ بَعْدَهُ ، و فی یدِ عُمَرَ بعدَ أبی بكرٍ ، فلمّا كان عثمانُ — رضی اللّٰه عنهم — جَلَسَ علیٰ بِئْرِ أَرِیْسَ ، فَأَخْرَجَ الخاتمَ ، فجعل یَعْبَثُ بِهِ فَسَقَطَ . قال : فَاخْتَلَفْنا ثلثةَ أیامٍ مَعَ عُثمانَ ، فَنَزَحَ الْبِئرَ فَلَمْ یجدْهُ .

(صحیح بخاری ، کتاب اللباس ، باب هل یجعل نقش الخاتم ثلثة أسطر ، ص : ۸۷۳، ج : ۲ ، قدیمی : کراچی)

حافظ مزّی رحمہٗ اللہ ' الأطراف ' میں فرماتے ہیں کہ اس روایت میں مذکور ''احمد'' سے مراد امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ہیں ۔ علامہ کرمانی اور علامہ برماوی رحمہما اللہ اسی کے قائل ہیں ۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اکثر نسخوں میں بغیر نسبت کے '' وزادنا أحمد '' واقع ہوا ہے ۔ ' الجمع بین الصحیحین ' للحمیدی میں '' و زادنا أحمد — یعنی ابن حنبل '' واقع ہوا ہے ۔ ہوسکتا ہے ، جزماً ابن حنبل مراد لینے والوں کے پیش رو حمیدی ہی ہوں ۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لیکن میں نے اس حدیث کو اس طریق سے ' مسند احمد ' میں بالکل نہیں پایا ؛ لہذا یہاں ''احمد'' سے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو مراد لینے میں نظر ہے ۔

(تحفة الأشراف بمعرفة الأطراف ، ص : ۲۸۵ ، ج : ۵ ، المکتب الإسلامی : بیروت ،

شرح البخاری للکرمانی ، ص : ١٠٥ ، ج : ٢١ ، اللامع الصبیح بشرح الجامع الصحیح ، ص : ٤٧١ ، ج : ١٤ ، هدی الساری ، ص : ٥٤٠ ، ٥٤١ ، ج : ١ ، فتح الباری ، ص : ٣٧٥ ، ج : ١٣ ، النکت الظراف علی الأطراف مع تحفة الأشراف ، ص: ٢٨٦ ، ٢٨٧ ، ج : ٥)

الغرض امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا نام ’ صحیح بخاری ‘ میں صرف دو مقامات میں مذکور ہونے کا قول وہم پر مبنی ہے ۔ بندہ کے ناقص خیال میں محدث العصر علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ (١٢٩٢ -١٣٥٢ ھ) نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی دو روایتوں کے ’ صحیح بخاری ‘ میں مذکور ہونے کو بیان فرمایا ہوگا؛ لیکن ضابط سے ضبط میں تسامح ہوگیا ہوگا اور ان کا نام دو مقام میں ہونے کو نقل کردیا ہوگا ۔ واللّٰہ سبحانه وتعالیٰ أعلم بحقیقة الحال .

مذکورہ بالا تفصیل سے علامہ بدر الدین زرکشی رحمۃ اللہ علیہ کا وہم بھی واضح ہوگیا ۔ موصوف نے صحیح بخاری ، کتاب البیوع ، باب کم یجوز الخیار ، ص : ٢٨٣ ، ج : ١ کی روایت کے ذیل میں ذکر فرمایا ہے ، کہ یہ ان دو مقامات میں سے ایک ہے ، جن میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر فرمایا ہے :

(**و زاد أحمد**) هو أحمد بن حنبل ، و هذا أحد الموضعین الذی ذکره البخاری فیهما .

(التنقیح لألفاظ الجامع الصحیح ، ص : ٣٣٥ ، ج : ٢ ، مکتبة نزار مصطفی الباز : مکة المکرمة)

اگر علامہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ کی مراد مطلق نام ذکر کرنا ہے، تو اس کا وہم ہونا ظاہر ہے؛ اس لیے کہ ما قبل میں تصریح گزر چکی، کہ کل چار مقامات میں تو بلاشبہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا نام آیا ہے اور بقیہ تین جگہوں میں سے "کتاب البیوع" میں خود علامہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ نے ''احمد'' سے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو مراد لیا ہے، تو کم از کم پانچ مقامات تو ہو گئے، جن میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر ہوا اور اگر علامہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ کی مراد — جیسا کہ ظاہر ہے — یہ ہو، کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی روایت دو جگہوں میں ذکر فرمائی ہے، ان میں سے ایک جگہ یہ کتاب البیوع والی ہے، تب بھی ان کا قول وہم پر مبنی ہوگا؛ اس لیے کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی روایتیں دو نہیں؛ بل کہ تین ہوں گی: (۱) کتاب المغازی میں (۲) کتاب النکاح میں اور (۳) علامہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے اعتبار سے کتاب البیوع میں۔ اِلّا یہ کہ یہ تاویل کی جائے، کہ علامہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ کی مراد یہ ہے، کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی 'صحیح' میں جن دو جگہوں میں ان سے مرفوع روایات ذکر فرمائی ہیں، ان میں سے ایک جگہ یہ کتاب البیوع والی ہے۔ یا یہ تاویل کی جائے کہ دو جگہوں میں ان کی روایتیں مستقلاً ذکر فرمائی ہیں، ان میں سے ایک جگہ یہ کتاب البیوع والی ہے۔ دو جگہوں کے علاوہ میں ان کی روایت استشہاداً ذکر فرمائی ہے۔

یہاں یہ ملحوظ رہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کسی طرح یہ تسلیم نہیں کرتے، کہ کتاب البیوع کی روایت میں مذکور ''احمد'' سے مراد امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ وہ تنقیح الزرکشی پر اپنے حواشی میں فرماتے ہیں، کہ

یہاں "احمد" سے مراد احمد بن سعید ہیں اور جن دو جگہوں کے متعلق علماء نے کہا ہے، کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے روایتیں نقل کی ہے، کتاب البیوع والی ان دو جگہوں میں سے ایک نہیں ہے؛ بل کہ ان میں سے ایک "کتاب المغازی" کے آخر میں اور دوسری "کتاب النکاح" میں ہے۔ کتاب المغازی میں جو روایت ہے، اس میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: حدّثنا أحمد بن الحسن حدثنا أحمد بن حنبل اور کتاب النکاح والی روایت میں فرمایا ہے: قال لنا أحمد بن حنبل .

قوله : [(و زاد أحمد) هو أحمد بن حنبل ، و هذا أحد الموضعين الذى ذكره البخارى فيهما] . ليس كما قال ؛ بل أحمد هذا هو أحمد بن سعيد كما بينته فى تغليق التعليق ، و الموضعين اللذين قالوا : إن البخارى روى فيهما عن أحمد ليس هذا أحدهما ؛ بل أحدهما فى آخر المغازى ، و الآخر فى النكاح ، قال فى الذى فى المغازى : حدثنا أحمد بن الحسن ثنا أحمد بن حنبل ، وقال فى الذى فى النكاح : قال لنا أحمد بن حنبل .

(حواشى الحافظ ابن حجر العسقلانى على تنقيح الزركشى مع كشف المشكل لابن الجوزى على صحيح البخارى ، كتاب البيوع ، باب كم يجوز الخيار ، ص : ٩٩ ، ج : ٣ ، دارالكتب العلمية : بيروت)

واللّٰه تعالىٰ أعلم

یحییٰ بن مَعین کا نام 'صحیح بخاری' میں کتنے مقامات میں ہے؟

' فیض الباری علی صحیح البخاری ' من أمالی الفقیه المحدث الاستاذ الکبیر إمام العصر الشیخ محمد أنور الکشمیری قدس اللّٰه سره میں ہے:

و (لم يُسَمِّ) ابن مَعين (إلّا) في موضع .

(فیض الباری ، کتاب الزکاة ، باب فی الرکاز الخمس ، ص : ٥٤ ، ج : ٣ ، المجلس العلمی : ڈابھیل)

'' اور — مصنف رحمہٗ اللہ نے اپنی کتاب میں — یحییٰ بن مَعین رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ہی مقام میں نام لیا ہے۔''

بندہ کہتا ہے:

' فیض الباری ' میں مذکور یہ بات کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ (۱۹۴- ۲٥٦ھ) نے اپنی کتاب میں یحییٰ بن مَعِین رحمۃ اللہ علیہ کا نام ایک ہی مقام میں لیا ہے، وہم پر مبنی ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن مَعین رحمۃ اللہ علیہ کی کل تین روایات اپنی ' صحیح ' میں ذکر فرمائی ہیں، جن میں سے ایک روایت کتاب المناقب میں بلا واسطہ ہے اور دوسری کتاب المناقب ہی میں عبد اللہ بن حماد الآملی کے واسطے سے اور تیسری کتاب التفسیر میں عبد اللہ بن محمد المسندی کے واسطے سے ہے:

(١) — **حدّثنا** يَحْيىٰ بنُ مَعينٍ و صدقة قالا أَخبَرَنَا مُحمدُ بنُ جَعْفَرٍ

عَنْ شعبَةَ عَنْ واقدِ بنِ محمدٍ عن أبيهِ عَنِ ابنِ عُمَرَ رَضِىَ الله عَنهُما قالَ ((قالَ أَبوبَكْرٍ : ارْقُبوا مُحمداً ﷺ فى أَهلِ بَيْتِهِ))

(صحيح بخارى ، كتاب المناقب ، باب مناقب الحسن و الحسين ، ص : ٥٣٠ ، ج : ١ ، قديمى : كراچى)

(٢) — **حدّثنى** عبدُ اللّٰه بن حمّادٍ الآملى قال حدَّثنى يحيىٰ بن مَعينٍ قال حدّثنا إِسماعيلُ بن مجالدٍ عن بيانٍ عن وبَرةَ عن همامِ بن الحارثِ قال : قال عمارُ بن ياسرٍ : رأيت رسولَ اللّٰه ﷺ و ما مَعه إِلا خمسةُ أعبُدٍ و امرأَتانِ و أبو بكر .

(صحيح بخارى ، كتاب المناقب ، باب إسلام أبى بكر الصديق ، ص : ٥٤٤ ، ج : ١، قديمى : كراچى)

(٣) — **حدّثنى** عبدُ اللّٰه بن محمد قال حدَّثنى يحيى بن معين قال حدَّثنا حجاج قال ابنُ جُريجٍ قال ابنُ أبى مُلَيكةَ و كان بينهما شئٌ ، فغدَوْت على ابن عبّاس فقلتُ : أتريدُ أن تُقاتلَ ابنَ الزُّبير فتُحِلَّ ما حَرَّمَ اللّٰه ؟ فقال : مَعاذَ اللّٰه . إنّ اللّٰه كتبَ ابنَ الزُّبير و بنى أمية محلِّين ، و إنى و اللّٰه لا أحله أبداً . قال : قال الناسُ بايعْ لابنِ الزُّبير ، فقلت : و أينَ بهذا الأمرِ عنه ، أما أبوه فحوارِىُّ النبىِّ ﷺ — يريد الزُّبيرَ — و أما جَدُّهُ فصاحِبُ الغار — يريدُ أبابكر — و أما أمهُ فذاتُ النطاق ، يُريدُ أسماء . و أما خالته فأمُّ المؤمنين يريد عائشة . و أما عمتهُ فزوج النبىِّ ﷺ — يريدُ خديجة — و أما عمة النبىِّ ﷺ فجدته — يريد صفية — ثم عفيف فى الإسلام قارئٌ

للقرآن. و اللّٰه إن وَصَلونى و صَلُونى من قريب ، و إن ربّونى ربّنى أكفاءٌ كرام . فآثر على التّوَيتات و الأسامات و الحميدات يُريدُ أبطُناً من بنى أسَد : بنى تُوَيت و بنى أُسامة و بنى حميد . إنَّ ابنَ أبى العاص برزَ يمشى القُدَمية ، يعنى عبدَ الملك بن مروان . و إنه لوَّى ذَنَبَه ، يعنى ابن الزُّبير .

(صحيح بخارى ، كتاب التفسير ، سورة براءة ، باب قوله : ﴿ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ﴾ ، ص : ٦٧٢ ، ج : ٢ ، قديمى : كراچى)

اس سے ثابت ہوا کہ یحیٰی بن مَعِین رحمۃ اللہ علیہ کا نام صحیح بخاری میں ایک ہی مقام میں ہونے کا قول وہم ہے ، الّا یہ کہ یہ تاویل کی جائے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بلا واسطہ روایت میں یحیٰی بن مَعِین رحمۃ اللہ علیہ کا نام ایک ہی جگہ لیا ہے۔

" السِّلْعَة " کو 'فتح الباری' کے حوالے سے بفتح السّین ضبط کرنا وہم ہے

☆ 'صحيح بخارى ' **میں ہے:**

حَدَّثَنَا يحيىٰ بنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يونسَ عن ابنِ شهابٍ قال ابنُ المسيّب : إنّ أبا هريرة قال : سمعتُ رسولَ اللّٰه ﷺ يقول : الحَلِفُ مَنْفَقَةٌ للسِّلْعَةِ مَمْحَقَةٌ لِّلْبَرَكةِ .

(صحيح بخارى ، كتاب البيوع ، باب ﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ﴾ الخ ، ص :

۲۸۰ ، ج : ۱ ، قديمی : کراچی)

......’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سُنا ، کہ (جھوٹی) قسم سامان کو بہت زیادہ رائج کرنے والی اور فروخت کرنے والی ہے؛ (لیکن) برکت کو بہت زیادہ مٹانے والی ہے۔‘‘

ہندو پاک کے مطبوعہ کئی نسخوں میں ما بین السطور " السلعة " کی سین کا ضبط " ف " کے رمز کے ساتھ ' فتح الباری ' کے حوالے سے لکھا ہے:

بفتح السين المتاع ۱۲ ف

(حوالہ مذکورہ بالا)

’’" السلعة " سین کے فتحہ کے ساتھ متاع یعنی سامان کے معنی میں ہے۔‘‘

بندہ کہتا ہے:

" السلعة " کو ' فتح الباری ' کے حوالے سے بفتح السّين ضبط کرنا وہم ہے؛ اس لیے کہ ' فتح الباری ' میں بفتح السين ضبط نہیں کیا ہے؛ بل کہ بکسر السّین ضبط کیا ہے؛ چناں چہ ' فتح الباری ' میں ہے:

و السلعة بكسر السين المتاع .

(فتح الباری ، ص : ٥٤٤ ، ج : ٥ ، دار طيبة : الرياض)

علامہ ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ کے دو وہم

☆ علامہ مجد الدین ابن الاثیر الجزری رحمۃ اللہ علیہ (۵۴۴-۶۰۶ ھ) ' جامع

الأصول من أحاديث الرسول ﷺ ' میں ' صحیح بخاری ' کے حوالے سے حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما کا اثر نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

٣٣٢ (خ ــــ **عبد اللّٰه بن أبی أوفی رضی اللّٰه عنه**) قال :

((الناجشُ آكلُ الربا خائنٌ، وهو خِداعٌ باطلٌ ، لا يحلُّ)) .

ذكره البخاری تعليقاً .

(جامع الأصول من أحاديث الرسول ﷺ ، حرف الباء ، الكتاب الثانی فی البيع ، الباب الثالث فيما لا يجوز فعله فی البيع، الفصل الأول فی الخداع ، الفرع الثالث فی النجش، ص : ٤٢٥ ، ج : ١ ، دار إحياء التراث العربی : بيروت)

'' حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

ناجش یعنی بغیر ارادۂ خریداری دوسرے کو پھنسانے کے لیے سامان کا بڑھا چڑھا کر دام لگانے والا سود خور اور خائن ہے ۔ یہ خداع ہے، باطل ہے، ایسا کرنا جائز نہیں ہے ۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس اثر کو تعلیقاً ذکر فرمایا ہے ۔''

بندہ کہتا ہے:

علامہ ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ کو یہاں دو وہم ہو گئے :

(۱) پہلا وہم یہ ہے، کہ انھوں نے وھو خداع باطل ، لا یحلّ کو حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما کا کلام سمجھ کر ان کے اثر کا جزء بنا دیا ؛ حالاں کہ یہ حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما کے کلام کا تتمہ نہیں ہے ، ان کا کلام تو خائنٌ پر مکمل ہو گیا ہے، آگے وھو خداعٌ باطلٌ ، لا یحلّ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

(۱۹۴-۲۵۶ھ) کا کلام ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی (۷۷۳-۸۵۲ھ)، علامہ عینی (۷۶۲-۸۵۵ھ)، شیخ الاسلام زکریا الانصاری (راجح قول کے مطابق ۸۲۶-۹۲۶ھ)، علامہ قسطلانی (۸۵۱-۹۲۳ھ)، امام عبد اللہ بن سالم البصری المکی (۱۰۴۸-۱۱۳۴ھ)، علامہ محمد تاودی مالکی (۱۱۱۱-۱۲۰۹ھ) اور علامہ محمد الفضیل بن الفاطمی الزرھونی (وفات: ۱۳۱۸ھ) رحمہم اللہ نے ذکر فرمایا ہے؛ چناں چہ 'فتح الباری' میں ہے:

قوله: ﴿**وهو خداع باطل لا يحلّ**﴾ هو من تفقه المصنف، و ليس من تتمة كلام ابن أبي أوفى .

(فتح الباری، کتاب البیوع، باب النجش ومن قال: لا یجوز ذلك البيع، ص: ٦٠٩، ج: ٥، دار طيبة: الرياض)

'عمدة القاری' میں ہے:

﴿**و هو خداع باطل لا يحلّ**﴾ هذا من كلام البخاری .

(عمدة القاری، ص: ٢٦٣، ج: ١١، دار إحياء التراث العربی: بيروت)

'منحة الباری بشرح صحيح البخاری' میں ہے:

﴿**و هو خداع باطل لا يحلّ**﴾ من كلام البخاری .

(منحة الباری، ص: ٥٦١، ج: ٤، مكتبة الرشد: الرياض)

'إرشاد الساری لشرح صحيح البخاری' میں ہے:

قال المؤلف: ﴿**و هو خداع**﴾...... ﴿**باطل**﴾...... ﴿**لا يحل**﴾ فعله. وهذا قاله المؤلف تفقهاً، وليس من كلام عبد اللّٰه بن أبی

أوفى .

(إرشاد السارى ، ص : ١٠٨ ، ج : ٥ ، العلمية : بيروت)

' ضياء السارى فى مسالك أبواب البخارى ' **میں ہے:**

﴿**و هو خداع باطل لا يحل**﴾ ليس هذا من تتمة كلام ابن أبى أوفى ؛ بل هو من تفقه المصنف .

(ضياء السارى ، ص : ٤٣٧ ، ج : ١٦ ، دار النوادر : سورية)

' حاشية التاودى بن سودة على صحيح البخارى ' **میں ہے:**

﴿**و هو خداع باطل لا يحل**﴾ هذا من كلام المصنف ، لا من كلام ابن أبى أوفى .

(حاشية التاودى بن سودة على صحيح البخارى ، ص : ٤٠٢ ، ج : ٢ ، العلمية : بيروت)

' الفجر الساطع على الصحيح الجامع ' **میں ہے:**

﴿ **و هو خداع** ﴾: هذا من قول المصنف .

(الفجر الساطع ، ص : ٣٦ ، ج : ٦ ، الرشد : الرياض)

(۲) دوسرا وہم یہ ہے، کہ ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما کے مذکورہ بالا اثر :الناجشُ آكلُ الربوا خائنٌ" **کے متعلق ذکر کیا، کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو تعلیقاً ذکر فرمایا ہے۔ بلا شبہ یہ اثر** ' صحيح بخارى ' ، كتاب البيوع ، باب النجش ، ص : ٢٨٧ ، ج : ١ ، قديمى : كراچى **میں تعلیقاً مذکور ہے؛ لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو** ' صحيح بخارى ' ،

کتاب الشہادات ، باب قول اللّٰہ تعالیٰ : ﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ﴾. میں موصولاً نقل کیا ہے۔ ’صحیح بخاری‘، کتاب الشہادات میں ہے:

حَدَّثَنَا إسحاقُ أَخْبَرَنَا يزيدُ بنُ هارونَ أَخْبَرَنَا العَوّامُ حدّثَنِيْ إبراهيمُ أبو اسماعيلَ السَّكْسَكِيُّ سَمِعَ عبدَ اللّٰهِ بنَ أبی أوفی — رضی اللّٰه عنهما — يقول : أقَامَ رجلٌ بِسِلْعَةٍ (سِلْعَتَهُ) فَحَلَفَ بِاللّٰهِ لقد أعْطیٰ بها مالم يُعْطِ فَنَزَلَتْ: ﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ﴾. وقال ابنُ أبی أوفی : الناجشُ آكلُ الربوا خائنٌ .

(صحیح بخاری ، کتاب الشہادات ، باب قول اللّٰہ تعالیٰ :﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ﴾، ص : ۳٦۷ ، ۳٦۸ ، ج : ۱ ، قدیمی : کراچی)

حدیث مذکور کے تحت حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وقوله : ﴿ قال ابن أبی أوفی : الناجش آكل رباً خائن ﴾ هو موصول بالإسناد المذكور إليه .

(فتح الباری ، کتاب الشہادات ، باب قول اللّٰہ تعالیٰ : ﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ﴾، ص : ۵۵۵ ، ج : ٦ ، دار طیبة : الریاض)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

﴿ و قال ابن أبی أوفی : الناجش آكل رباً خائن ﴾ هو موصول بالإسناد المذكور إليه.

(عمدة القاری ، ص : ۲۵۵ ، ج : ۱۳ ، دار إحياء التراث العربی : بيروت)

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

﴿ و قال ﴾ ...... ﴿ ابن أبی أوفی ﴾ عبد اللّٰہ بالسند السابق .

(ارشاد الساری ، ص : ١٣٤ ، ج : ٦ ، العلمیة : بیروت)

یہ زیادتی 'صحیح بخاری' میں ہے

☆ 'صحیح بخاری' کتاب الشرکة میں ہے:

عَنْ زُهْرَةَ بنِ مَعبدٍ عنْ جَدِّہِ عبدِ اللّٰہِ بنِ هِشامٍ و کَانَ قَدْ أَدْرَكَ النبیَّ ﷺ و ذَهبتْ بِهِ أُمُّهُ زینبُ بنتُ حُمیدٍ إلیٰ رسول اللّٰہ ﷺ فقالت : یا رسولَ اللّٰہ بَایِعْهُ ، فَقال : هو صغیرٌ ، فَمَسَحَ رأسَهُ وَ دَعَا لَهُ .

(صحیح بخاری ، کتاب الشرکة ، باب الشرکة فی الطعام وغیرہ ، ص : ٣٤٠ ، ج: ١، قدیمی)

" زُہرہ بن معبد اپنے دادا حضرت عبد اللہ بن ھشام رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں ، انھوں نے نبیٔ کریم ﷺ کو پایا ہے ، ان کی والدہ زینب بنت حُمید رضی اللہ عنہا ان کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گئیں اور عرض کیا : یا رسول اللہ ! اسے بیعت کر لیجیے ، آپ ﷺ نے فرمایا : یہ چھوٹا ہے ، پس آپ نے ان (عبد اللہ بن ھشام رضی اللہ عنہ) کے سر پر دستِ مبارک پھیرا اور ان کے لیے دعا کی ۔"

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہٗ اللہ (۷۷۳-۸۵۲ ھ) حدیثِ مذکور کے تحت بطور تنبیہ تحریر فرماتے ہیں:

وقع فی روایة الإسماعیلی «وکان — یعنی عبد اللّٰه بن هشام — یضحّی بالشاة الواحدة عن جمیع أهله » فعزا بعض المتأخرین هذه الزیادة للبخاری فأخطأ .

(فتح الباری ، ص : ۱۶۲ ، ج : ۵ ، دار الریان : القاهرة)

’’اسماعیلی کی روایت میں واقع ہوا ہے: وکان — یعنی عبد اللّٰه بن هشام— یضحّی با لشاة الواحدة عن جمیع أهله (اورآپ — یعنی عبداللہ بن ھشام رضی اللہ عنہ — اپنے تمام گھر والوں کی طرف سے ایک بکری کی قربانی کرتے تھے) بعض متأخرین نے اِس زیادتی کو بخاری کی طرف منسوب کیا ،انھوں نے غلطی کی۔‘‘

بندہ کہتا ہے:

حافظ الدنیا حافظ ابن حجر رحمہٗ اللہ کو استحضار نہیں رہا اور یہ زیادتی اسماعیلی کے حوالے سے نقل کرکے بعض المتأخرین کا تخطیہ فرما دیا، ورنہ واقعتاً یہ زیادتی ’صحیح بخاری‘ میں ہے؛ چناں چہ ’صحیح بخاری‘ کتاب الأحکام میں ہے:

......عَنْ جَدِّهِ عبدِاللّٰهِ بنِ هِشامٍ وَ کَانَ قَدْ أَدْرَکَ النبیَّ ﷺ وَ ذَهَبتْ بِهِ أُمُّه زینبُ بنتُ حُمیدٍ إلیٰ رسولِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَتْ : یا رسولَ اللّٰه بَایِعْهُ ، فَقَالَ النبیُّ ﷺ : هو صغیرٌ ، فَمَسَحَ رأسَه و دعا له ، وکان یضحّی بِالشّاةِ الواحِدةِ عَنْ جَمیعِ أهلِهِ .

(صحیح بخاری ، کتاب الأحکام ، باب بیعةِ الصغیر ، ص : ۱۰۷۰، ج : ۲ ،

قديمى)

دونوں امور حدیث الباب میں ہیں

☆ ’صحیح بخاری‘ کتاب الهبة میں ہے:

باب القليل مِن الهبةِ :

حدثَنا محمدُ بنُ بشّارٍ حدثنا ابنُ أبی عدیٍّ عن شعبةَ عن سليمانَ عن أبی حازم عن أبی هريرة رضی الله عنه عن النبی ﷺ قال : لو دُعِيتُ إلىٰ ذِراعٍ أو كُراعٍ لَأَجَبتُ ، ولو أُهدِیَ إلیَّ ذِراعٌ أو كُراعٌ لَقَبِلتُ .

(صحيح بخاری، كتاب الهبة، باب القليل مِن الهبة، ص: ۳۴۹، ج : ۱، قديمی : كراچی)

’’......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں ؛ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر مجھے جانور کے دست یا پائے کھانے کی دعوت دی جائے ،تو میں دعوت ضرور قبول کروں گا اور اگر مجھے دست یا پائے کا ہدیہ دیا جائے،تو میں (وہ ہدیہ)ضرور قبول کروں گا۔‘‘

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (۷۷۳-۸۵۲ھ) ’فتح الباری‘ میں فرماتے ہے:

و مناسبته للترجمة بطريق الأولى ؛ لأنه إذا كان يجيب من دعاه علىٰ ذلك القدر اليسير ، فلأن يقبله ممّن أحضره اليه أولىٰ.

والكراع من الدابة ما دون الكعب ، وقيل : هو اسم مكان ، ولا يثبت ، ويرده حديث أنس عند الترمذی بلفظ ((لو أهدى الىّ كراع لقبلت)).

(فتح البارى ، كتاب الهبة، باب القليل من الهبة ، ص : ٢٣٦، ج: ٥، دار الريان : القاهرة)

ہمارے دیار کی مطبوعہ ' صحیح بخاری ' کے نسخوں کے حاشیے میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا مذکورہ کلام بلاتعقب منقول ہے۔ ملاحظہ ہو: حاشيه : ٦ ، ص : ٣٤٩ ، ج : ١ ، قديمى : کراچی

' الأبواب و التراجم ' ص : ١٠٩ ، ج : ٤، دارالبشائر الإسلامية : بيروت اور ' الكنز المتوارى فى معادن لامع الدرارى و صحيح البخارى ' ص : ٣٣٥ ، ج : ١١ ،مؤسسة الخليل الإسلامية : فيصل آباد میں بھی حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا مذکورہ کلام بلاتعقب منقول ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس عبارت میں دو امور ذکر فرمائے ہیں:

(ا) حدیث پاک کی ترجمہ کے ساتھ مناسبت بیان فرمائی ہے، کہ حدیث کی ترجمہ کے ساتھ مناسبت بطریقِ اولیٰ ہے۔ یعنی حدیث سے ترجمہ بطریقِ اولیٰ ثابت ہو رہا ہے؛ کیوں کہ جب رسول اللہ ﷺ اس معمولی مقدار : پائے کی دعوت دینے والے کی دعوت قبول فرمائیں گے، تو جو یہ مقدار خود لاکر آپ کی خدمت میں پیش کرے گا، بطریقِ اولیٰ اس کو قبول فرمائیں گے۔

(۲) " کُـــرَاع " کے معنی بیان کرتے ہوئے فرمایا، کہ جانور کا کُراع اس کے ٹخنے سے نیچے کا حصہ ہے۔

بعض نے کہا: " کُــــــرَاع " ایک جگہ کا نام ہے۔ گویا حدیث پاک میں " کُـــراع " سے وہ جگہ مراد ہے، اس صورت میں حدیث پاک کا مطلب یہ ہوگا، کہ اگر " کُراع " نامی جگہ مجھے دعوت دی جائے، تو میں دعوت قبول کروں گا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کہ یہ قول ثابت نہیں ۔ ' جـامـع تـرمذی ' کی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت اس کا رد کرتی ہے، جس کے الفاظ ہیں:

لو أُهْدِيَ إِلَيَّ كُرَاعٌ لَقَبِلْتُ.

" اگر مجھے " کُراع " ہدیہ دیا جائے، تو میں ضرور قبول کروں گا۔"

ظاہر ہے، کہ " کُـــراع " نامی مقام بطور ہدیہ دینے کا کیا مطلب؟ لامحالہ " کُراع " سے جانور کے ٹخنے سے نیچے کا حصّہ یعنی پائے مراد ہے۔

علامہ ابن الملقّن رحمۃ اللہ علیہ (۷۲۳-۸۰۴ھ) کی ' التـوضيـح لشرح الجامع الصحيح ' میں مذکورہ دو امور میں سے دوسرے امر کا ذکر ہے:

و الـكـراع فـی حد الرسغ و هو فی البقر و الغنم بمنزلة الوظيف فی الفرس و البعير أی : وهو خفه و هو مستدق الساق ...... وقيل : إن الكراع هـنا اسم موضع ، و ذكره الغزالی فی ((الإحياء)) بلفظ : كراع الغميم ، و لم أره كـذلك ، ويـرده رواية التـرمذی عن أنس مرفوعاً : ((لـو أهدی إلی كراع

لقبلت ، و لو دعيت عليه لأجبت)) ثم صححه .

(التوضيح ، ص : ۲۸۲ ، ج : ١٦ ، وزارة الأوقاف : قطر)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ (۷۶۲ - ۸۵۵ ھ) نے مذکورہ دو امور میں سے صرف دوسرے امر کا "بعض" یعنی حافظ رحمہ اللہ کے حوالے سے بلا تعقب ذکر کیا ہے:

وقال بعضهم : قيل : الكراع اسم مكان . قلت : الذى قاله هو الغزالى ، ذكره فى الإحياء بلفظ كراع الغميم ، و تردّ ذلك رواية من حديث أنس مرفوعاً : لو أهدى إلىّ كراع لقبلته ، ثم صححه .

(عمدة القارى ، ص : ١٢٨ ، ج : ١٣ ، دار إحياء التراث العربى : بيروت)

علامہ محمد تاودی مالکی رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۱۱ - ۱۲۰۹ ھ) نے بھی مذکورہ دو امور میں سے صرف دوسرے امر کا ذکر کیا ہے:

(**لو دعيت إلى كراع**) هو من الدابة ما دون الكعب ، وقيل : اسم مكان و لا يثبت ، ويردّه حديث أنس عند الترمذى بلفظ : ((لو أهدى إلى ذراع أو كراع لقبلت)) .

(حاشية التاودى بن سودة على صحيح البخارى ، ص : ١٢ ، ج : ٣ ، العلمية : بيروت)

ملحوظہ:

'جامع ترمذی' کی **حدیثِ انس رضی اللہ عنہ میں صرف** "کُراع" **کا لفظ ہے، جیسا کہ** 'فتح الباری' **اور** 'عمدة القارى' **میں واقع ہے،** "ذِراع" **کا لفظ نہیں ہے، جو** 'حاشية التاودى' **میں واقع ہو گیا ہے۔ ملاحظہ ہو:** الكتب الستة ،

جـامـع التـرمـذی ، أبـواب الأحـكـام ، بـاب ماجاء فی قبول الهدية و إجابة الدعوة ، ص : ١٧٨٦ ، حديث : ١٣٣٨ ، دار السلام : الرياض .

بندہ کہتا ہے:

حدیث الباب کا دوسرا جزء ہے:

و لو أُهْدِیَ إِلَیَّ ذِراعٌ أو كُراعٌ لَقَبِلْتُ.

''اوراگر مجھے دست یا پائے کا ہدیہ دیا جائے،تو میں ضرور قبول کروں گا۔''

یہ دوسرا جزء صراحتاً ترجمہ کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے اور صراحتاً اس سے ترجمہ ثابت ہو رہا ہے ؛ لہذا حدیث کی ترجمہ کے ساتھ مناسبت بطریق اولویت نکالنے کی ضرورت نہیں رہتی۔

دوسرے امر میں " کُراع " سے ایک جگہ مراد لینے کی تردید بھی حدیث الباب کے دوسرے جزء سے ہو رہی ہے۔

اس طرح دونوں امور حدیث الباب میں ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

باب کی پہلی روایت میں مذکور واقعہ فتحِ مکہ کا نہیں ہے

☆ 'صحیح بخاری' میں ہے:

بـاب الرِّدف علی الحمار . حَدَّثنا قُتَيْبَةُ ، حـدَّثَنَا أبو صفوانَ ، عَنْ يـونـسَ بـنِ يـزيـدَ ، عـن ابـنِ شهــابٍ ، عَـنْ عُـروةَ ، عَن أسـامة بنِ زيدٍ — رضـی الله عنهما — أنّ رسولَ اللّٰهِ ﷺ رَكِـبَ عـلیٰ حمارٍ علیٰ إكافٍ عَلَيْهِ

قَطِيْفَةٌ ، وَ أَرْدَفَ أسامةَ وَرَاءَهُ .

حَدَّثَنَا يحيى بنُ بُكَيْرٍ، حدّثَنا الليثُ قال : حدّثنا يونسُ ، أخبرنى نافعٌ عَنْ عبدِ اللّٰهِ — رضى الله عنه — أنّ رسولَ اللّٰهِ ﷺ أقْبَلَ يومَ الفتحِ مِنْ أعلىٰ مكّةَ علىٰ راحلتِهِ مُرْدِفاً أُسامةَ بنَ زَيْدٍ ، وَ مَعَهُ بلالٌ وَ مَعَهُ عثمانُ بنُ طَلْحَةَ مِنَ الْحَجَبَةِ حتّى أَنَاخَ فِى المسجدِ ، فَأَمَرَهُ أنْ يَأْتِىَ بِمِفْتَاحِ الْبَيْتِ ، فَفَتَحَ ودَخَلَ رسولُ اللّٰهِ ﷺ ومعه أُسامةُ وَ بِلالٌ و عثمانُ ، فَمَكَثَ فيها نَهَارًا طَويلاً ، ثم خَرَجَ فَاسْتَبَقَ النّاسُ ، فَكَانَ عبدُ اللّٰهِ بنُ عُمَرَ أَوَّلَ مَنْ دَخَلَ ، فَوَجَدَ بِلَالًا وَرَاءَ الْبَابِ قائماً ، فَسَأَلَهُ : أَيْنَ صَلّٰى رسولُ اللّٰهِ ﷺ ؟ فَأَشَارَ لَهُ إلىٰ الْمَكَانِ الَّذِىْ صَلّٰى فِيْهِ . قَالَ عبدُ اللّٰهِ : فَنَسِيْتُ أَنْ أَسْأَلَهُ : كَمْ صَلّٰى مِنْ سَجْدَةٍ ؟

(صحيح بخارى ، كتاب الجهاد و السير ، باب الردف على الحمار ، ص : ٤١٩ ، ج : ١ ، قديمى : كراچى)

”گدھے پر سوار کے پیچھے سوار ہونے والے کے بیان میں یہ باب ہے ......حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ گدھے پر، پالان پر سوار ہوئے ، اس پر روئیں دار چادر تھی اور آپ ﷺ نے اپنے پیچھے اسامہ رضی اللہ عنہ کو سوار کیا۔

......حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فتحِ مکہ کے دن مکہ مکرمہ کی بالائی جانب سے اپنی اونٹنی پر حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو ردیف بنا کر: اپنے پیچھے سوار کر کے تشریف لائے ،حضرت بلال رضی اللہ عنہ

اور خانۂ کعبہ کے دربانوں: خدّام میں سے حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ساتھ تھے، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اونٹنی مسجد میں بٹھائی اور حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو بیت اللہ کی چابی لانے کا حکم فرمایا (وہ چابی لائے) پس انھوں نے دروازہ کھولا، رسول اللہ ﷺ (بیت اللہ میں) داخل ہوئے، اُسامہ بن زید، بلال اور عثمان (بن طلحہ) رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کی معیّت میں تھے، آپ بیت اللہ میں دیر تک ٹھہرے، پھر نکلے، تو لوگ (بیت اللہ میں داخل ہونے کے لیے) آگے بڑھے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما (لوگوں میں) سب سے پہلے داخل ہونے والے تھے، انھوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بیت اللہ کے دروازے کے پیچھے کھڑا ہوا پایا، تو ان سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے کہاں نماز پڑھی؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے انھیں اس جگہ کی طرف اشارہ کیا، جہاں آپ ﷺ نے نماز پڑھی تھی۔ (راویٔ حدیث:) حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے یہ پوچھنا بھول گیا، کہ آپ ﷺ نے کتنی رکعت پڑھی؟''

حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارن پوری نور اللہ مرقدہ (وفات: ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۷۹ء) نے باب کی پہلی حدیث کے متعلق 'الخیر الجاری' کے حوالے سے حاشیۂ 'صحیح بخاری' میں بلا تعقب لکھا ہے، کہ عنقریب یہ بات آئے گی، کہ یہ واقعہ فتح مکہ کے موقع پر پیش آیا تھا:

و سیأتی أنه کان فی فتح مکة .... ۱۲ الخیر الجاری

(صحیح بخاری، کتاب الجهاد و السیر، باب الردف علی الحمار، حاشیه: ٦، ص: ٤١٩، ج: ١، قدیمی: کراچی)

بندہ کہتا ہے:

یہ صاحب الخیر الجاری: علامہ ابو یوسف یعقوب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ (وفات: ۱۰۹۸ھ) کا وہم ہے؛ اس لیے کہ باب کی دوسری روایت میں بلاشبہ فتح مکہ کا واقعہ ہے؛ لیکن باب کی پہلی روایت میں فتحِ مکہ کا واقعہ نہیں ہے؛ بل کہ غزوۂ بدر سے قبل رئیس المنافقین: عبد اللہ بن اُبَی کے اظہارِ اسلام سے پہلے مدینہ منورہ میں پیش آنے والا واقعہ ہے، جب رسول اللہ ﷺ قبیلۂ خزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے تشریف لے جا رہے تھے، جیسا کہ 'صحیح بخاری' کی حسب ذیل مفصل روایت میں صراحتاً منقول ہے:

حَدَّثَنَا أبو اليمانِ قال: أخْبَرَنَا شُعيبٌ، عَنِ الزهريّ قال: أَخْبَرَني عروةُ بنُ الزُّبيرِ أنّ أسامةَ بنَ زيدٍ — رضى الله عنهما — أَخْبَرَهُ أنّ رسولَ الله ﷺ ركِبَ علىٰ حمارٍ علىٰ (عليه) قَطِيْفَةٌ فَدَكِيَّةٌ، و أردف أسامةَ بنَ زيدٍ وراءه يَعُوْدُ سَعْدَ بنَ عُبَادَةَ فِي بنى الحارثِ بنِ الْخَزْرَجِ قبلَ وقعةِ بدرٍ. قال: حتّى مَرَّ بِمَجْلِسٍ فِيْهِ عبدُ اللّٰهِ بنُ أُبَيّ ابنُ سَلُولَ، و ذلك قبلَ أنْ يُسْلِمَ عبدُ اللّٰهِ بنُ أُبَيٍّ، فإذا فى المجلسِ أخلاطٌ مِن المسلمينَ و المشركينَ و عَبَدَةِ الأَوْثانِ و اليهودِ و المسلمينَ، و فى المجلسِ عبدُ الله بنُ رَوَاحَةَ، فلمّا غَشِيَتِ المجلسَ عَجَاجَةُ الدّابّةِ خَمَّرَ عبدُ اللّٰهِ بنُ أُبَيٍّ أنْفَهُ بِرِدَائِهِ ثُمَّ قال: لا تُغَبِّرُوْا علينا. فَسَلَّمَ رسولُ اللّٰهِ ﷺ عليهم، ثُمّ وَقَفَ فَنَزَلَ فَدَعَاهم إلى اللّٰهِ و قرأ عليهم القرآن، وقال (فقال) عبدُ اللّٰهِ بنُ أُبَيّ ابنُ سَلُوْلَ: أيُّها المرءُ، إنّهُ لا أحْسنَ مِمّا تَقُولُ إن كان حَقًّا فلا تُؤذِينا (فلا تؤذنا) بِهِ فِى مجالِسِنَا،

ارْجِعْ إلـى رَحْلِكَ فَمَنْ جاء ك فاقْصُصْ عليه . فقال عبدُ اللّٰهِ بنُ رَوَاحَةَ : بلىٰ يـا رسولَ اللّٰهِ ، فَاغْشَنَا بِهِ فِي مَجَالِسِنا ، فإنا نُحِبُّ ذلك . فَاسْتَبَّ المسلمونَ و الـمشـركـونَ و اليهودُ حتّى كَادُوا يَتَثَاوَرُوْن ، فَلَمْ يَزَلِ النبىُّ ﷺ يُخَفِّضُهـم حتّـى سَـكَنُوا (سَكتوا) . ثمّ رَكِبَ النبىُّ ﷺ دابّتَـهُ ، فَسَـارَ حتّى دخل على سعدِ بنِ عُبادَةَ ، فقال لَهُ النبىُّ ﷺ : يا سعدُ ، أَلَمْ تَسْمَعْ ما قال أبو حُبَابٍ يُرِيْدُ عبـدَ الـلّٰـهِ بـنَ أُبَيٍّ قال كذا و كذا ، قال سعدُ بنُ عبادةَ : يا رسولَ اللّٰهِ ، اعفُ عـنهُ و اصْفَحْ عنهُ ، فَوَالّذى أَنْزَلَ عليك الكتابَ لقد جاء اللّٰهُ بالحقّ الذى نزّل (أنـزل) عـليك ، وَلَـقَـدِ اصْـطَـلَحَ أهْلُ هٰذه البُحَيْرَةِ علىٰ أنْ يُتَوِّجُوهُ فيُعَصِّبُوهُ بِـالْـعِـصـابةِ ، فلمّا أَبَى اللّٰهُ ذلك بِالْحَقِّ الذى أعطاك اللّٰهُ شَرِقَ بذلك ، فذلك فَـعَـلَ بِـهِ مـا رأيتَ . فَعَفَا عنهُ رسولُ اللّٰه ﷺ . و كَـانَ النبىُّ ﷺ و أصـحابُهُ يَعْفُونَ عَنِ المشركينَ و أهلِ الكتابِ كما أمرهم اللّٰهُ و يَصْبِرُوْنَ علىٰ الأَذىٰ. قـال الـلّٰهُ : ﴿ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ﴾ الآية ، و قـال الـلّٰه:﴿ وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ ﴾ إلى آخر الآية ، و كان النبىُّ ﷺ يتأوّلُ فى العفو ما أمر اللّٰهُ به حتّى أَذِنَ اللّٰهُ فيهم ، فلمّا غَزَا رسولُ اللّٰه ﷺ بدراً فقتل اللّٰهُ بِـهِ صَـنَـادِيْـدَ كُـفّـارِقُريشٍ قال ابنُ أُبَيّ ابنُ سَلُولَ و مَنْ معهُ مِنَ المشركينَ و عَبَدَةِ الأوثانِ : هذا أمْرٌ قَدْ تَوَجَّهَ فبايَعُوا الرسولَ ﷺ علىٰ الإسلامِ فَأَسْلَمُوا .

(صـحيـح بـخــارى ، كتــاب التـفسيــر ، بـاب قـولــه ﴿ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ﴾ ، ص : ٦٥٥ ، ٦٥٦ ، ج : ۲ ،

كتـاب الـمرضى ، باب عيادة المريض راكباً و ماشياً و ردفاً على الحمار ، ص : ٨٤٥ ، ٨٤٦ ، ج : ٢ ، كتـاب الأدب ، بـاب كنية الـمشـرك ، ص : ٩١٦ ، ٩١٧ ، ج : ٢ ، كتـاب الاستـئـذان ، بـاب التسـليم فى مجلس فيه أخلاط من المسلمين و المشركين ، ص: ٩٢٤ ، ٩٢٥ ، ج : ٢ ، قديمي : كراچی)

غزوۂ بدر کے مُبارزین کے ناموں اوران کے احوال میں عجیب مطابقت اور شیخ ابن القیم رحمہٗ اللہ کا وہم

☆ تقدیرِ الٰہی نے غزوۂ بدر میں کفار اور مسلمانوں کی طرف سے مبارزت کے لیے نکلنے والے چھ افراد کے ناموں کی اس دن ان کے احوال سے عجیب مطابقت پیدا کی تھی ؛ چناں چہ کفار کی طرف سے سب سے پہلے مقابلہ کے لیے میدان کارزار میں اترنے والے تین : ولید، شَیْبَہ اور عُتْبَہ تھے ۔ ولید کے معنی بچّہ ہے، ظاہر ہے بچّہ میں کس قدر ضعف و عجز کا پہلو ہے ! اس طرح یہ نام بدایتِ ضعف پر دلالت کرتا ہے ۔ شیبہ میں بڑھاپے کے معنی ہیں اور بڑھاپے میں انسان کے اعضاء وقُویٰ جواب دے دیتے ہیں ، اس اعتبار سے اس میں نہایتِ ضعف پر دلالت ہے ، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ شَيْبَةً [الروم : ٥٤]

” اللہ وہ ہے ، جس نے تمھاری تخلیق کی ابتدا کمزوری سے کی ، پھر کمزوری

کے بعد طاقت عطا فرمائی ، پھر طاقت کے بعد (دوبارہ) کمزوری اور بڑھاپا طاری کردیا۔‘‘

اور عُتْبہ عَتْبٌ سے ماخوذ ہے ، جس میں ناراضگی کے معنی ہیں ، تو ان کے ناموں نے ان کو حاصل ہونے والے ضعف اور ان پر واقع ہونے والی ناراضگی پر دلالت کی ۔

ادھر مسلمانوں کی طرف سے ان کے مقابلہ کے لیے نکلنے والے تین : حضرت حمزہ ، حضرت عُبیدہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم تھے ۔ کفار کے ناموں کے بالمقابل ان کے ناموں میں خوبی اور کمال تھا ۔ حمزہ نام اپنے جِلو میں شیر کی صلابت و شجاعت رکھے ہوئے تھا ۔ عُبیدہ نام سے عبودیت ٹپکتی تھی ، جو انسان کی غرضِ تخلیق اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پیاری صفت ہے اور نام علیّ عُلُوٌّ سے ماخوذ ہے ، جو بلندی کی خبر دیتا ہے ۔ تینوں نام ان کے اوصاف : صلابت و شجاعت ، عبودیت اور علو کے مناسب اور ان سے لگّا کھانے والے تھے ۔ حمزہ کی قوت و صلابت ، عُبیدہ کی عبودیت اور علی کے علو نے ان کی شخصیّتوں کو ایسا متأثر کیا اور نام کی عمدگی سے ان کے کام پر ایسا اثر مرتّب ہوا کہ انھوں نے کفار پر علو و سربلندی پائی ۔ شیخ ابن القیم رحمہٗ اللہ (۶۹۱-۷۵۱ھ) ’ زاد المعاد فی هدی خير العبادﷺ ‘ میں فرماتے ہیں :

و تأمل أسماء الستة المتبارزين يوم بدر كيف اقتضى القدر مطابقة أسمائهم لأحوالهم يومئذ ، فكان الكفار : شيبة ، و عتبة ، والوليد ، ثلاثة أسماء من الضعف ، فالوليد له بداية الضعف ، و شيبة له نهاية الضعف ، كما قال تعالىٰ: ﴿ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ شَیْبَةً ﴾ [الروم : ٥٤] و عتبة من العتب ، فدلّت أسمائهم علىٰ عتب يحل بهم ، و ضعف ينالهم ، و كان أقرانهم من المسلمين : عليّ ، و

عُبيـدة ، و الحارث ، رضـى اللّـه عـنهم ، ثلاثة أسماء تناسب أوصافهم ، و هى الـعلو ، والعبودية ، والسعى الذى هو الحرث ، فعلوا عليهم بعبوديتهم و سعيهم فى حرث الآخرة .

(زاد الـمـعاد ، فصل : فى فقه هذا الباب بعد فصل : فى هديه ﷺ فى الأسماء والكنى ، ص : ۲۷۳ ، العلمية : بيروت ، الطبعة الثانية : ۱٤۲۸ هـ)

بندہ کہتا ہے :

شیخ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے ''حمزہ رضی اللہ عنہ'' کی بجائے ''حارث'' ذکر کیا اور اس کے نام سے آخرت کی کھیتی کی سعی کا نکتہ پیدا کیا ، یہ موصوف کا وہم ہے؛ کیوں کہ حارث تو عُبیدہ رضی اللہ عنہ کا والد ہے ، جو مسلمان ہی نہیں تھا ، چہ جائیکہ وہ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی طرف سے شرکت کرتا اور مبارزت کے لیے نکلتا۔

روایت سے متعلقہ آیت کون سی ؟

☆ غزوۂ اُحُد سے متعلق حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے :

لـمّا كان يومُ أُحُد........ ولقد وقع السّيفُ مِنْ يَدِ أبى طلحةَ ، إما مَرَّتين و إما ثلاثا .

(صحيح بخارى، كتاب المناقب، باب مناقب أبى طلحة، ص: ۵۳۸، ج: ۱، كتاب المغازى، باب ﴿إِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتَانِ مِنكُمْ﴾ الخ ، ص: ۵۸۱، ج: ۲، قديمى: كراچى)

''جب جنگ اُحُد ہوئی......حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے دو یا

تین مرتبہ تلوار گر پڑی۔‘‘

یہ تلوار کا گر پڑنا اونگھ کی وجہ سے تھا؛ چناں چہ ’ صحیح مسلم‘ میں ہے:

ولقد وقع السيف من يدى أبى طلحة إما مرّتين أو ثلاثا من النعاس.

(صحيح مسلم ، كتاب الجهاد والسّير، باب غزوة النساء مع الرجال، ص:١١٦ ، ج: ٢، قديمى: كراچى)

’ فتح البارى ‘ **میں ہے:**

قوله : (إما مرتين و إما ثلاثا) ...... و سيأتى بعد باب من وجه آخر عن أنس عن أبى طلحة ((كنت فيمن يغشاه النعاس يوم أحد حتى سقط سيفى من يدى مرارا)) ، و لأحمد و الحاكم من طريق ثابت عن أن ((رفعت رأسى يوم أحد فجعلت أنظر و ما منهم من أحد إلا و هو يميل تحت حجفته من النعاس)) وهو قوله تعالىٰ : ﴿ إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ ﴾ .

(فتح البارى ، كتاب المغازى ، باب﴿ إِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتَانِ مِنكُمْ ﴾ الخ ، ص : ٤٢٠ ، ج : ٧ ، دارالريان : القاهرة)

’ عمدة القارى ‘ **میں ہے:**

قوله : (من يدى أبى طلحة) و فى رواية الأصيلى : من يد أبى طلحة بالإفراد ، و وقوع السيف كان لأجل النعاس الذى ألقى اللّٰه عليهم أمنة منه ، و وقع فى رواية أبى معمر شيخ البخارى عند مسلم ((من النعاس)) صرح به ، وهو قوله تعالىٰ ﴿ إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً ﴾ .

(عمدة القارى ، كتاب المغازى ، باب ﴿ إِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتَانِ مِنكُمْ ﴾ الخ ، ص : ١٥١ ، ج:

۱۷ ، دار إحياء التراث العربى : بيروت)

’ لامع الدرارى علىٰ جامع البخارى ‘ **میں ہے:**

قوله : ولقد وقع السيف من يد أبى طلحةإلخ يعنى بذلك أن الناعسين كانوا هم المؤمنون ، و كان أبو طلحة منهم (۱) .

هامش ’ لامع الدرارى ‘ **میں ہے:**

(۱) لقوله تعالىٰ : ﴿ **ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُعَاسًا يَغْشَى طَائِفَةً مِنْكُمْ** ﴾ الآية ، قال صاحب ((الجلالين)) : وهم المؤمنون فكانوا يميدون تحت الحجف و تسقط السيوف منهم اهـ ، قال الحافظ رحمهٗ اللّٰه تعالىٰ : قوله : ولقد وقع السيف إلخ ، .... و سيأتى بعد باب من وجه آخر عن أنس عن أبى طلحة ((كنت فيمن يغشاه النعاس يوم أحد حتى سقط سيفى من يدى مراراً)) اهـ ، قلت : و هم الذين وردت فيهم الآية الأخرى فى سورة الأنفال : ﴿ **إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِنْهُ** ﴾ الآية .

(لامع الدرارى ، ص : ۳۵۳ ، ج : ۸ ، المكتبة الإمدادية ، مكة المكرمة)

بعینہ یہ کلام ’ الكنز المتوارى فى معادن لامع الدرارى و صحيح البخارى ‘ ص : ۱۳٤ ، ج : ۱۵ ، مكتبة الحرمين : دوبئى **میں منقول ہے۔**

بندہ کہتا ہے:

جنگ میں اونگھ طاری کرنے کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دو مقام میں کیا ہے؛ چناں چہ ” سورة آل عمران “ **میں ہے:**

﴿ **ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُعَاسًا يَغْشَى طَائِفَةً مِنْكُمْ** ﴾

[آل عمران: ۱۵٤]

''پھر اللہ نے اس غم کے بعد تم پر چین بھیجی، یعنی اونگھ کہ تم میں سے ایک جماعت پر تو اس کا غلبہ ہو رہا تھا۔''

اور '' سورۃ الأنفال '' میں ہے:

﴿إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ﴾ [الأنفال: ۱۱]

''اس وقت کو یاد کرو، جب کہ اللہ تم پر اونگھ کو طاری کر رہا تھا، اپنی طرف سے چین دینے کے لیے۔''

ان دونوں آیات میں سے '' سورۃ آل عمران '' کی آیت کا تعلق ''غزوۂ اُحُد'' سے اور ''سورۃ الأنفال '' کی آیت کا تعلق ''غزوۂ بدر'' سے ہے؛ چوں کہ مذکورہ بالا روایت غزوۂ اُحُد سے متعلق ہے؛ لہذا اس کے مناسب آیت ﴿ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشَى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ﴾ ہے، ﴿إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ﴾ نہیں؛ اس لیے 'فتح الباری' وغیرہ میں ''سورۃ الأنفال '' کی آیت ﴿إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ﴾ کو مذکورہ بالا روایت سے متعلق کرنا وہم سے خالی نہیں۔

یہ بحث '' حَدَّثَ '' میں نہیں، '' قال '' میں کرنی ہے

☆ 'صحیح بخاری' میں ہے:

حَدَّثَنِيْ محمدُ بنُ عَبدِ الرّحیم قال: حَدَّثَنا حفصُ بنُ عُمَرَ أبو عُمَرَ الْحَوضِيُّ قال: حَدَّثنا حمّادُ بنُ زيدٍ قال: حَدّثنا أَيّوبُ و الحَجّاجُ

الصَّوَّافُ قال : حَدَّثَنِی أَبُو رجاءٍ مولیٰ أَبِی قِلَابَةَ ......

(صحیح بخاری ، کتاب المغازی ، باب قصة عکل و عرینة ، ص : ۶۰۲ ، ج :۲، قدیمی : کراچی)

'' امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ محمد بن عبد الرحیم سے، وہ حفص بن عمر ابو عمر الحوضی سے ، وہ حماد بن زید سے، وہ ایوب اور حجاج صَوّاف سے ، وہ ابو قِلابہ کے آزاد کردہ غلام ابو رجاء سے روایت کرتے ہیں کہ ابو رجاء مولیٰ ابی قِلابہ نے مجھ سے بیان کیا......''

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معتمد نسخوں میں '' حَـدَّثَـنِـیْ '' بصیغۂ مفرد واقع ہوا ہے، حالاں کہ ماقبل میں دو راویوں کا ذکر ہے ، قیاس کا تقاضہ یہ تھا کہ تثنیہ کی ضمیر کے ساتھ '' حَدَّثَانِیْ '' کہا جاتا۔

قوله : حدثنی أبو رجاء كذا وقع فی النسخ المعتمدة حَدّثَنِیْ بالإفراد مع أن المذكور قبله اثنان ، و كان القياس أن يقال : حَدَّثَانِیْ بضمير التثنية ......

(عمدة القاری ، ص : ۲۳۲ ، ج : ۱۷ ، دار إحياء التراث العربی : بيروت)

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ بھی فرماتے ہیں کہ اس میں اصل '' حَدَّثَانِیْ '' بصیغۂ تثنیہ ہے۔

.... (**حدثنا أيوب**) السختيانی (**و الحجاج**) بن أبی عثمان ميسرة البصری (**الصواف قال حدثنی**) بالإفراد (**أبو رجاء**) سليمان (**مولى أبی قلابة**) عبد الله بن زيد و كان الأصل حدثانی بالتثنية ......

(إرشاد الساری ، ص : ۲۱۲ ، ج : ۹ ، العلمية : بيروت)

بندہ کہتا ہے:

ان حضرات کو یہاں وہم ہوا ہے، ماقبل میں دو رُواۃ: ایوب اور الحَجاج الصَّوّاف کا ذکر یقیناً ہوا ہے، اب اگران دونوں راویوں کے ذکر کے بعد " قَـــالَ " لفظوں میں موجود ہے، تو اس کے متعلق ضرور کہا جائے گا، کہ اس میں جو ضمیر ہوگی، وہ دو راویوں کی طرف لوٹے گی؛ لہذا اس میں قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ تثنیہ کی ضمیر کے ساتھ " قَالَا " ہونا چاہیے؛ لیکن جہاں تک لفظ " حَدَّثَ " کا تعلق ہے، تو اس کا فاعل تو آگے " أبو رجاءٍ مولیٰ أبی قلابة " مذکور ہے؛ اس لیے اس میں اصل و قیاس کا تقاضا " حَـدَّثَ " بصیغۂ مفرد ہی ہے۔ " حَـدَّثَ " کو تثنیہ کی ضمیر کے ساتھ " حَـدَّثـا " کہنا اصول و قیاس کے خلاف ہوگا۔

الغرض تثنیہ کا صیغہ لانے کی بحث " حَدَّثَ " میں نہیں، " قَـال " میں کرنی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بہ وقت غزوۂ اُحُد سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ کی عمر میں واقع وہم

☆ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (۷۷۳-۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

...... الصحيح أنّ مولده (أی مولدسهل بن سعد الساعدی رضی اللّٰه عنه) قبل الهجرة بـخـمس سنين ، فيكون فی أُحُد ابن عشرة أو إحدى

عشرة .

(فتح الباری ، کتاب المغازی ، باب غزوة خيبر ، ص : ٥٣٩، ج : ٧ ، دارالريان : القاهرة)

’’......صحیح یہ ہے کہ ان (سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ) کی پیدائش ہجرت سے پانچ سال قبل ہے،تو آپ رضی اللہ عنہ غزوۂ اُحُد کے موقع پر دس یا گیارہ سال کے ہوں گے۔‘‘

بندہ کہتا ہے:

یہ وہم ہے ؛ کیوں کہ غزوۂ اُحُد سن ۳ ہجری میں پیش آیا اور سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بقول حافظ ابن حجر رحمہٗ اللہ صحیح قول کے مطابق ہجرت سے پانچ سال قبل پیدا ہوئے ،تو غزوۂ اُحُد کے موقع پر دس یا گیارہ سال کے نہیں ہوں گے؛ بل کہ کم وبیش آٹھ سال کے ہوں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

أبو بكرة میں بكرة کی باء موحدہ کو بالضم ضبط کرنا وہم ہے

☆ حضرت مولانا حکیم ابوالبرکات عبد الرؤف صاحب قادری دانا پوری رحمۃ اللہ علیہ(۱۸۷۴-۱۹۴۸ء) ’أصح السیر ‘ میں غزوۂ طائف کے بیان میں تحریر فرماتے ہیں :

’’اس کے بعد حضور ﷺ کے منادی نے اعلان کیا ، کہ کوئی غلام اگر قلعہ سے نکل کر میرے پاس چلا آئے ،تو وہ آزاد ہے ؛ چناں چہ قلعہ سے بیس غلام کے قریب نکل کر لشکر اسلام میں آ گئے ۔حضور ﷺ نے ان کو آزاد کر دیا اور مختلف صحابہ کے سپرد

کیا، کہ اُن کے خرچ کا خیال رکھیں اور اُن کی خبرداری کریں۔ اُن میں ایک شخص وقت بکرہ (حاشیہ میں خود حضرت مولانا داناپوری رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا: بُـکـرہ بائے موحدہ مضموم: صبح کا وقت) یعنی صبح بڑے سویرے آئے تھے؛ اس لیے وہ أبـو بُکرہ مشہور ہو گئے۔ یہ اخیار اور مشاہیرِ اصحاب رسول اللہ ﷺ میں سے ہیں، ان کا نام نُفَیع بضم نون و فتح فا ہے۔"

(أصح السير، ص: ۲۹۰، دار الكتاب: ديوبند)

بندہ کہتا ہے:

أبو بكرة میں بكرة کی باء موحدہ کو بالضم ضبط کرنا وہم ہے۔ درحقیقت بـكـرة باء موحدہ مفتوح کے ساتھ ہے، جو چرخی کے معنی میں ہے۔ حضرت أبـو بَـكـرة نُـفيْع بن الحارث یا نُـفَيْـع بـن مسروح رضى الله عنه غزوۂ طائف کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی جانب سے ہونے والے اعلان پر طائف کے قلعہ سے چرخی کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ اور لشکرِ اسلام کی طرف آئے تھے؛ اس لیے وہ أبو بَكرة یعنی چرخی والے سے مشہور ہو گئے۔ حافظ ابن ماکولا (۴۲۲ - قیل ۴۸۷ھ) 'الإكـمـال فـى رفـع الارتيـاب عـن الـمؤتلف و المختلف فى الأسماء و الكنى و الأنساب' میں فرماتے ہیں:

أما بكرة بفتح الباء فهو أبو بكرة صاحب رسول الله ﷺ، اسمه نُفَيْع.

(الإكمال، ص: ٣٤٩، ج: ١، العلمية: بيروت)

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ (۷۱۷-۷۸۶ھ) 'شـــرح البـخـــارى' میں فرماتے ہیں:

و أبو بكرة بفتح الموحدة .

(شرح البخاری للکرمانی ، کتاب العلم ، باب لیبلغ العلم الشاهد الغائب ، ص : ۱۰۷ ، ج : ۲ ، دار إحیاء التراث العربی : بیروت)

و اللّٰه تعالیٰ أعلم

سعد بن معاذ نہیں ؛ بل کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما

☆ 'صحیح بخاری' میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے؛ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قَال ناسٌ مِنَ الأنصارِ — حِيْن أفاءَ اللّٰهُ علىٰ رسولِهِ ﷺ مَا أفاءَ مِنْ أموالِ هَوَازِنَ ، فَطَفِقَ النبيُّ ﷺ يُعْطِيْ رِجالاً المائةَ مِنَ الإبِلِ فَقَالُوْا — : يَغْفِرُاللّٰهُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يُعْطِيْ قريشاً و يَتْرُكُنا ، و سُيُوْفُنا تَقْطُرُ مِنْ دِمائِهم ، قال أنسٌ : فَحُدِّثَ رسولُ اللّٰهِ ﷺ بِمَقَالَتِهِمْ......

(صحیح بخاری ، کتاب المغازی ، باب غزوة الطائف ، ص : ٦٢٠ ، ج : ٢ ، قدیمی : کراچی)

''جس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو ہوازن کے اموال بطورِ غنیمت دیے، جو دیے اور نبی ﷺ کچھ لوگوں کو سو سو اونٹ دینے لگے، تو کچھ انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کی مغفرت فرمائے، آپ قریش کو دے رہے ہیں اور ہم کو چھوڑ رہے ہیں ، یعنی ہم کو نہیں دیتے ؛ حالاں کہ ہماری تلواروں سے ان کے خون کے قطرے ٹپک رہے ہیں ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ

فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کو ان انصار کی بات کی اطلاع دی گئی......‘‘

علامہ قسطلانی رحمہٗ اللہ فرماتے ہیں:

وعند ابن إسحق من حديث أبى سعيد أن الذى أخبره ﷺ سعد بن معاذ .

(إرشاد السارى ،ص : ٣١١ ، ج : ٩ ، العلمية : بيروت)

’’ابن اسحاق کی حضرت ابوسعید (خدری) رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ (ان انصار کی بات کی) اطلاع دی، وہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ہیں۔‘‘

بندہ کہتا ہے:

یہاں سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا ذکر اشکال سے خالی نہیں؛ کیوں کہ آپ بنوقریظہ کے متعلق اپنا فیصلہ سنانے کے بعد غزوۂ احزاب میں لگنے والے تیر کے زخم کی وجہ سے مشہور قول پر ۵ھ میں وفات پا چکے تھے، جیسا کہ ’الاستیعاب‘ ص: ١٦٨ ، ج: ٢ اور ’الإصابة‘ ص: ٣٧ ، ج: ٢ وغیرہ میں ہے اور حدیثِ بالا میں مذکور قصہ ۸ھ کا ہے؛ لہٰذا اس موقع پر سعد بن معاذ کا ذکر علامہ قسطلانی رحمہٗ اللہ کی سبقتِ قلم ہے یا سہوِ کاتب ہے، سعد بن معاذ کی بجائے سعد بن عُبادہ ہونا چاہیے، جیسا کہ ’فتح البارى‘ ص: ٦٤٧ ، ج: ٧ اور ’عمدة القارى‘ ص: ٣٠٩ ، ج: ١٧ میں ابن اسحٰق کی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہی کی حدیث کے حوالے سے مذکور ہے۔ دارالكتب العلمية : بيروت کی مطبوعہ ’السيرة النبوية‘ لابن إسحاق میں ہے:

قال ابن إسحاق : وحدثنی عاصم بن عمر بن قتادة ، عن محمود بن لبید ، عن أبی سعید الخدری ، قال : لما أعطی رسول اللّٰه ﷺ ما أعطی من تلك العطایا فی قریش وفی قبائل العرب ، ولم یکن فی الأنصار منها شيء ، وجد هذا الحی من الأنصار فی أنفسهم ، حتی کثرت منهم القالة ، حتی قال قائلهم : لقد لقی و اللّٰه رسول اللّٰه ﷺ قومه ، فدخل علیه سعد بن عبادة ، فقال : یا رسول اللّٰه ، إن هذا الحی من الأنصار قد وجدوا علیك فی أنفسهم ......

(السیرة النبویة لابن إسحاق ، ص : ٥٨٧ ، ج : ٢ ، دارالکتب العلمیة : بیروت)

واللّٰه تعالیٰ أعلم

’’ابوداود‘‘ کنیت کے مصداق ھشام بن عبدالملک نہیں ؛ بل کہ سلیمان بن داود ہیں

☆ ’صحیح بخاری‘ **میں ہے:**

و قال وکیع و النضر وأبوداود عن شعبة عن سعید عن أبیه عن جده عن النبی ﷺ .

(صحیح بخاری ، کتاب المغازی ، باب بعث أبی موسی و معاذ إلی الیمن قبل حجة الوداع ، ص : ٦٢٣ ، ج : ٢، قدیمی : کراچی)

مذکورہ رُواۃ میں ’’ أبوداود ‘‘ **کنیت کا مصداق علامہ عینی ، علامہ قسطلانی اور**

شیخ الاسلام زکریا الانصاری رحمہم اللہ نے " هشام بن عبد الملك " کوقرار دیا ہے۔
علاّمہ عینی رحمہُ اللہ فرماتے ہیں:

و وصل تعليق أبى داود هشام بن عبد الملك الطيالسى فى مسنده المروى من طريق يونس بن حبيب عنه .

(عمدة القارى ، ص : ٤ ، ج : ١٨ ، دار إحياء التراث العربى : بيروت)

علامہ قسطلانی رحمہُ اللہ فرماتے ہیں:

(**وأبو داود**) هشام بن عبد الملك .

(إرشاد السارى ، ص : ٣٢٣ ، ج : ٩ ، العلمية : بيروت)

ہمارے دیار کی مطبوعہ 'صحيح بخارى ' کے نسخوں کے حاشیے میں قسطلانی کے حوالے سے یہی منقول ہے؛ البتہ قدیمی کتب خانہ: کراچی کے نسخے میں کتابت کی غلطی سے هشام بن عبد الملك کی بجائے هشام و عبد الملك ہوگیا ہے۔ ملاحظہ ہو: حاشيه : ٢ ، ص : ٦٢٣ ، ج : ٢

شیخ الاسلام زکریا الانصاری رحمہُ اللہ فرماتے ہیں:

(**و أبو داود**) هو هشام بن عبد الملك .

(منحة البارى ، ص : ٤٣٢ ، ج : ٧ ، الرشد : الرياض)

بندہ کہتا ہے:

یہ علامہ عینی ، علامہ قسطلانی اور شیخ الاسلام زکریا الانصاری رحمہم اللہ کا وہم ہے کہ انھوں نے " أبو داود " کنیت کا مصداق " هشام بن عبد الملك "کوقرار دیا؛ کیوں کہ ھشام بن عبدالملک طیالسی کی کنیت " أبو داود "نہیں ؛ بل کہ " أبو الوليد "

ہے۔در حقیقت " أبوداود " کنیت کے مصداق " سلیمان بن داود طیالسی " ہیں۔حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ ' تھذیب التھذیب' میں فرماتے ہیں:

هشام بن عبد الملك الباهلی مولاهم ، أبوالوليد الطيالسی البصری الحافظ الإمام الحجة .

(تهذيب التهذيب ، ص : ٥٤ ، ج : ٩ ، دارالفكر : بيروت)

أبو الوليد الطيالسی ، اسمه : هشام بن عبد الملك الباهلی البصری.

(تهذيب التهذيب ، ص : ٣٠٤ ، ج : ١٠ ، دارالفكر : بيروت)

سليمان بن داود بن الجارود ، أبو داود الطيالسی البصری الحافظ .

(تهذيب التهذيب ، ص : ٤٦٩ ، ج : ٣ ، دارالفكر : بيروت)

أبوداود الطيالسی ، اسمه : سليمان بن داود .

(تهذيب التهذيب ، ص : ٩٩ ، ج : ١٠ ، دارالفكر : بيروت)

علامہ کرمانی رحمہ اللہ نے اپنی شرح ' کواکب الدراری فی شرح صحیح البخاری ' المعروف بہ شرح الکرمانی میں " أبو داود " کنیت کا مصداق سلیمان (بن داود) طیالسی ہی کو قرار دیا ہے،' شرح الکرمانی ' میں ہے:

و ﴿ **أبو داود** ﴾ هو سليمان الطيالسی .

(شرح الكرمانی ، ص : ١٧٠ ، ج : ١٦ ، دار إحياء التراث العربی : بيروت)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ' فتح الباری ' میں " أبوداود " کے نام سے تعرّض ہی نہیں کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: فتح الباری ، ص : ٦٦١ ، ج : ٧ ،

دارالریان : القاھرۃ .

یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ نہیں، نیز ایک اور وہم

☆ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (۷۷۳-۸۵۲ھ) ' فتح الباری ' میں "باب حجّة الوداع" کے ذیل میں فرماتے ہیں:

و عند الترمذی من حدیث جابر «حَجَّ قَبْلَ أنْ یُهاجِرَ ثَلاثَ حِجَجٍ» و عَنِ ابنِ عباسٍ مِثْلُه أخْرَجَهُ ابنُ ماجَهْ و الحاکمُ.

(فتح الباری، کتاب المغازی ، باب حجة الوداع ، ص : ۷۰۷ ، ج : ۷ ، دارالریان : القاھرۃ)

''امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے: حجَّ قَبْلَ أنْ یُهاجِرَ ثلاثَ حِجَجٍ . ''رسول اللہ ﷺ نے ہجرت سے پہلے تین حج کیے'' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح حدیث مروی ہے، جس کی تخریج ابن ماجہ اور حاکم رحمہما اللہ نے فرمائی ہے۔''

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کا مذکورہ بالا کلام بعینہ ان کے حوالے کے بغیر بلاتعقب ' الکنز المتواری فی معادن لامع الدراری و صحیح البخاری ' ص : ۵۱۰، ج : ۱۵ ، مکتبة الحرمین : دوبئی میں منقول ہے۔

بندہ کہتا ہے:

حافظ الدنیا : حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کو یہاں وہم ہوگیا اور حدیثِ جابر

عندالترمذی مذکورہ بالا الفاظ کے ساتھ نقل فرمادی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مانند قرار دی، جس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت سے قبل تین حج ادا فرمائے ، حالاں کہ ان دونوں حضرات کی حدیث میں ہجرت سے قبل دو اور ہجرت کے بعد ایک، اس طرح تین حج کی ادائیگی کا ذکر ہے، ہجرت سے قبل تین حج کی ادائیگی کا ذکر نہیں ؛ چناں چہ 'جامع ترمذی' میں ہے:

عَـنْ جابرِ بنِ عبدِ اللّٰهِ : أنّ النبیَّ ﷺ حَجَّ ثَلَاثَ حِجَجٍ : حَجَّتَیْنِ قَبْلَ أنْ یُهاجِرَ و حَجَّةً بَعْدَ مَا هَاجَرَ......

(الـكـتـب الستة ، جـامـع الـتـرمـذی ، أبـواب الـحج ، باب ما جاء : كم حجّ النبی ﷺ ؟ حديث : ۸۱۵ ، ص : ۱۷۲۸ ، دار السلام : الرياض)

" حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے تین حج ادا فرمائے ، دو حج ہجرت سے قبل اور ایک حج ہجرت کے بعد۔"

' سنن ابن ماجه ' میں ہے:

حَدَّثَنَا القاسمُ بنُ محمدِ بنِ عَبّادٍ المُهَلَّبِیُّ : حَدَّثَنا عبدُ اللّٰهِ بنُ داود : حـدثـنـا سفيانُ ، قال : حَجَّ رسولُ اللّٰه ﷺ ثَـلاثَ حَجّاتٍ : حَجَّتَیْنِ قبلَ أن یُهاجِرَ، و حجّةً بعدَ ما هاجر مِنَ المدینةِ......

قِيـل لـه : مَنْ ذَكَرَهُ ؟ قال : جعفرٌ عَنْ ابیه ، عن جابر. و ابنُ أبی لیلیٰ عَن الْحَكَمِ ، عَنْ مِقْسَمٍ ، عَنِ ابنِ عباسٍ.

(الكتب الستة ، سنن ابن ماجه ، كتاب المناسك ، باب حجّة رسول اللّٰه ﷺ ، حديث:

٣٠٧٦ ، ص : ٢٦٦٤ ، دار السلام : الرياض)

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ دو طریق — جعفر عن أبيه عن جابر اور ابن أبی لیلیٰ عن الحكم عن مِقْسم عن ابن عباس رضی الله عنهم — سے روایت کرتے ہیں کہ " رسول اللہ ﷺ نے تین حج کیے ، دو حج قبل از ہجرت اور ایک حج ہجرت کے بعد مدینہ منورہ سے ادا فرمایا۔"

نیز ایک اور وہم یہاں یہ ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہُ اللہ نے حدیثِ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تخریج کو ابن ماجہ کی طرح حاکم کی طرف بھی منسوب کیا ہے، جب کہ واقعہ یہ ہے کہ امام ابن ماجہ رحمہُ اللہ نے تو حدیثِ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو ذکر کیا ہے، جس کے الفاظ ماقبل میں نقل کیے گئے ؛ لیکن امام حاکم رحمہُ اللہ نے اس حدیث کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل نہیں کیا ہے ؛ بل کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے ؛ چناں چہ ' المستدرك على الصحيحين ' میں ہے :

عَنْ جعفرِ بنِ محمدٍ عَنْ أبيه عَنْ جابرٍ رضى اللّٰه عنه قال : حَجَّ النبىُّ صلى اللّٰه عليه و آله و سلم حَجَّتينِ قبلَ أن يهاجرَ يعنى و حَجَّ بعدَ مَا هاجرَ حَجَّةً قَرنَ معها عمرةً......

(المستدرك ، كتاب المناسك ، كم حجّ النبى صلى اللّٰه عليه و آله وسلم ، ص : ٤٧٠ ، ج : ١ ، دارالمعرفة : بيروت)

" حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت سے قبل دو حج کیے، ان کی مراد یہ ہے، کہ ہجرت کے بعد (بھی) ایک حج

کیا، آپ نے اس حج کے ساتھ عمرہ کو ملایا۔‘‘

علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ (وفات: ۱۱۲۲ھ) نے بحوالہ ابن ماجہ اور حاکم حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ہجرت سے قبل رسول اللہ ﷺ کے تین حج کی ادائیگی کا ذکر کیا ہے:

و قال ابن عباس : حَجَّ ﷺ قبلَ أن يهاجر ثلاث حجج . أخرجه ابن ماجه والحاكم .

(شرح المواهب اللدنية، ص: ١٠٥، ١٠٦، ج: ٣، دارالمعرفة: بيروت)

یہ وہم ہے؛ اس لیے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہجرت سے قبل تین حج کا نہیں؛ بل کہ دو حج کا ذکر ہے۔ نیز حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کی تخریج امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے تو کی ہے؛ لیکن امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے نہیں کی، جیسا کہ ماقبل میں گزرا۔

علامہ محمد تاودی مالکی رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۱۱-۱۲۰۹ھ) نے ترمذی کے حوالے سے حجۃ الوداع سے قبل تین حج کی ادائیگی کا ذکر کیا ہے، اس طرح حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہٗ اللہ کے کلام میں واقع پہلا وہم علامہ تاودی رحمہٗ اللہ کے کلام میں در آیا ہے:

و فى الترمذى أنه صلى الله عليه وسلم حجّ قبل ذلك ثلاث حجج.

(حاشية التاودى بن سودة على صحيح البخارى، ص: ٢٧٢، ج: ٤، العلمية: بيروت)

☆☆☆☆☆

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی غزوۂ تبوک سے متعلق حدیث کی تخریج 'صحیح بخاری' میں کتنے مقامات میں ہوئی ہے؟

☆ امام بخاری رحمہٗ اللہ (۱۹۴ - ۲۵۶ ھ) نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی غزوۂ تبوک اوران کی توبہ کی قبولیت سے متعلق حدیث اپنی ' صحیح ' میں مختصر ومطول کتنی دفعہ تخریج فرمائی ہے، اس سلسلے میں علامہ ابن الملقّن رحمۃ اللہ علیہ ' التوضیح لشرح الجامع الصحیح ' میں فرماتے ہیں:

و هو حديث خرجه البخارى مطولاً و مختصراً فى عشرة مواضع .

(التوضيح ، ص : ٤٨ ، ج : ١٨ ، وزارة الأوقاف : قطر)

'' امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی مختصر ومطوّل دس مقامات میں تخریج فرمائی ہے۔''

و أشرنا إلى أن البخارى خرجه فى عشرة مواضع فى « صحيحه » مطولاً و مختصراً.

(التوضيح ، ص : ٥٩٤ ، ج : ٢١ ، وزارة الأوقاف : قطر)

علامہ عینی رحمہٗ اللہ فرماتے ہیں:

و قد أخرج البخارى حديث غزوة تبوك و توبة اللّٰه علىٰ كعب بن مالك فى عشرة مواضع مطولا و مختصرا : فى الوصايا و فى الجهاد و فى

صفة النبی ﷺ و فی وفود الأنصار و فی موضعین من المغازی و فی موضعین من التفسیر و فی الاستئذان و فی الأحکام .

(عمدة القاری ، کتاب المغازی ، باب : حدیث کعب بن مالك ، ص : ٥١ ، ج : ١٨ ، دار إحیاء التراث العربی : بیروت)

”اور امام بخاری رحمہ اللہ نے غزوۂ تبوک اور اللہ تعالیٰ کے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو بخش دینے کی حدیث دس مقامات میں مطول ومختصر ذکر فرمائی ہے:

وصایا، جہاد، صفۃ النبی ﷺ، وفود الانصار، مغازی میں دو جگہ، تفسیر میں دو جگہ، استئذان اور کتاب الاحکام میں۔“

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ نے علامہ عینی رحمہ اللہ کا بیان کردہ اجمالی عدد بلا کسی تعقّب کے نقل فرمایا ہے؛ چناں چہ حضرت شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

و قال (أی العینی) ایضاً : و قد أخرج المؤلف حدیث غزوة تبوك و توبة اللّٰہ علیٰ کعب بن مالك فی عشرة مواضع مطولاً و مختصراً ، إلیٰ آخر ما قال .

(الأبواب و التراجم لصحیح البخاری ، کتاب المغازی ، باب : حدیث کعب بن مالك ، ص : ٦٥٩ ، ج : ٤ ، دارالبشائر الإسلامیة : بیروت)

’ الکنز المتواری فی معادن لامع الدراری و صحیح البخاری ‘ ص : ٥٣٧ ، ج : ١٥ ، مکتبة الحرمین : دوبئی میں بھی علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام

بلاتعقب منقول ہے۔

علّامہ قسطلانی رحمہٗ اللہ فرماتے ہیں:

و قد أخرج المؤلف رحمهٗ اللّٰه تعالىٰ حديث غزوة تبوك و توبة اللّٰه علىٰ كعب فى عشرة مواضع مطولا و مختصرا، وسبق بعضها، و يأتى منها إن شاء اللّٰه تعالىٰ فى الإستئذان و الأحكام.

(إرشاد السارى، كتاب المغازى، باب حديث كعب بن مالك، ص: ٣٩٣، ج: ٩، العلمية: بيروت)

''مؤلف — امام بخاری — رحمہٗ اللہ تعالیٰ نے غزوۂ تبوک اور اللہ تعالیٰ کے کعب رضی اللہ عنہ کو بخش دینے کی حدیث دس مقامات میں کہیں مطول تو کہیں مختصر تخریج فرمائی ہے، جن میں سے بعض مقامات گزر گئے اور بعض ان شاء اللہ استئذان اور احکام میں آئیں گے۔''

'عون البارى لحل أدلة صحيح البخارى' ص: ٢٦٦، ج: ٥، العلمية: بيروت میں علامہ قسطلانی رحمہ اللہ کے حوالے سے دس ہی کا عدد منقول ہے۔

ہمارے دیار کی مطبوعہ 'صحيح بخارى' کے نسخوں کے حاشیے میں بھی قسطلانی کے حوالے سے دس کا عدد منقول ہے۔ ملاحظہ ہو: حاشيه ١٤، ص: ٦٣٦، ج: ٢، قديمى: كراچى

علامہ محمد تاودی رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۱۱-۱۲۰۹ھ) نے بھی 'حاشية التاودى بن سودة على صحيح البخارى' میں دس کا عدد ذکر کیا ہے:

و قـد أخرج المؤلف حديث كعب هذا فى عشرة مواضع مطولا و مختصرا .

(حاشية التاودى ، ص : ٢٧٩ ، ج : ٤ ، العلمية : بيروت)

بندہ کہتا ہے:

'صحيح بخارى' میں حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی غزوۂ تبوک اور ان کی توبہ کی قبولیت سے متعلق حدیث کی تخریج دس مقامات میں ہونے کا قول وہم ہے؛ کیوں کہ اس کی تخریج دس نہیں؛ بل کہ بندہ کے شمار میں کم از کم بیس مقامات میں ہوئی ہے:

صلاۃ میں ایک جگہ، زکوۃ میں ایک جگہ، وصایا میں ایک جگہ، جہاد میں پانچ جگہ، صفۃ النبی ﷺ میں ایک جگہ، وفود الانصار میں ایک جگہ، مغازی میں تین جگہ، تفسیر میں چار جگہ، استئذان میں ایک جگہ، اَیمان ونذور میں ایک جگہ اور کتاب الاحکام میں ایک جگہ۔

حدیث کعب رضی اللہ عنہ کی تخریج کے مقامات کا ایک جدول ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

نوٹ:

جدول میں صفحہ نمبر اور جلد نمبر کا حوالہ 'صحیح بخاری' مطبوعہ قدیمی: کراچی کا دیا گیا ہے۔

نمبر شمار	کتاب	باب	کتنی دفعہ تخریج ہوئی؟	صفحہ نمبر	جلد نمبر
(١)	الصلاة (أبواب المساجد)	الصلاة إذا قدم من سفر	١	٦٣	١
(٢)	الزكاة	لا صدقة إلا عن ظهر غنى	١	١٩٢	١
(٣)	الوصايا	إذا تصدق أو وقف بعض رقيقه أو دوابه فهو جائز	١	٣٨٦	١
(٤)	الجهاد	من أرادغزوة فورّى بغيرها الخ	٤	٤١٤	١
(٥)	الجهاد	الصلاة إذا قدم من سفر	١	٤٣٤	١
(٦)	المناقب	صفة النبى ﷺ	١	٥٠١	١
(٧)	مناقب الأنصار	وفود الأنصار إلى النبى ﷺ بمكة	١	٥٥٠	١
(٨)	المغازى	قصة غزوة بدر	١	٥٦٣	٢
(٩)	,,	باب بلا ترجمة بعد باب فضل من شهد بدرا	١	٥٦٧	٢
(١٠)	,,	حديث كعب بن مالك	١	٦٣٤	٢
(١١)	التفسير	﴿ سَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ ﴾	١	٦٧٤	٢
(١٢)	,,	﴿ لَقَدْ تَابَ اللَّهُ ﴾	١	٦٧٥	٢

(۱۳)	التفسير	﴿وَّ عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا﴾	۱	٦٧٥	۲
(۱٤)	,,	﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ﴾	۱	٦٧٦	۲
(۱٥)	الاستئذان	من لم يسلّم على من اقترف ذنبا	۱	٩٢٥	۲
(۱٦)	الأيمان و النذور	إذا أهدى ماله على وجه النذر و التوبة	۱	٩٩٠	۲
(۱٧)	الأحكام	هل للإمام أن يمنع المجرمين و أهل المعصية الخ	۱	١٠٧٣	۲

ابوبکر الاثرم ان دو صحابیوں کی بدر میں شرکت پر جزم کرنے والوں میں ہیں یا......

☆ ’صحیح بخاری‘ میں غزوۂ تبوک سے متعلق حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث میں ہے:

......ثُمَّ قُلْتُ لَهُم : هَلْ لَقِيَ هٰذَا مَعِيْ أَحَدٌ ؟ قَالُوا : نَعَمْ ، رَجُلَانِ قَالَا مِثْلَ مَا قُلْتَ ، فَقِيْلَ لَهُمَا مِثْلُ مَا قِيْلَ لَكَ ، قُلْتُ : مَنْ هُمَا ؟ قَالُوا : مُرَارَةُ بْنُ الرَّبِيْعِ الْعَمْرِيُّ وَ هِلَالُ بْنُ أُمَيَّةَ الْوَاقِفِيُّ ، فَذَكَرُوا لِيْ رَجُلَيْنِ صَالِحَيْنِ ، قَدْ شَهِدا بَدْراً......

(صحيح بخارى ، كتاب المغازى ، باب حديث كعب بن مالك ، ص : ٦٣٥ ، ج :

۲، قديمی : کراچی)

’’......پھر میں نے ان سے (بنوسَلِمہ قبیلے کے ان لوگوں سے، جنھوں نے متخلّفین کی طرح رسول اللہ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں عُذرخواہی کے لیے مجھے قائل کرنا چاہا،) کہا: کیا کوئی اور بھی اس سے (اللہ تعالیٰ کا فیصلہ آنے تک معاملے کے مؤخر ہونے سے) ہم کنار ہوا ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں! دو آدمیوں نے تمھاری طرح کہا، تو ان کو وہی جواب دیا گیا جو تمھیں دیا گیا، میں نے دریافت کیا کہ وہ دونوں کون ہیں؟ انھوں نے کہا: ایک مُرارۃ بن الرَّبیع العَمری اور دوسرے ہلال بن اُمیّہ الواقفی۔ پس انھوں نے میرے سامنے ایسے دو آدمیوں کا (نام) ذکر کیا، جنھوں نے غزوۂ بدر میں شرکت کی تھی......‘‘

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہٗ اللہ (۷۷۳-۸۵۲ ھ) فرماتے ہیں:

قوله : ((فذكروا لی رجلين صالحين ، قد شهدا بدرا)).......... و ممن جزم بأنهما شهدا بدرا أبوبكر الأثرم ، و تعقبه ابن الجوزی و نسبه إلیٰ الغلط، فلم يصب .

(فتح الباری، كتاب المغازی ، باب حديث كعب بن مالك ، ص : ٧٢٤ ، ج : ٧ دارالريان: القاهرة)

’’اور ان دونوں صحابیوں کی بدر میں شرکت پر جزم کرنے والوں میں ابوبکر الاثرم ہیں، ابن الجوزی نے ان کا تعقّب کیا اور غلطی کی طرف منسوب کیا ہے؛ لیکن ان کا تعقّب وتغلیط دُرُست نہیں ہے۔‘‘

علّامہ قسطلانی رحمہٗ اللہ (۸۵۱-۹۲۳ ھ) فرماتے ہیں:

و مـمـن جزم بأنهما شهدا بدرا الأثرم وهو ظاهر صنيع البخاری ، و تـعـقّـب الأثرمَ ابنُ الجوزی و نسبه إلی الغلط ؛ لکن قال الحافظ ابن حجر : إنه لم يصب.

(إرشاد الساری ، کتاب المغازی ، باب حديث کعب بن مالك ، ص : ۳۸۸ ، ۳۸۹ ، ج : ۹ ، العلمية : بيروت)

''اوران دونوں صحابیوں کی بدر میں شرکت پر جزم کرنے والوں میں اثرم ہیں اوریہی امام بخاری رحمہٗ اللہ کے طرز کا ظاہر ہے ۔ ابن الجوزی نے اثرم کا تعقّب کیا اوران کوغلطی کی طرف منسوب کیا ہے ؛ لیکن حافظ ابن حجر رحمہٗ اللہ نے فرمایا کہ انھوں نے (ابن الجوزی نے) درستی کونہیں پایا۔''

' الکنز المتواری فی معادن لامع الدراری و صحيح البخاری' میں علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کلام بلاتعقب منقول ہے ۔ ملاحظہ ہو: الکنز المتواری، ص : ۵۳۷ ، ج : ۱۵ ، مکتبة الحرمين : دوبئی

بندہ کہتا ہے :

حافظ ابن حجر عسقلانی اوران کے اتباع میں علامہ قسطلانی رحمہما اللہ کو یہاں وہم ہوا ہے کہ انھوں نے ابوبکر الاثرم رحمہٗ اللہ کوان دونوں صحابیوں کی بدر میں شرکت پر جزم کرنے والوں میں سے اور ابن الجوزی رحمہٗ اللہ (تقریباً ۵۱۰ یا اس سے قبل- ۵۹۷ ھ) کوان کا تعقب کرنے والا اورغلطی کی طرف منسوب کرنے والاقرار دیا ہے ؛ حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ ابوبکر الاثرم رحمہٗ اللہ ان دونوں صحابیوں کی بدر میں عدمِ شرکت پر جزم کرنے والوں میں سے ہیں ؛ چناں چہ ابن الجوزی رحمہٗ اللہ ' کشف

المشکل ' میں فرماتے ہیں:

و قوله : «فذكروا لى رجلين صالحين ، قد شهدا بدرا» هذا مما قرأته علىٰ المشايخ سنين، و ما نبهنى عليه أحد ، و لارأيت من نظر فيه من تتبع بعضهم أغلاط بعض ، فلما جمعت أسماء أهل بدر ، و ذكرت من اتفق على حضوره و من اختلف فيه لم أر لهذين الرجلين ذكراً ، فما زلتُ أبحث و أسأل فلا يدلنى أحد على محجّة ، و إذا الحديث مخرج فى الصحيحين و فى المسانيد ، و لا ينبه أحد عليه ، و لا أدرى ما وجهه ، إلىٰ أن رأيت فى كتاب «ناسخ الحديث و منسوخه» لأ بى بكر الأثرم ، و قال فيه : كان الزهرى أوحد أهل زمانه فى حفظ الحديث ، ولم يحفظ عليه من الوهم إلا اليسير ، من ذلك قوله فى هذين الرجلين : شهدا بدراً .

(كشف المشكل ، كتاب المغازى ، باب حديث كعب بن مالك ، ص : ۳۸۳ ، ج : ۵ ، مكتبة عباس أحمد الباز : مكة المكرمة)

" «فذكروا لى رجلين صالحين ، قد شهدا بدرا» یہ جملہ ان میں سے ہے ،جن کو میں نے کئی سال مشائخ پر پڑھا اور کسی نے اس جملہ پر مجھے نہیں ٹوکا اور نہ ہی میں نے دوسروں کی اغلاط کے جوئندہ لوگوں میں سے کسی کو پایا ، کہ اس نے اس جملہ میں نظر قائم کی ہو۔ جب میں نے حضرات بدریین کے اسماء گرامی کو جمع کیا اور جن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی غزوۂ بدر میں شرکت متفق علیہ اور جن کی مختلف فیہ ہے ، ان کو ذکر کیا ،تو میں نے ان دونوں صحابیوں کا ذکر نہیں پایا ، میں مسلسل چھان بین اور دریافت میں لگا رہا ،کسی نے راہِ راست پر میری رہنمائی نہ کی ، جب کہ اس

حدیث کی صحیحین اور مسانید میں تخریج ہوئی ہے اور کوئی اس پر تنبیہ نہیں کر رہا ہے۔ مجھے پتا نہیں تھا کہ اس کا سبب کیا ہے؟ یہاں تک کہ میں نے ابوبکر الاثرم کی کتاب ' ناسخ الحدیث و منسوخه ' میں دیکھا، اس میں انھوں نے کہا: زھری حفظِ حدیث میں اپنے زمانے والوں میں بے نظیر تھے، ان کے اوہام کم ہی ہیں، جن میں سے ان دو صحابیوں کے متعلق ان کا یہ قول ہے کہ: شَهِدَا بدراً (ان دونوں کی غزوۂ بدر میں شرکت ہے)۔''

امام ابن الجوزی رحمہٗ اللہ کے اِس کلام سے معلوم ہوا، کہ ابوبکر الاثرم رحمہٗ اللہ حضرت مُرارہ بن الربیع العَمری اور ہلال بن امیہ الواقفی رضی اللہ عنہما کی بدر میں شرکت کے قائل نہیں ہیں؛ اسی لیے انھوں نے امام زھری رحمہٗ اللہ کے قول شَهِدَا بدراً. (ان دونوں نے غزوۂ بدر میں شرکت کی ہے) کو ان کے اوہام میں شمار کیا ہے۔ خود حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہٗ اللہ نے کتاب المغازی، باب بلا ترجمة بعد باب فضل من شهد بدرا میں اثرم کو ان دونوں صحابیوں کی بدر میں شرکت کا اولاً انکار کرنے والا قرار دیا ہے؛ چناں چہ حافظ ابن حجر رحمہٗ اللہ فرماتے ہیں:

و قد استقرأت أول من أنكر شهودهما بدراً، فوجدته الأثرم صاحب الإمام أحمد، و اسمه أحمد بن محمد بن هانيء، قال ابن الجوزی: لم أزل متعجبا من هذا الحديث و حريصا علىٰ كشف هذا الموضع و تحقيقه حتى رأيت الأثرم ذكر الزهری و فضله، و قال: لا يكاد يحفظ عنه غلط إلا فی هذا الموضع، فإنه ذكر أن مرارة و هلالا شهدا بدرا، و هذا لم يقله أحد، و الغلط لا يخلو منه إنسان.

(فتح الباری، کتاب المغازی، باب بلا ترجمة بعد باب فضل من شهد بدرا، ص:

۳٦۱، ج: ۷، دارالریان: القاهرة)

’’میں نے ان دونوں صحابیوں کی بدر میں شرکت کا سب سے پہلے انکار کرنے والے کی جستجو کی، تو میں نے وہ انکار کرنے والا امام احمد (بن حنبل) کے تلمیذ اثرم رحمہما اللہ کو پایا، ان کا نام احمد بن محمد بن ھانی ہے۔ ابن الجوزی رحمہٗ اللہ فرماتے ہیں کہ میں اس حدیث سے مسلسل متعجب اور اس مقام کی وضاحت اور اس کی تحقیق کا خواہش مند رہا، یہاں تک کہ میں نے اثرم کو پایا کہ انھوں نے زھری کا اور ان کے فضل و کمال کا ذکر کیا اور کہا: سوائے اس مقام کے ان کی کوئی غلطی نوٹ نہیں کی جاسکتی؛ اس لیے کہ انھوں نے ذکر کیا کہ مرارہ اور ھلال رضی اللہ عنہما نے غزوۂ بدر میں شرکت کی؛ حالاں کہ یہ بات کسی نے نہیں کہی اور غلطی سے کوئی انسان خالی نہیں۔‘‘

’فتح الباری‘ کی اِس عبارت سے معلوم ہوا کہ اثرم ان دونوں صحابیوں کی بدر میں شرکت کا نہ صرف انکار کرنے والوں میں سے ہیں؛ بل کہ انکار کرنے والوں میں اوّل ہیں اور بقول ان کے زھری رحمہٗ اللہ ان دونوں صحابیوں کی بدر میں شرکت کا ذکر کرکے غلطی و وہم کے مرتکب ہوئے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

شیخ ابن القیم رحمہٗ اللہ نے یہ نہیں کہا؛ بل کہ......

☆ ’صحیح بخاری‘ میں ہے:

حدَّثَنا علـيُّ بنُ عبدِ اللّٰه قَالَ: حَدَّثَنا سفيانُ قال: سمعتُ الزهريَّ

عـن السـائـبِ بـنِ يزيدَ يقولُ : أذكرُ أنّی خرجتُ مَعَ الغلمانِ إلیٰ ثنیّةِ الوداعِ نَتَلَقّٰی رسولَ اللّٰه ﷺ و قال سفیانُ مرّةً : معَ الصبیانِ .

حدَّثَنا عبـدُ اللّٰـهِ بـنُ مـحـمدٍ قال : حدّثَنا سفیانُ عنِ الزهریّ عن السائبِ أذكرُ أنّی خرجتُ مع الصّبیانِ نَتَلَقّٰی النبیَّ ﷺ إلیٰ ثنیّةِ الوداعِ مَقْدَمَهُ مِن غزوةِ تبوكَ.

(صحیح بخاری ، كتاب المغازی ، باب كتاب النبی ﷺ إلی كِسری و قیصرَ ، ص : ٦٣٧، ج : ٢، قدیمی : كراچی)

’’ علی بن عبد اللہ، سفیان (بن عیینہ) سے، وہ زہری سے اور وہ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں ؛ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : مجھے یاد ہے، کہ میں بچّوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے استقبال کے لیے ثنیۃ الوداع کی طرف نکلا۔ (امام بخاری رحمہٗ اللہ کے شیخ علی بن عبد اللہ المدینی رحمہٗ اللہ فرماتے ہیں :) سفیان نے ایک مرتبہ بجائے " مَعَ الْغِلْمَانِ " کے " مَعَ الصِّبْیانِ " ذکر کیا۔

عبد اللہ بن محمد، سفیان سے، وہ زہری سے اور وہ حضرت سائب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے یاد ہے کہ نبی ﷺ کی غزوۂ تبوک سے تشریف آوری کے موقع پر میں بچّوں کے ساتھ آپ کے استقبال کے لیے ثنیۃ الوداع کی طرف نکلا۔‘‘

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ ’ فتح الباری ‘ میں فرماتے ہیں :

ثـم سـاقـه عـن شیخ آخر عن سفیان ، و زاد فی آخره «مـقدمه من تبوك» فأنكر الداودی هذا و تبعه ابن القیّم و قال : ثنیة الوداع من جهة مكه ، لا من جهة تبوك ؛ بل هی مقابلها كا لمشرق و المغرب .

(فتح الباری ، ص : ٧٣٥ ، ج : ٧ ، دار الریان : القاهرة)

’’ پھر امام بخاری رحمہٗ اللہ نے یہ حدیث سفیان سے روایت کرنے والے دوسرے شیخ سے نقل فرمائی اور اس کے آخر میں ((مقدمہ من تبوك)) کا اضافہ (نقل) کیا۔ داودی نے اس کا انکار کیا اور ابن القیّم نے ان کا اتباع کیا اور کہا: ثنیۃ الوداع مکہ مکرمہ کی سمت میں ہے، تبوک کی جہت میں نہیں ؛ بل کہ وہ مشرق اور مغرب کی طرح اس کے بالمقابل ہے‘‘۔

بندہ کہتا ہے:

یہاں حافظ ابن حجر رحمہٗ اللہ کو وہم ہو گیا ہے؛ کیوں کہ شیخ ابن القیم رحمہٗ اللہ نے داودی کا اتباع کرتے ہوئے یہ نہیں کہا ہے کہ ثنیۃ الوداع مکہ مکرمہ کی جہت میں ہے، تبوک کی جہت میں نہیں ؛ بل کہ شیخ ابن القیم رحمہٗ اللہ نے تو یہ کہا ہے، کہ بعض رُواۃ کو یہاں وہم ہو جاتا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے استقبال کا واقعہ آپ کی مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ زادہما اللہ شرفاً تشریف آوری کے موقع پر ہے۔ ابن القیم رحمہٗ اللہ ان بعض رُواۃ پر رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: یہ کھلا ہوا وہم ہے؛ کیوں کہ ثنیات الوداع مقام شام کی جہت میں ہے، مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ آنے والا نہ ثنیات الوداع کو دیکھتا ہے، نہ اس کے پاس سے گزرتا ہے، مگر یہ کہ جب وہ شام کا قصد کرے۔ ’زاد المعاد‘ لابن القیم میں ہے:

فصل: فلما دنا رسول الله ﷺ من المدينة، خرج الناس لتلقيه، و خرج النساء و الصبيان و الولائد يقلن:

طلع البدر علينا	من ثنيات الوداع
وجب الشكر علينا	ما دعا لله داع

و بعض الرواۃ یھم فی ھذا و یقول : إنما کان ذلك عند مقدمه إلی المدینة من مکة ، وھو وھم ظاھر، لأن ثنیات الوداع إنما ھی من ناحیة الشام ، لا یراھا القادم من مکة إلی المدینة ، و لا یمرّ بھا إلا إذا توجّه إلی الشام .

(زاد المعاد ، فصل بعد فصل فی أمر مسجد الضرار الذی نھی اللّٰه رسوله أن یقوم به فھدمه ﷺ ، ص : ٤٨٢ ، العلمیة : بیروت ، الطبعة الثانیة : ١٤٢٨ھ)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہ اختلاف بھی ذکر فرمایا ہے اور اس کی یہ تطبیق بھی

☆ حضرت ابراھیم خلیل اللہ علیہ السلام کو نار نمرود میں ڈالا گیا ، تو آپ نے حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ یا حَسْبِیَ اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ فرمایا تھا۔ یہ جملہ آپ نے بالکل شروع میں ادا فرمایا تھا یا آخر میں ؟ بعض احادیث میں اس سے تعرض نہیں کیا گیا ہے، مثلاً :

حَدَّثَنَا أحمدُ بنُ یونسَ أُراہ قال : حدثنا أبوبکر ، عَنْ أبي حَصِیْنٍ ، عَنْ أبي الضُّحیٰ ، عَن ابن عَبّاسٍ ــ رضی اللّٰه عنھما ــ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ قَالَھَا إبراھیمُ ــ علیه السلام ــ حِیْنَ أُلْقِیَ فِی النَّار......

(صحیح بخاری ، کتاب التفسیر ، باب ﴿ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ ﴾ الآیة ، حدیث : ٤٥٦٣، ص : ٦٥٥ ، ج : ٢ ، قدیمی : کراچی)

حَدَّثَنَا وَکِیْعٌ ، عَنْ زکریا ، عَنْ الشَّعْبِیّ ، عَنْ عبدِ اللّٰهِ بنِ عَمْرو

ــرضـی اللّٰہ عنهما ــ قـال : لَـمَّـا أُلْـقِیَ إبراهیمُ علیه السلام فِی النَّارِ قال : حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ .

(الـمـصـنف لابـن أبـی شیبة ، حـدیـث :۳۰۲۰٤ ، ص : ۳۰۰ ، ۳۰۱ ، ج : ۱۵ ، دارقرطبة : بیروت)

ان احادیث میں اولیت یا آخریت سے کوئی تعرض نہیں ہے۔

' الـمُـصـنَّف ' لابن أبی شیبة **کی حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی حدیث کے ذیل کے طریق میں حضرت ابراھیم علیہ السلام سے یہ جملہ ابتداء میں کہنا منقول ہے:**

حَدَّثَنَا الْـفَضْلُ بنُ دُکَیْنٍ ، عَنْ سُفیانَ ، عَنْ فِرَاسٍ ، عَن الشَّعْبِیِّ ، عَنْ عبـدِ اللّٰهِ بنِ عمرٍو ــ رضـی اللّٰه عنهما ــ قـال: أوّلُ کَلِمَةٍ قَالَهَا إبراهیمُ ــ علیه السلام ــ حِیْنَ أُلْقِیَ فِی النّارِ : حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ .

(الـمـصـنف لابـن أبـی شیبة ، حـدیـث :۳۲٤۹۰ ، ص : ۵۲۵ ، ۵۲٦ ، ج : ۱٦ ، دارقرطبة : بیروت)

حَدَّثَنَا الْـفَضْلُ ، عَنْ سُفیانَ ، عَنْ فِرَاسٍ ، عَن الشَّعْبِیِّ ، عَنْ عبدِ اللّٰهِ بنِ عمرٍو ــ رضـی اللّٰه عنهما ــ قـال: أوّلُ کَـلِمَةٍ قَالَهَا إبراهیمُ علیه السلام حِیْنَ طُرِحَ فِی النّارِ : حَسْبِیَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ .

(الـمـصـنف لابـن أبـی شیبة ، حدیـث :۳٦۹۷۷ ، ص : ۵۳۹ ، ج : ۱۹ ، دارقـرطبة : بیروت)

' صـحیـح بخـاری ' **کی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث**

کے ذیل کے طریق میں اس جملہ کا آخر میں کہنا منقول ہے:

حَدَّثَنَا مـالكُ بـنُ إسماعيلَ قال : حدثنا إسرائيلُ ، عَنْ أبى حَصِيْنٍ ، عَنْ أبى الضُّحىٰ ، عَن ابنِ عَبّاسٍ ــ رضى الله عنهما ــ قال : كَانَ آخِرَ قَوْلِ إبراهيمَ ــ عليه السلام ــ حِيْنَ أُلْقِىَ فِى النّارِ : حَسْبِىَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ .

(صحيح بخارى ، كتاب التفسير ، باب ﴿ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ ﴾ الآية ، حديث : ٤٥٦٤، ص : ٦٥٥ ، ج : ٢ ، قديمى : كراچى)

عالَمِ اسلام کے معروف عالِمِ دین شیخ محمد عوّامہ حفظہ اللہ ' المصنف ' لابن أبی شيبة پر اپنی تعلیق میں فرماتے ہیں، کہ حافظ (ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ) نے روایتوں کے اس اختلاف سے تعرض نہیں کیا ہے۔ شیخ موصوف روایتوں میں تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں، کہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ جملہ جو حضرت ابراھیم علیہ السلام نے ادا فرمایا تھا، پہلا جملہ بھی ہوگا اور آخری جملہ بھی۔ یعنی پہلے بھی ادا فرمایا ہوگا اور آخر میں بھی۔ ' المصنف ' لابن أبی شيبة میں یہ جملہ ابتداء میں کہنے پر دلالت کرنے والی حدیث: ۳۲۴۹۰، جو ماقبل میں نقل کی گئی ہے، کے تحت تعلیق میں ہے:

لـكـن الـمـعـروف أن هذا القول آخر ما قاله إبراهيم عليه الصلاة و السـلام ، كـمـا جـاء فى رواية البخارى ، (٤٥٦٤) من حديث ابن عباس ، ولـم يـعـرض الـحـافظ لهذا الاختلاف ، ويمكن القول : إن هذه الكلمة هى أول كلمة و آخر كلمة قالها إبراهيم عليه الصلاة و السلام .

(المصنف لابن أبى شيبة ، تحت حديث : ٣٢٤٩٠ ، ص : ٥٢٦ ، ج : ١٦ ، دارقرطبة: بيروت)

بندہ کہتا ہے:

یہ شیخ محمد عوّامہ حفظہ اللہ ورعاہ کا وہم ہے؛ اس لیے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (۷۷۳-۸۵۲ھ) نے یہ اختلاف بھی ذکر فرمایا ہے اور اس کی یہ تطبیق بھی۔ حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے أحمد بن یونس عن أبي بکر عن أبي حصین کے طریق سے مذکور روایت کے تحت اختلاف کی تفصیل ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے، کہ بعد والی روایت: مالك بن اسماعیل عن إسرائیل عن أبي حصین کے طریق سے مذکور روایت، میں یہ جملہ حضرت ابراھیم علیہ السلام کا آخر میں کہنا منقول ہے، اسی طرح حاکم کی مذکورہ روایت میں واقع ہوا ہے، نسائی میں یحییٰ بن أبي بکیر عن أبي بکر کے طریق سے مروی روایت میں بھی اسی طرح ہے اور 'مستخرج أبي نعیم' کی عبید اللّٰہ بن موسی عن إسرائیل کے طریق سے اسی سند سے (جو 'صحیح بخاری' میں مذکور ہے) مروی روایت میں ابتداء میں کہنا منقول ہے۔ اس کے بعد حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تطبیق دیتے ہوئے لکھا ہے، کہ ممکن ہے، پہلے بھی کہا ہو اور آخر میں بھی کہا ہو۔ 'فتح الباری' میں ہے:

قوله: «قالها إبراهيم عليه السلام حين ألقى فى النار» فى الرواية التى بعدها أن ذلك آخر ما قال، و كذا وقع فى رواية الحاكم المذكورة، ووقع عند النسائى من طريق يحيى بن أبي بكير عن أبي بكر كذلك، و عند أبي نعيم فى «المستخرج» من طريق عبيد اللّٰه بن موسى عن إسرائيل بهذا الإسناد أنها أول ما قال، فيمكن أن يكون أول شيء قال و آخر شيء قال. و اللّٰه أعلم.

(فتح البارى، كتاب التفسير، باب ﴿ٱلَّذِينَ قَالَ لَهُمُ ٱلنَّاسُ إِنَّ ٱلنَّاسَ قَدْ جَمَعُوا۟ لَكُمْ﴾)

حدیث : ٤٥٦٣ ، ٤٥٦٤ ، ص : ١٥ ، ج : ١٠ ، دار طیبة : الریاض)

ابوصالح سَلْمُوْیَہ کی 'صحیح بخاری' میں ایک حدیث ہے یا دو؟

☆ 'صحیح بخاری' کتاب التفسیر **میں ہے:**

حدّثنا یحیی بنُ بُکیرٍ قال : حدّثنا اللیثُ عن عُقیلٍ عن ابنِ شھابٍ ح و حدّثنی سعیدُ بنُ مروان البغدادیُّ قال : حدّثنا محمدُ بنُ عبدِ العزیزِ بنِ أبی رِزْمَۃَ قال : أَخْبَرَنا أبوصالحٍ سَلْمُوْیَہ قال : حدّثنی عبدُ اللّٰہِ عن یونسَ بنِ یزیدَ قال: أخبرنی ابنُ شھابٍ أنّ عُروۃَ بنَ الزُّبیرِ أخبرہ أنّ عائشۃَ زوجَ النبیِّ ﷺ قالت : کان أولُ ما بُدِئَ بہ رسولُ اللّٰہِ ﷺ الرؤیا الصَّادِقَۃَ فی النوم......

(صحیح بخاری ، کتاب التفسیر ، سورۃ اقرأ باسم ربك ، ص : ٧٣٩ ، ج : ٢ ، قدیمی : کراچی)

حافظ ابن حجر عسقلانی ، علاّمہ عینی اور علامہ محمد تاودی مالکی رحمہم اللہ اِس حدیث کے ایک راوی ''ابوصالح سلمویہ'' کے متعلق فرماتے ہیں کہ ان کی 'صحیح بخاری' میں یہی ایک حدیث ہے، اس حدیث کے علاوہ ان کی کوئی اور حدیث نہیں ہے۔ 'فتح الباری' میں ہے:

و ما لہ ایضاً فی البخاری سوی ھذا الحدیث .

(فتح الباری ، ص : ٥٨٦ ، ج : ٩ ، دار الریان : القاھرۃ)

'عمدۃ القاری' میں ہے:

و ما له فى البخارى إلا هذا الحديث .

(عمدة القارى ، ص : ٣٠٤ ، ج : ١٩ ، دار إحياء التراث العربى : بيروت)

' حاشية التاودى بن سودة على صحيح البخارى ' میں ہے:

و ليس له فى البخارى غير هذا الحديث .

(حاشية التاودى ، ص ; ٦٠٣ ، ج : ٤ ، العلمية : بيروت)

بندہ کہتا ہے:

' صحیح بخاری ' کتاب الكفالة **میں ایک معلّق روایت ہے:**

قـال أبـو عبدِ اللّٰه : وقال أبو صالحٍ : حدّثنى عبدُ اللّٰهِ عَنْ يونسَ عن الزهريِّ أخبرنى عروةُ بـنُ الزُّبيرِ أنّ عائشةَ قالت : لم أَعقِلْ أبويَّ قطُّ إلا وهما يَدِيْنانِ الدِّينَ ......

(صحيح بخارى ، كتاب الكفالة ، باب جوار أبى بكر الصديق فى عهد النبى ﷺ و عقده ، ص : ٣٠٧ ، ج : ١ ، قديمى : كراچى)

ابوذر کے نسخہ سے یہ تعلیق ساقط ہے اس نسخہ کے اعتبار سے ابو صالح سلمویہ کی ' صحیح بخاری ' میں ایک ہی حدیث ہوگی ، جو امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب التفسير **میں نقل فرمائی ہے۔**

ابوذر کے علاوہ رُواۃ کے نسخوں میں یہ تعلیق موجود ہے۔ اس میں '' ابو صالح'' سے کون مراد ہے؟ اس سلسلے میں تین اقوال ہیں:

(۱) **اسماعیلی نے اس پر جزم کیا ہے کہ اس سے مراد** " عبد اللّٰه بن صالح كاتبُ الليث " **ہیں۔**

(۲) دمیاطی کا خیال یہ ہے کہ اس سے " محبوب بن موسیٰ الفراء الإنطاکی " مراد ہیں۔

ان دونوں اقوال کے اعتبار سے بھی ابو صالح سلمویہ کی 'صحیح بخاری' میں ایک ہی حدیث ہوگی، جو کتاب التفسیر میں ہے۔

(۳) ابونعیم، اصیلی اور ابوعلی الجیانی وغیرہ اس بات کے قائل ہیں کہ اس سے مراد " سلیمان بن صالح المروزی" ہیں، جن کا لقب " سلمویہ " ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہٗ اللہ نے اسی کو معتمد قرار دیا ہے؛ کیوں کہ ابن السکن عن الفربری عن البخاری کی روایت میں واقع ہوا ہے: " قال أبو صالح سلمویه حدّثنا عبد اللّٰه بن المبارك ".(فتح الباری ، ص : ۵۵۷ ، ج : ٤ ، دارالریان : القاهرة) علّامہ عینی رحمہٗ اللہ نے بھی اس کے معتمد ہونے کے قول کو نقل کیا ہے۔(عمدة القاری ، ص: ۱۲۳ ، ج : ۱۲ ، دار إحیاء التراث العربی : بیروت) علامہ محمد تاودی مالکی رحمہ اللہ نے بھی اسی کو معتمد قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو: حاشیة التاودی ، ص : ٤٦٨ ، ج: ۲ ، العلمیة : بیروت

اس تیسرے قول کو اختیار کرنے کی صورت میں ابو صالح سلمویہ کی 'صحیح بخاری' میں ایک ہی حدیث ہونے کا قول وہم ہوگا؛ کیوں کہ اس صورت میں ان کی 'صحیح بخاری' میں ایک نہیں؛ بل کہ دو حدیثیں ہوں گی، الّا یہ کہ کوئی یہ تاویل کرلے کہ 'صحیح بخاری' میں ان کی ایک ہی حدیث ہونے کا مطلب متصل حدیث کا ایک ہونا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

'صحیح بخاری' کی روایت میں بھی عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی تعیین ہے

☆ علامہ زمخشری (۴۶۷-۵۳۸ھ) نے 'الکشاف' میں ایک روایت ذکر کی ہے:

و عن ابن عباس أن عمر — رضی اللّٰه عنهم — كان يدنيه و يأذن له مع أهل بدر ، فقال عبد الرحمن : أتأذن لهذا الفتى معنا وفي أبنائنا من هو مثله ؟ ! فقال : إنه ممن قد علمتم .

(الكشاف ، سورة النصر ، ص : ٦٤٣ ، ج : ٤ ، دارالحديث : القاهرة)

"حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ انھیں قریب کرتے تھے اور بدریین کے ساتھ (اپنے پاس حاضر ہونے کی) انھیں اجازت دیتے تھے، تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: کیا آپ اس نوجوان کو ہمارے ساتھ (حاضری کی) اجازت دیتے ہیں؛ حالاں کہ ہمارے بیٹوں میں اس جیسے ہیں (آپ ان کو قریب نہیں کرتے ، ہمارے ساتھ حاضری کی اجازت نہیں دیتے)؟! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یقیناً یہ نوجوان ان میں سے ہے، جن (کی رسول اللہ ﷺ سے قرابت یا جن کے علم و ذہانت) کو تم جانتے ہو۔"

علامہ زیلعی رحمہٗ اللہ (وفات: ۷۶۲ھ) 'تخريج أحاديث الكشاف' میں اس روایت کے متعلق فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہٗ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے ہم معنی روایت تخریج فرمائی ہے اور اس میں عبدالرحمٰن بن

عوف رضی اللہ عنہ کی تعیین نہیں ہے:

أخرجه البخاری من حديث ابن عباس بمعناه ، وليس فيه تعيين عبد الرحمن بن عوف .

(الكشاف ، سورة النصر ، ص : ٦٤٣ ، ج : ٤ ، دارالحديث : القاهرة)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے 'الكاف الشاف من تخريج أحاديث الكشاف' میں اس پر کوئی تعقب وتبصرہ نہیں فرمایا ہے۔

بندہ کہتا ہے:

صحيح بخاری ، كتاب التفسير ، سورة النصر ، ص : ٧٤٣ ، ج : ٢ ، قديمی : كراچی کے ابواب میں مذکور روایات اور كتاب المغازی ، باب بلا ترجمة بعد باب منزل النبی ﷺ يوم الفتح کی روایت میں بلا شبہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی تعیین نہیں ؛ لیکن كتاب المناقب اور كتاب المغازی ، باب مرض النبی ﷺ و وفاته کی روایات میں یہ تعیین ہے؛ چناں چہ صحيح بخاری ، كتاب المناقب ، باب علامات النبوة فی الإسلام میں ہے:

عَنِ ابنِ عباسٍ — رضى اللّٰه عنهما — قال : كَانَ عمرُ بنُ الخَطّابِ — رضى اللّٰه عنه — يُدْنِىْ ابنَ عباسٍ ، فقال له عبدُ الرحمنِ بنُ عوفٍ — رضى اللّٰه عنه — إنّ لنا ابناءً مثلَه ، فقال : إنّه من حيث تعلم ......

(صحيح بخاری ، ص : ٥١٢ ، ج : ١، قديمی : كراچی)

اور صحيح بخاری ، كتاب المغازی ، باب مرض النبی ﷺ و وفاته میں ہے:

عَنِ ابنِ عباسٍ — رضى اللّٰه عنهما — قال : كَانَ عُمرُ بنُ الخَطّاب —

رضـی اللّٰه عنه — يُـدْنِـیْ ابنَ عباسٍ ، فقال له عبدُ الرحمنِ بنُ عوفٍ — رضی اللّٰه عنه — إنّ لنا ابناءً مثلَه ، فقال : إنّه من حيث تعلم ......

(صحيح بخاری ، ص : ٦٣٧ ، ٦٣٨ ، ج : ٢ ، قديمی : کراچی)

کتاب الأحکام میں نہیں، کتاب التوحید میں ہے

’ صحيح بخاری ‘ کتاب فضائل القرآن **میں ہے**:

باب مَنْ لَمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ .

(صحيح بخاری ، ص : ٧٥١ ، ج : ٢ ، قديمی : کراتشی)

حافظ ابن حجر عسقلانی (۷۷۳ - ۸۵۲ ھ) اور علامہ عینی (۷۶۲ - ۸۵۵ ھ) رحمہما اللہ فرماتے ہیں، کہ یہ ترجمہ ایک حدیث کے الفاظ ہیں، جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابن جريج عن ابن شهاب کے طریق سے حدیث الباب کی سند سے ((مَـنْ لَـمْ يَتَـغَـنَّ بِـالْـقُرْآنِ فَلَيْـسَ مِنَّـا)) کے الفاظ کے ساتھ ” کتاب الأحکام “ میں ذکر فرمایا ہے؛ چناں چہ ’ فتح الباری ‘ میں ہے:

قـولـه : (بـاب من لم يتغن بالقرآن) هـذه التـرجمة لفظ حديث أورده الـمـصـنف فـی الأحـكـام مـن طـريق ابن جريج عن ابن شهاب بسند حديث الباب بلفظ : ((من لم يتغن بالقرآن فليس منّا)) .

(فتـح البارى ، كتاب فضائل القرآن ، باب من لم يتغن بالقرآن ، ص : ٢٥٦ ، ج : ١١ ، دارطيبة : الرياض)

’ الکنز المتواری ‘ میں حافظ ابن حجر رحمہٗ اللہ کے حوالے سے ان کا یہ کلام بلاتعقب منقول ہے، ملاحظہ ہو: الکنز المتواری ص : ٣٦٣ ، ٣٦٤ ، ج : ١٧ ، مکتبة الحرمین : دوبئی

’ عمدة القاری ‘ میں ہے:

وهـذه الترجمة لفظ حديث أخرجه البخاری فی الأحكام من طريق ابن جريج عن ابن شهاب بسند حديث الباب بلفظ «من لم يتغن بالقرآن فليس منا» .

(عمدة القاری ، كتاب فضائل القرآن ، باب من لم يتغن بالقرآن ، ص : ٣٩ ، ج: ٢٠ ، دارإحياء التراث العربی : بيروت)

شیخ الاسلام زکریا الانصاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تقریباً یہی بات نقل کی ہے؛ چناں چہ ’ منحة الباری بشرح صحيح البخاری ‘ المسمّٰی ’ تحفة الباری‘ میں ہے:

و الترجمة بـ «من لم يتغن بالقرآ ن» لفظ حديث أخرجه البخاری فی الأحكام بلفظ : «من لم يتغن بالقرآن فليس منا» .

(منحة الباری ، كتاب فضائل القرآن ، باب من لم يتغن بالقرآن ، ص : ٣٠٠ ، ج : ٨ ، الرشد : الرياض)

علامہ محمد تاودی مالکی رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۱۱ - ۱۲۰۹ھ) نے بھی حدیث کی تخریج کی نسبت حافظ ابن حجر ، علامہ عینی ، شیخ الاسلام زکریا الانصاری رحمہم اللہ کی طرح "کتاب الأحکام" کی طرف کی ہے،’ حاشية التاودی بن سودة على صحيح

البخاری ‘ میں ہے:

هذه الترجمة لفظ حديث أورده المصنف فى الأحكام .

(حاشية التاودى بن سودة ، كتاب فضائل القرآن ، باب من لم يتغن بالقرآن ، ص : ۲۹ ، ج : ۵ ، العلمية : بيروت)

بندہ کہتا ہے:

یہ ان حضرات کا وہم ہے؛ کیوں کہ مذکورہ ترجمہ جس حدیث کے الفاظ ہیں، وہ ” کتاب الأحکام “ میں نہیں ؛ بل کہ ” کتاب التوحید “ میں ہے؛ چناں چہ ’ صحیح بخاری ‘ کتاب التوحید میں ہے:

حَدَّثَنَا إسحاقُ ، قَالَ أَخْبَرَنَا أبُوعاصمٍ ، أَخْبَرَنَا ابنُ جُرَيجٍ ، قَالَ : أَخْبَرَنَا ابنُ شهابٍ عَنْ أبى سلمةَ عَنْ أبى هريرةَ قَالَ : قَالَ رسولُ اللّٰهِ ﷺ : لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآن .

(صحيح بخارى ، كتاب التوحيد ، باب قول اللّٰه : ﴿ وَأَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ أَوِاجْهَرُوْا بِهٖ ﴾ الخ ، ص : ۱۱۲۳ ، ج : ۲ ، قديمى : كراتشى)

اسی سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ حافظ ابن حجر، علامہ عینی اور شیخ الاسلام زکریا الانصاری رحمہم اللہ نے حدیث ((مَنْ لَمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ فَلَيْسَ مِنَّا)) کے الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے، حالاں کہ حدیث ((لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرآنِ)) کے الفاظ کے ساتھ ہے۔

’ صحیح بخاری ‘ کتاب التوحید میں اس حدیث کی تخریج سے علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ (۷۱۷-۷۸۶ ھ) کا ایک وہم ثابت ہوا، جنھوں نے ایک

اشکال کے متعدد جوابات میں سے ایک جواب میں ذکر کیا ہے، کہ حدیث ((مَنْ لَمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرآنِ فَلَيْسَ مِنَّا)) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی شرط پر نہیں؛ اس لیے امام بخاری رحمہٗ اللہ نے اسے ذکر نہیں کیا۔ ' شرح البخاری للکرمانی ' میں ہے:

فإن قلت : الحديث أثبت التغنى بالقرآن ، فلم ترجم الباب بقوله ((من لم يتغن)) بصورة النفى ؟

قلت : إما باعتبار ماروى عنه صلى الله تعالىٰ عليه و سلم أنه قال : ((من لم يتغن بالقرآن فليس منا)) فأراد الاشارة إلى ذلك الحديث ، و لما لم يكن بشرطه لم يذكره .

(شرح البخارى للكرمانى ، كتاب فضائل القرآن ، باب من لم يتغن بالقرآن ، ص : ۳۱، ج : ۱۹ ، دار إحياء التراث العربى : بيروت)

وجہ وہم ظاہر ہے کہ حدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی شرط پر ہے اور انھوں نے اس کو اگر چہ كتاب فضائل القرآن کے باب من لم يتغن بالقرآن میں ذکر نہیں کیا ہے؛ لیکن كتاب التوحيد ، باب قول الله : ﴿ وَأَسِرُّوا قَوْلَكُمْ أَوِ اجْهَرُوا بِهِ ﴾ الخ میں ((ليس منا من لم يتغن بالقرآن)) کے الفاظ کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس وہم کا ذکر علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے ' عمدة القارى ' میں کیا ہے، اگر چہ وجہ وہم کے بیان میں علامہ عینی رحمہٗ اللہ کو حدیث کی تخریج کی نسبت كتاب التوحيد کی بجائے كتاب الأحكام کی طرف کرنے میں وہم ہو گیا ہے۔ ' عمدة القارى ' میں ہے:

وجه الوهم أنه قال : و لما لم يكن بشرطه ، فكيف يقول ذلك وقد

أخرجه البخاری فی الأحکام کما ذکرناه .

(عمدة القاری ، کتاب فضائل القرآن ، باب من لم یتغن بالقرآن ، ص : ۳۹ ، ج : ۲۰ ، دار إحیاء التراث العربی : بیروت)

کتاب النکاح میں نہیں، کتاب الأدب میں ہے

☆ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہٗ اللہ (۷۷۳-۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

و یدلُّ علیٰ أن التسمیۃَ لَا تختصُّ بِالسّابعِ مَا تَقدّمَ فی النکاحِ مِنْ حدیثِ أبِی أُسَیْدٍ أنه ((أتی النبیَّ ﷺ بِابنِهِ حین وُلِدَ فسمّاه المنذرَ))

(فتح الباری ، کتاب العقیقة ، باب تسمیة المولود الخ ، ص : ۵۰۲ ، ج : ۹، دارالریان: القاهرة)

’’ بچّے کا نام رکھنا ساتویں دن کے ساتھ خاص نہیں ہے ، اس پر حضرت ابواُسَید رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث دلالت کرتی ہے، جو کتاب النکاح میں گزر چکی کہ ((أتی النبیَّ ﷺ بِابنِه حین وُلِد فسمّاه المنذرَ)) وہ اپنے بیٹے کو جب پیدا ہوئے، نبیِ کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں لائے ،تو آپ نے اس کا نام منذر رکھا۔‘‘

بندہ کہتا ہے :

حافظ ابن حجر رحمہٗ اللہ نے حضرت ابواُسید رضی اللہ عنہ کی حدیث کا حوالہ دیا کہ کتاب النکاح میں گزر چکی ، یہ موصوف کا وہم ہے؛ کیوں کہ یہ حدیث کتاب النکاح میں نہیں؛ بل کہ آگے کتاب الأدب ، باب تحویل الاسم إلیٰ اسم هو

أحسن منه میں ہے۔ مکمل حدیث حسبِ ذیل ہے:

......عَنْ سهل قال : أُتِيَ بِالمنذرِ بنِ أبى أُسَيْدٍ إلىٰ النبيّ ﷺ حين وُلِدَ ، فَوَضَعَهُ علىٰ فَخِذِهِ ، وَ أبو أُسيدٍ جَالِسٌ ، فَلَهِيَ النبيُّ ﷺ بِشَيْءٍ بينَ يَدَيْهِ ، فَأَمَرَ أبوأُسيدٍ بِابنِهِ ، فَاحْتُمِلَ مِنْ فَخِذِ النبيّ ﷺ ، فَاسْتَفَاقَ النبيُّ ﷺ فقال النبيُّ ﷺ : أَينَ الصَّبِيُّ ؟ فقال أبوأُسَيْدٍ : أَقْلَبْنَاهُ يا رسول اللّٰه ، قال : مَا اسْمُهُ ؟ قال : فُلانٌ ، قال : (لَا) ولٰكِن اسمُهُ المُنذرُ . فَسَمّاهُ يومئذ المُنْذِرَ .

(صحيح بخارى ، كتاب الأدب ، باب تحويل الاسم إلى اسم هو أحسن منه ، ص : ٩١٤ ، ج : ٢ ، قديمى : كراچى)

’’......حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ منذر بن ابی اُسید رضی اللہ عنہما کو جب پیدا ہوئے ، نبی ﷺ کی خدمت اقدس میں لایا گیا ، تو آپ نے ان کو اپنی ران مبارک پر رکھا ، ابواُسید رضی اللہ عنہ (بھی ساتھ) بیٹھے تھے ، نبی ﷺ اپنے سامنے کسی چیز میں مشغول ہو گئے ، تو ابواُسید رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے (کے اٹھا لینے) کے متعلق (کسی کو) حکم دیا ، پس ان کو نبی ﷺ کی ران مبارک سے اٹھا لیا گیا ، پھر نبی ﷺ اپنی مشغولیت سے فارغ ہوئے ، تو نبی ﷺ نے فرمایا : بچّہ کہاں ہے؟ ابواُسید رضی اللہ نے عرض کیا : یا رسول اللہ ! ہم نے اس کو گھر بھجوا دیا ۔ آپ نے دریافت فرمایا : اس کا نام کیا ہے؟ عرض کیا : فلاں ، آپ نے فرمایا : (نہیں ؛) لیکن اس کا نام ’’مُنذِر‘‘ ہے ، تو اس دن آپ نے ان کا نام ’’مُنذِر‘‘ رکھا ۔‘‘

☆☆☆☆☆

درج ذیل حدیث کے مقاماتِ تخریج کی نشان دہی میں اور یہ کون سی طویل حدیث کا جزء ہے؟ اس کی تعیین میں واقع ہونے والے اوہام

☆ 'صحیح بخاری' میں ہے:

باب الارْتدافِ علیٰ الدّابّةِ . حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قال : حدَّثَنا أبو صفوانَ ، عَنْ يونسَ بنِ يزيدَ ، عَنْ ابْنِ شِهابٍ ، عن عُروةَ ، عن أُسامةَ بنِ زيدٍ — رضی اللّٰه عنهما — أنّ رسولَ اللّٰه ﷺ رَكِبَ علیٰ حمارٍ علیٰ إكافٍ عَلَيْهِ قَطِيْفَةٌ فَدَكِيَّةٌ ، وَ أَرْدَفَ أسامةَ وَرَائَهُ .

(صحیح بخاری ، كتاب اللباس ، باب الارتداف على الدابة ، ص : ۸۸۱ ، ۸۸۲ ، ج : ۲ ، قدیمی : کراچی)

"سوار کا جانور پر دوسرے کو اپنے پیچھے سوار کرنے کے بیان میں یہ باب ہے ...... حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ گدھے پر، پالان پر سوار ہوئے ، اس پر فدَک کی بنی ہوئی روئیں دار چادر تھی اور آپ ﷺ نے اپنے پیچھے اسامہ رضی اللہ عنہ کو سوار کیا۔"

(۱) علامہ ابن الملقّن رحمۃ اللہ علیہ کا وہم

علامہ ابن الملقّن رحمۃ اللہ علیہ (۷۲۳—۸۰۴ھ) 'التوضيح لشرح الجامع الصحيح' میں فرماتے ہیں:

هذا الحديث سلف فی الحج .

(التوضيح ، كتاب اللباس ، باب الارتداف على الدابة ، ص : ٢١٩ ، ج : ٢٨ ، وزارة الأوقاف : قطر)

’’یہ حدیث کتاب الحج میں گزری۔‘‘

بندہ کہتا ہے:

یہ علامہ ابن الملقّن رحمۃ اللہ علیہ کا وہم ہے؛ اس لیے کہ یہ حدیث کتاب الحج میں قطعاً نہیں گزری۔ ہاں! کتاب الحج کی ایک روایت میں بے شک وارد ہے، کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ردیف بنے تھے؛ لیکن وہ حجۃ الوداع کے موقع کی بات ہے، عرفات سے مزدلفہ کے راستے میں آپ ﷺ نے انھیں ردیف بنایا تھا:

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قال : حدّثنا إسماعيلُ بنُ جَعْفَرٍ ، عَنْ محمدِ بنِ أبی حَرْمَلَةَ عَنْ كُرَيْبٍ مولى ابنِ عبّاسٍ ، عن أسامةَ بنِ زيدٍ — رضى اللّٰه عنهم — أنّهُ قال : رَدِفْتُ رسولَ اللّٰهِ ﷺ مِنْ عَرَفاتٍ ، فَلَمّا بَلَغَ رسولُ اللّٰهِ ﷺ الشِعْبَ الأيْسَرَ الّذى دُوْنَ الْمزدلفةِ أنَاخَ ، فَبالَ ، ثُمَّ جاءَ فَصَبَبْتُ عَلَيْهِ الوَضُوءَ ، فَتَوَضّأَ وُضُوءً خفيفاً ، فقلتُ : الصلاةُ (الصلاةَ) يا رسول اللّٰه ، قال : الصلاةُ أمامَك ، فَرَكِبَ رسولُ اللّٰهِ ﷺ حتّى أتَى المزدلفةَ ، فَصَلّى ، ثم رَدِفَ الفضلُ رسولَ اللّٰهِ ﷺ غداةَ جَمْعٍ ......

(صحيح بخارى ، كتاب الحج ، باب النزول بين عرفة و جمع ، ص : ٢٢٦ ، ج : ١ ، قديمى : كراچى)

اوراس وقت آپ ﷺ قصواء اونٹنی پر سوار تھے، جیسا کہ 'صحیح مسلم' وغیرہ میں صراحتاً منقول ہے:

.... ثُمَّ رَكِبَ رسولُ اللّٰهِ ﷺ حتّی أَتَی الْمَوْقِفَ ، فَجَعَلَ بَطْنَ نَاقَتِهِ الْقَصْوَاءِ إلی الصَّخراتِ ، و جعل حَبْلَ الْمُشاةِ بَيْنَ يَدَيْهِ ، وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ، فَلَمْ يَزَلْ وَاقِفاً حتّی غَرَبَتِ الشَّمْسُ ، وَذَهَبَتِ الصُّفْرَةُ قليلاً حتّی غاب الْقُرْصُ ، وَأَرْدَفَ أسامةَ خَلْفَهُ ، وَدَفَعَ رسولُ اللّٰهِ ﷺ و قد شَنَقَ لِلْقَصْواءِ الزِّمامَ ، حتّی إنّ رأسَها لَيُصِيْبُ مَوْرِكَ رَحْلِهِ ، وَ يَقُوْلُ بِيَدِهِ الْيُمْنیٰ : ((أَيُّها النّاسُ ! السَّكِيْنَةَ السَّكِيْنَةَ)) كُلّما أَتیٰ حَبْلاً مِنَ الْحِبَالِ أَرْخیٰ لَهَا قليلاً ، حتّی تَصْعَدَ ، حتّی أتیَ المزدلفةَ......

(الكتب الستة ، صحيح مسلم ، كتاب الحج ، باب حجة النبی ﷺ ، حديث : ۲۹۵۰، ص : ۸۸۱ ، دارالسلام : الرياض)

جب کہ مجوث عنہ حدیث میں مدینہ منورہ کا قصہ ہے، جب رسول اللہ ﷺ حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو گدھے پر ردیف بنا کر حضرت سعد بن عُبادہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے تشریف لے جارہے تھے، جیسا کہ 'صحیح بخاری' کی حسب ذیل مفصل روایت میں منقول ہے:

حَدَّثَنَا أبو اليمانِ قال : أَخْبَرَنَا شُعيبٌ ، عَنِ الزهریِّ قال : أَخْبَرَنی عروةُ بنُ الزُّبيرِ أنّ أسامةَ بنَ زيدٍ — رضی اللّٰه عنهما — أَخْبَرَهُ أنّ رسولَ اللّٰه ﷺ رَكِبَ علیٰ حمارٍ علیٰ (عليه) قَطِيْفَةٌ فَدَكِيَّةٌ ، و أردف أسامةَ بنَ زيدٍ وراءه يَعُوْدُ سَعْدَ بنَ عُبَادَةَ فِی بنی الحارثِ بنِ الْخَزْرَجِ قبلَ وقعةِ بدرٍ . قال :

حتّی مَرَّ بِمَجْلِسٍ فِیْهِ عبدُ اللّٰهِ بنُ أُبَیّ ابنُ سَلُولَ ، و ذلك قبلَ أنْ يُسْلِمَ عبدُاللّٰهِ بنُ أُبیّ ، فإذا فی المجلسِ أخلاطٌ مِن المسلمينَ و المشركينَ و عَبَدَةِ الأوْثانِ و اليهودِ و المسلمينَ ، و فی المجلسِ عبدُ اللّٰه بنُ رَوَاحَةَ ، فلمّا غَشِيَتِ المجلسَ عَجَاجَةُ الدّابّةِ خَمَّرَ عبدُ اللّٰهِ بنُ أُبَیٍّ أنْفَهُ بِرِدَائِهِ ثُمَّ قال : لا تُغَبِّرُوْا علينا . فَسَلَّمَ رسولُ اللّٰهِ ﷺ عليهم ، ثُمّ وَقَفَ فَنَزَلَ فَدَعَاهم إلی اللّٰهِ و قرأ عليهم القرآن ، وقال (فقال) عبدُ اللّٰهِ بنُ أُبیّ ابنُ سَلُوْلَ : أيُّها المرءُ ، إنّهُ لا أحْسنَ ممّا تَقُولُ إن كان حَقًّا فلا تُؤذِينا (فلا تؤذنا) بِهِ فِی مجالِسِنَا ، ارْجِعْ إلی رَحْلِكَ فَمَنْ جاءك فاقْصُصْ عليه . فقال عبدُ اللّٰهِ بنُ رَوَاحَةَ : بلیٰ يا رسولَ اللّٰهِ ، فَاغْشَنَا بِهِ فِی مَجَالِسِنا ، فإنا نُحِبُّ ذلك . فَاسْتَبَّ المسلمونَ و المشركونَ و اليهودُ حتّی كَادُوا يَتَثَاوَرُوْن ، فَلَمْ يَزَلِ النبیُّ ﷺ يُخَفِّضُهم حتّی سَكَنُوا (سَكتوا) . ثمّ رَكِبَ النبیُّ ﷺ دابّتَهُ ، فَسَارَ حتّی دخل علی سعدِ بنِ عُبادَةَ ، فقال لَهُ النبیُّ ﷺ : يا سعدُ ، أَلَمْ تَسْمَعْ ما قال أبو حُبَابٍ يُرِيْدُ عبدَ اللّٰهِ بنَ أُبَیٍّ قال كذا و كذا ، قال سعدُ بنُ عبادةَ : يا رسولَ اللّٰهِ ، اعفُ عنهُ و اصْفَحْ عنهُ ، فَوَالّذی أَنْزَلَ عليك الكتابَ لقد جاءَ اللّٰهُ بالحقّ الذی نزّل (أنزل) عليك ، وَلَقَدِ اصْطَلَحَ أهْلُ هذه البُحَيْرَةِ علیٰ أنْ يُتَوِّجُوهُ فيُعَصِّبُوهُ بِالْعِصابةِ ، فلمّا أَبَی اللّٰهُ ذلك بِالْحَقِّ الذی أعطاك اللّٰهُ شَرِقَ بذلك ، فذلك فَعَلَ بِهِ ما رأيتَ . فَعَفَا عنهُ رسولُ اللّٰه ﷺ .

(صحيح بخاری ، كتاب التفسير ، باب قوله ﴿ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ﴾ ، ص : ٦٥٥ ، ٦٥٦ ، ج : ٢ ،

كتاب المرضى ، باب عيادة المريض راكباً و ماشياً و ردفاً على الحمار ، ص : ٨٤٥ ، ٨٤٦ ، ج : ٢ ، كتاب الأدب ، باب كنية المشرك ، ص : ٩١٦ ، ج : ٢ ، كتاب الاستئذان ، باب التسليم فى مجلس فيه أخلاط من المسلمين و المشركين ، ص : ٩٢٤ ، ٩٢٥ ، ج : ٢ ، قديمى : كراچى)

(۲) علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کے دو وہم

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ (۷۶۲—۸۵۵ھ) 'عمدة القارى شرح صحيح البخارى' **میں مبحوث عنہ حدیث الباب کے متعلق فرماتے ہیں:**

و الحديث طرف من حديث طويل مضى فى الجهاد عن قتيبة و فى الطب عن يحيى بن بكير و سيأتى فى الأدب و الاستئذان .

(عمدة القارى ، كتاب اللباس ، باب الارتداف على الدابة ، ص : ٧٦ ، ج : ٢٢ ، دار إحياء التراث العربى : بيروت)

''**اور یہ حدیث اس طویل حدیث کا جزء ہے، جو** كتاب الجهاد **میں قتیبۃ اور** كتاب الطب **میں یحیی بن بکیر کے طُرُق سے گزر چکی اور عنقریب** كتاب الأدب **اور** كتاب الاستئذان **میں آئے گی۔**''

بندہ کہتا ہے:

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کو یہاں دو وہم ہو گئے:

پہلا وہم یہ کہ انھوں نے مبحوث عنہ حدیث الباب کو كتاب الجهاد **میں قتیبۃ کے طریق سے مروی طویل حدیث کا جزء قرار دیا؛ حالاں کہ** كتاب الجهاد

میں قتیبۃ کے طریق سے اتنا ہی حصہ مروی ہے، جتنا یہاں ہے؛ بل کہ لفظ " فَدَكِيَّةٌ" کتاب الجهاد کی حدیث میں نہیں ہے، جو حدیث الباب میں ہے۔ کتاب الجهاد میں منقول حدیث حسب ذیل ہے:

حَدَّثنا قُتَيْبَةُ ، حدَّثَنَا أبوصفوانَ ، عَنْ يونسَ بنِ يزيدَ ، عن ابنِ شهابٍ ، عَنْ عُروةَ ، عَن أسامة بنِ زيدٍ ــ رضى الله عنهما — أنّ رسولَ اللّٰهِ ﷺ رَكِبَ علىٰ حمارٍ علىٰ إكافٍ عَلَيْهِ قَطِيْفَةٌ ، وَ أَرْدَفَ أسامةَ وَرَاءَهُ .

(صحيح بخارى ، كتاب الجهاد و السير ، باب الردف على الحمار ، ص : ٤١٩ ، ج : ١ ، قديمى : كراچى)

دوسرا وہم یہ کہ انھوں نے حدیث الباب کے متعلق ذکر فرمایا، کہ یہ اس طویل حدیث کا جزء ہے، جو کتاب الطب میں یحیی بن بکیر کے طریق سے گزر چکی؛ حالاں کہ یہ حدیث سرے سے کتاب الطب میں ہے ہی نہیں۔ ہاں کتاب المرضى ، باب عيادة المريض راكباً و ماشياً و ردفاً على الحمار ، ص : ٨٤٥ ، ٨٤٦ ، ج : ٢ ، قديمى : كراچى میں یحیٰ بن بکیر سے مطول مروی ہے۔

(۳) حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے تین اوہام

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (۷۷۳ــ۸۵۲ھ) ' فتح البارى بشرح صحيح البخارى ' میں مبحوث عنہ حدیث الباب کے متعلق فرماتے ہیں:

قوله : «**ركب على حمار**» هو طرف من حديث طويل تقدم أصله فى العلم ، و يأتى بهذا السند فى الاستئذان ثم فى الرقاق .

(فتح البارى ، كتاب اللباس ، باب الارتداف على الدابة ، ص : ٤٨٤ ، ج : ١٣ ، دار

طيبة : الرياض)

”یہ اس طویل حدیث کا جزء ہے، جس کی اصل کتاب العلم میں گزر چکی اوراسی سند سے کتاب الاستئذان پھر کتاب الرقاق میں آئے گی۔“

بندہ کہتا ہے:

یہاں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کو تین وہم ہوئے ہیں:

پہلا وہم یہ ہے کہ انھوں نے حدیث الباب کے متعلق لکھا، کہ یہ اس طویل حدیث کا جزء ہے، جس کی اصل کتاب العلم میں گزر چکی؛ حالاں کہ اس حدیث کی اصل کتاب العلم میں نہیں؛ بل کہ کتاب التفسير ، باب قوله : ﴿وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا﴾ ، ص : ٦٥٥ ، ٦٥٦ ، ج : ٢ اور کتاب المرضى ، باب عيادة المريض راكباً و ماشياً و ردفاً على الحمار ، ص : ٨٤٥ ، ٨٤٦ ، ج : ٢ ، قديمي : كراچی میں گزری ہے اور کتاب الأدب ، باب كنية المشرك ، ص : ٩١٦ ، ج : ٢ نیز کتاب الاستئذان ، باب التسليم فی مجلس فيه أخلاط من المسلمين و المشركين ، ص : ٩٢٤ ، ٩٢٥ ، ج : ٢ ، قديمي : كراچی میں آئے گی۔

بندہ کا ناقص خیال یہ ہے، کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث الباب میں رسول اللہ کا گدھے پر سوار ہونا اور ردیف بنانا مروی ہے، غالبًا اس سے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا ذہن کتاب العلم کی اس حدیث کی طرف چلا گیا، جس میں رسول اللہ ﷺ کا ردیف کے ساتھ رَحْل : کجاوے، پر ہونا مروی ہے۔ رَحْل : کجاوہ، کا زیادہ تر استعمال اونٹ کے لیے ہوتا ہے۔ اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے، کہ آپ

ﷺ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اونٹ پر سوار تھے؛ لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الجهاد کی روایت کے پیش نظر کتاب العلم کی روایت کے ذیل میں لکھا ہے کہ اس وقت حضرت معاذ رضی اللہ عنہ گدھے پر رسول اللہ ﷺ کے ردیف تھے؛ اس لیے انھوں نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث الباب کے متعلق تحریر فرما دیا، کہ یہ اس طویل حدیث کا جزء ہے، جس کی اصل کتاب العلم میں گزر چکی؛ حالاں کہ حدیث الباب میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو ردیف بنانے کا ذکر ہے، جب کہ کتاب العلم والی حدیث میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا ردیف ہونا مروی ہے اور دونوں حدیثوں کا مضمون بھی مختلف ہے۔ حدیث الباب تو زیر نظر مضمون کے آغاز میں پڑھ لی، ذیل میں کتاب العلم والی حدیث پڑھیے:

حَدَّثَنَا إسحاقُ بنُ إبراهيمَ قال: أنا مُعاذُ بنُ هشامٍ قال: حدّثني أبِيْ عَنْ قتادةَ قال: ثنا أنسُ بنُ مالكٍ أنّ النبيَّ ﷺ ــ و مُعَاذٌ رَدِيْفُهُ عَلَى الرَّحْلِ ــ قال: يا مُعَاذُ بنَ جَبَلٍ! قال: لَبَّيْكَ يا رسولَ اللّٰهِ و سَعْدَيْكَ قال: يا معاذُ، قال: لبيك يا رسولَ اللّٰهِ و سعديك قال: يا معاذُ، قال: لبيك يا رسول اللّٰهِ و سعديك ثَلثاً قال: مَا مِنْ أحدٍ يَشْهَدُ أنْ لا اله إلّا اللّٰهُ وَ أنّ محمداً رسولُ اللّٰهِ صِدْقاً مِنْ قلبِهِ إلّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النّارِ قال: يا رسولَ اللّٰهِ، أفَلَا أُخْبِرُ بِهِ النّاسَ فَيَسْتَبْشِرُوْا. قال: إذاً يَتَّكِلُوْا، وَ أَخْبَرَ بِهَا مُعَاذٌ عِنْدَ مَوْتِهِ تَأَثُّماً.

(صحيح بخاری، كتاب العلم، باب من خص بالعلم قوما دون قوم كراهية أن لا يفهموا، ص: ٢٤، ج: ١، قديمی: كراچی)

دوسرا وہم یہ ہے، کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا کہ و يأتي

بهـذا السـند في الاستئذان .''اوراسی سند سے کتـاب الاستئذان میں آئے گی۔''

یہاں یہ بات تو تسلیم ہے، کہ حدیث الباب کی اصل کتـاب الاستئـذان میں ہے، جیسا کہ ماقبل میں مذکور ہوا؛ لیکن کتـاب الاستئذان میں حدیث الباب کی سند سے مروی نہیں ہے؛ البتہ حدیث الباب اسی سند سے کتـاب الـجهـاد و السیـر ، باب الردف علی الحمار ، ص : ۴۱۹ ، ج : ۱ ، قدیمی کراچی میں گزر چکی ہے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث — جسے حافظ رحمہٗ اللہ نے غالبًا حدیث الباب کی اصل ٹھہرالیا ہے — بھی کتـاب الاستئذان میں ہے، لیکن اس کی سند کتاب العلم والی حدیث کی سند سے مختلف ہے اور حدیث الباب کی سند سے تو مختلف ہے ہی؛ چناں چہ کتاب الاستئذان والی حدیث یہ ہے:

حَدَّثَنَا موسیَ بنُ إسماعیلَ قال : حدثنا همّامٌ عَنْ قتادةَ ، عَنْ أنسٍ ، عَنْ مُعاذٍ — رضـی اللّٰه عنهما— قـال : أَنَا رَدِیْفُ النبيِّ ﷺ فـقال: یَا مُعَاذُ ، قـلتُ : لَبَّیْكَ وَ سَعْدَیْكَ - ثُـمَّ قـالَ مِثْلَهُ ثَلٰثاً - هَـلْ تَـدْرِیْ مَا حَقُّ اللّٰهِ عَلَی الْعِبَادِ ؟ قُلْتُ : لَا. قال : حَقُّ اللّٰهِ عَلَی الْعِبَادِ : أنْ یَعْبُدُوْهُ وَ لَا یُشْرِکُوْا بِهِ شَیْئًا، ثُـمَّ سَـارَ سَـاعَةً ، فقال : یا معاذُ ، قُلْتُ : لَبَّیْكَ وَ سَعْدَیْكَ ، قال : هَلْ تَدْرِیْ مَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَی اللّٰهِ إذا فَعَلُوْا ذلك ؟ أَلَّا یُعَذِّبَهُمْ .

(صحیح بخاری ، کتاب الاستئذان ، باب من أجاب بلبیك و سعدیك ، ص : ۹۲۷ ، ج : ۲ ، قدیمی : کراچی)

تیسرا وہم یہ ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہٗ اللہ نے حدیث الباب کی اصل کے کتـاب الـرقاق میں آنے کا ذکر فرمایا ہے؛ حالاں کہ حدیث الباب کتـاب الـرقاق

میں سرے سے ہے ہی نہیں ۔ ہاں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ والی حدیث — جس کو حافظ رحمہ اللہ نے غالبًا حدیث الباب کی اصل خیال کرلیا ہے — کتاب الرقاق میں ہے؛ لیکن سند الگ ہے:

حَدَّثَنَا هُدْبَةُ بنُ خالدٍ قال : حدثنا هَمَّامٌ قال : حدّثَنا قتادةُ حدّثنا أنسُ بنُ مالكٍ عَنْ مُعاذِ بنِ جَبَلٍ — رضی اللّٰه عنه — قال : بَيْنَا أَنَا رَدِيْفُ النبيِّ ﷺ لَيْسَ بَيْنِيْ وَ بَيْنَهُ إلَّا آخِرَةُ الرَّحْلِ ، فقال: يَا مُعَاذُ ، قلتُ : لَبَّيْكَ (يَا) رسولَ اللّٰهِ وَ سَعْدَيْكَ ، ثُمَّ سَارَ سَاعَةً ، ثُمَّ قال : يَا مُعَاذُ ، قُلْتُ : لَبَّيْكَ رسولَ اللّٰهِ وَ سَعْدَيْكَ ، ثُمَّ سَارَ سَاعَةً ، ثُمَّ قال : يَا مُعَاذُ بنَ جَبَلٍ ، قُلْتُ: لَبَّيْكَ رسولَ اللّٰهِ وَ سَعْدَيْكَ ، قال : هَلْ تَدْرِيْ مَا حَقُّ اللّٰه عَلَى عِبَادِهِ ؟ قلتُ : اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهُ أعْلَمُ ، قال : حَقُّ اللّٰهِ عَلىَ عِبَادِهِ أنْ يَعْبُدُوْهُ وَ لاَ يُشْرِكُوْا بِهِ شَيْئًا ، ثُمَّ سَارَ سَاعَةً ، ثُمَّ قال : يا معاذُ بنَ جَبَلٍ ، قُلْتُ : لَبَّيْكَ رسولَ اللّٰهِ وَ سَعْدَيْكَ ، قال : هَلْ تَدْرِيْ مَا حَقُّ الْعِبادِ عَلَى اللّٰهِ إذا فَعَلُوْهُ ؟ قلتُ : اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهُ أعْلَمُ ، قال : حَقُّ الْعِبادِ عَلَى اللّٰهِ أنْ لاَ يُعَذِّبَهُمْ .

(صحيح بخاری ، كتاب الرقاق ، باب من جاهد نفسه فی طاعة اللّٰه ، ص : ٩٦٢ ، ج: ٢ ، قديمی : كراچی)

اور جس سند کے ساتھ حضرت مُعاذ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث کتاب الرقاق میں ہے، اسی سند سے یہ حدیث كتاب اللباس ، باب إرداف الرجل خلف الرجل میں گزری ہے:

حَدَّثَنَا هُدْبَةُ بنُ خالدٍ قال : حدثنا هَمَّامٌ قال : حدّثَنا قتادةُ قال :

حـدّثـنا أنسُ بنُ مالكٍ عَنْ مُعاذِ بنِ جَبَلٍ ــ رضـى اللّٰه عنه ــ قـال: بَيْنَا أَنَا رَدِيْفُ النبيّ ﷺ لَيْـسَ بَيْـنِـىْ وَ بَيْـنَـهُ إلَّا آخِرَةُ الرَّحْلِ ، فقال: يَا مُعَاذُ ، قلتُ : لَبَّيْكَ (يـا) رسـولَ اللّٰهِ وَ سَعْدَيْكَ ، ثُمَّ سَارَ سَاعَةً ، ثُمَّ قال : يَا مُعَاذُ ، قُلْتُ : لَبَّيْكَ (يَا) رسولَ اللّٰهِ وَ سَعْدَيْكَ ، ثُمَّ سَارَ سَاعَةً ، ثُمَّ قال : يا معاذَ بنَ جَبَلٍ ، قُـلْتُ : لَبَّيْكَ (يَا) رسولَ اللّٰهِ وَ سَعْدَيْكَ ، قال : هَلْ تَدْرِىْ مَا حَقُّ اللّٰه عَلَى عِبَـادِهِ ؟ قلتُ : اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهُ أَعْلَمُ ، قال : حَقُّ اللّٰهِ عَلَىَ عِبَادِهِ أَنْ يَعْبُدُوْهُ وَ لَا يُشْرِكُوْا بِهِ شَيْئًا ، ثُمَّ سَارَ سَاعَةً ، ثُمَّ قال : يا معاذَ بنَ جَبَلٍ ، قُلْتُ: لَبَّيْكَ (يَا) رسـولَ الـلّٰـهِ وَ سَـعْـدَيْكَ ، قال : هَلْ تَدْرِىْ مَا حَقُّ الْعِبادِ عَلَى اللّٰهِ إذا فَعَلُوْهُ ؟ قلتُ : اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهُ أَعْلَمُ ، قال : حَقُّ الْعِبادِ عَلَى اللّٰهِ أَنْ لَا يُعَذِّبَهُمْ .

(صـحيـح بـخارى ، كتاب اللباس ، باب إرداف الرجل خلف الرجل و فى نسخة باب بلا ترجمة ، ص : ۸۸۲ ، ج : ۲ ، قديمى : كراچى)

یہاں یہ ملحوظ رہے ، کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کتاب العلم **والی حدیث اور** کتـاب اللباس ، کتاب الاستئذان ، کتاب الرقاق **وغیرہ والی حدیث ایک نہیں ؛ بلکہ یہ دو الگ الگ حدیثیں ہیں ۔** کتــاب الـعـلم **والی حدیث** لا الـه الا الـلّٰـه مـحمد رسول اللّٰه **کی شہادت سے متعلق ہے اور** کتاب الـلبـاس ، کتـاب الاستئذان ، کتاب الرقاق ، کتاب الجهاد و السير ، کتاب التوحيد **والی حدیث** حـق اللّٰه على العباد و حق العباد على اللّٰه **سے متعلق ہے ۔ صاحب الجمع بین الصحیحین : امام حمیدی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے متبعین نے دونوں حدیثوں کو ایک ٹھہرایا ہے ، اس کو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے وہم قرار دیا ہے ۔**

ملاحظہ ہو: فتح الباری، کتاب الجهاد و السیر، باب اسم الفرس و الحمار، ص : ۱۲۸، ج : ۷ ، کتاب الرقاق ، باب من جاهد نفسه فی طاعة اللّٰه ، ص : ٦٦٨ ، ج : ١٤ ، دار طیبة : الریاض

(۴) شیخ الاسلام زکریا الانصاری اور علامہ قسطلانی رحمہما اللہ کا وہم

شیخ الاسلام زکریا الانصاری رحمۃ اللہ علیہ (ولادت راجح قول کے مطابق ۸۲۶، وفات: ۹۲۶ھ)' منحة الباری بشرح صحیح البخاری المسمی بـ تحفة الباری ' **میں مبحوث عنہ حدیث الباب کے متعلق فرماتے ہیں:**

مرّ الحدیث فی کتاب العلم .

(منحة الباری ، کتاب اللباس ، باب الارتداف علی الدابة ، ص : ١٤٧ ، ج : ٩ ، الرشد: الریاض)

"**یہ حدیث** کتاب العلم **میں گزری**"۔

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ (۸۵۱—۹۲۳ھ)' ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری ' **میں فرماتے ہیں:**

والحدیث سبق طویلاً فی العلم .

(ارشاد الساری ، کتاب اللباس ، باب الارتداف علی الدابة ، ص : ٦٣٢ ، ج : ١٢ ، العلمیة : بیروت)

"**اور یہ حدیث** کتاب العلم **میں مطول گزری**"۔

بندہ کہتا ہے:

یہ ان حضرات کا وہم ہے۔ حدیث الباب کتاب العلم میں نہ مختصراً مذکور ہے اور نہ مطولاً۔ یہ وہم غالبًا حافظ ابن حجر رحمہٗ اللہ کے اتباع میں ہوا ہے یا منشأ وہم وہی ہے جو حافظ ابن حجر رحمہٗ اللہ کے تین اوہام میں سے پہلے وہم کے تحت مذکور ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

یہ کس سفر کا واقعہ ہے؟

☆ 'صحیح بخاری' میں ہے:

عن أبی موسیٰ رضی اللّٰہ عنہ قال: كُنّا مَعَ النبیّ ﷺ فی سفر، فكُنّا إذا عَلَوْنا كَبَّرْنا، فقال النبی ﷺ: ايُّها النّاس، ارْبَعُوا علیٰ أنفسكم، فإنكم لاتَدْعون اصمَّ ولا غائبا، ولكنْ تدْعون سميعا بصيرا. ثمّ أتى علَيَّ وأنا أقول فی نفسی: لاحول ولاقوة إلا باللّٰه، فقال: ياعبدَ اللّٰهِ بنَ قيس، قُل: لاحول ولاقوة إلا باللّٰه، فإنها كنزمن كنوز الجنة. أو قال: ألا أدُلُّك علیٰ كلمةٍ هی كنز مِن كنوزِ الجنة؟ لاحول ولا قوة إلا با للّٰه.

(صحيح بخاری، كتاب الدعوات، باب: الدعاء إذا علا عقبة، ص:۹٤٤، ج:۲، قديمی: کراچی)

"حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے؛ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے، جب ہم بلندی پر چڑھتے، تو تکبیر کہتے، نبی ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! اپنے اوپر نرمی کرو؛ اس لیے کہ تم کسی بہرے اور غائب کو

نہیں پکارتے؛ بل کہ تم بخوبی سننے والے اور دیکھنے والے کو پکارتے ہو۔ پھر آپ ﷺ میرے پاس تشریف لائے، دراں حالیکہ میں اپنے دل میں لاحول ولا قوۃ إلا باللّٰہ کہہ رہا تھا،تو آپ نے فرمایا: اے عبداللہ بن قیس! لا حول ولا قوۃ إلا باللّٰہ کہو (کہتے رہو)؛ اس لیے کہ وہ جنّت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے، یا (راوی کو شک ہے کہ) آپ نے فرمایا: کیا میں تمہیں ایسا کلمہ نہ بتاؤں، جو جنّت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے، وہ لاحول ولا قوۃ إلا باللّٰہ ہے۔"

یہ کس سفر کا واقعہ ہے؟ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ 'فتح الباری'، کتاب الدعوات میں حدیثِ مذکور کے ذیل میں فرماتے ہیں:

قوله: ((كنّا مع النبی ﷺ فی سفر)) لم أقف على تعيينه.

(فتح الباری، کتاب الدعوات، باب: الدعاء إذا علا عقبة، ص: ۱۹۱، ج: ۱۱، دارالریان: القاهرة)

"میں اس سفر کی تعیین پر واقف نہ ہوسکا۔"

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ إرشاد الساری، کتاب الدعوات میں حدیثِ مذکور کے ذیل میں فرماتے ہیں:

(**قال: كنّا مع النبی ﷺ فی سفر**) قال الحافظ ابن حجر: لم أقف على تعيينه.

(إرشاد الساری، ص: ۳۸۱، ج: ۱۳، العلمية: بيروت)

بندہ کہتا ہے:

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے 'فتح الباری' کے صرف اسی مقام پر نظر کی

ہے۔ دراصل حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کو کتاب الدعوات میں حدیثِ مذکور کی شرح کے وقت استحضار نہیں رہا، کہ یہ واقعہ غزوۂ خیبر کے سفر کا ہے۔ جب آگے کتاب القدر میں یہ روایت دو بارہ آئی، تو استحضار ہو گیا؛ چناں چہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ کتاب القدر میں فرماتے ہیں:

قوله: «كنّا مع رسول الله ﷺ فى غزاة» تقدّم فى غزوة خيبر من كتاب المغازى بيانُ أنها غزوة خيبر.

(فتح البارى، كتاب القدر، باب: لا حول ولا قوة إلا با لله، ص: ۵۰۹، ج: ۱۱، دار الريان: القاهرة)

غزوۂ خیبر کے سفر سے مراد خیبر جاتے ہوئے نہیں؛ بل کہ خیبر سے واپسی کا سفر ہے؛ کیوں کہ مدینہ منورہ زادھا اللہ شرفاً سے خیبر جاتے ہوئے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہیں تھے، وہ تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حبشہ سے فتحِ خیبر کے بعد خیبر آئے تھے۔ 'صحیح بخاری'، کتاب المغازی میں ہے:

عن أبى موسىٰ الأشعرى رضى الله عنه قال: لمّا غزا رسول الله ﷺ خيبر أو قال: لمّا توجَّهَ رسولُ الله ﷺ، أشرف الناسُ علىٰ وادٍ، فرفعوا أصواتهم بالتكبير: الله أكبر الله أكبر، لا إله إلا الله، فقال رسول الله ﷺ: اربعوا علىٰ أنفسكم، إنكم لا تدعون أصمّ ولا غائبا، إنكم تدعون سميعا قريبا، وهو معكم. وأنا خلفَ دابةِ رسول الله ﷺ فسمعنى وأنا أقول: لاحول ولا قوة إلا بالله، فقال: يا عبد الله بن قيس، قلتُ: لبيك يا رسول

اللّٰـہ، قال : ألا أدلّك علیٰ کلمة من کنز من کنوز الجنة، قلتُ : بلی یا رسول اللّٰہ، فداك أبی و أمی، قال: لاحول و لا قوة إلا باللّٰہ.

(صحیح بخاری ، کتاب المغازی ، باب غزوة خیبر، ص : ٦٠٥، ج :٢، قدیمی : کراچی)

اس حدیثِ پاک کی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قوله : ((أشرف الناس علیٰ واد— فذکر الحدیث إلیٰ قول أبی موسیٰ— فسمعنی و أنا أقول : لا حول و لا قوة إلا با للّٰہ)) هذا السیاق یوهم أن ذلك وقع وهم ذاهبون إلیٰ خیبر ولیس کذلك ؛ بل إنما وقع ذلك حال رجوعهم ، لأن أبا موسیٰ إنما قدم بعد فتح خیبر مع جعفر کما سیأتی فی الباب من حدیثه واضحا ، وعلیٰ هذا ففی السیاق حذف، تقدیره : لمّا توجه النبی ﷺ إلیٰ خیبر فحاصرها ففتحها ففرغ فرجع، أشرف الناس الخ ،

(فتح الباری ،کتاب المغازی ، باب غزوة خیبر ، ص: ٥٣٨، ج: ٧، دار الریان : القاهرة)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی یہ فرمایا ہے

☆ 'صحیح بخاری' میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے؛ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قال رسولُ اللّٰہ ﷺ : بینا أنا علیٰ بئرٍ أنزِعُ منها ، إذ جاء نی أبوبکرٍ و

عـمـرُ، فـأخـذ أبوبكرٍ الدَّلْوَ ، فنزع ذَنُوباً أو ذَنوبَيْنِ ، و فی نزعِه ضعفٌ ، فغفر اللّٰهُ له، ثم أخذها ابنُ الخطابِ مِنْ يدِ أبی بكرٍ ، فاسْتَحالتْ فی يده غَرْبا ، فلم أر عَبْقَرِياًّ مِن الناسِ يَفْرِی فَرِيَّهُ حتّی ضربَ الناسُ بِعَطَنٍ .

(صحيح بخاری ، كتاب التعبير ، باب نزع الماء من البئر حتی يروی الناس ، ص: ۱۰۳۹ ، ج : ۲ ، قديمی : كراچی)

’’رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(میں نے خواب میں دیکھا کہ) اس دوران کہ میں ایک کنویں پر تھا ، اس سے پانی نکال رہا تھا ، کہ میرے پاس ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہما) آئے ، ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے ڈول لیا ، انھوں نے ایک یا دو ڈول کھینچے ، ان کے کھینچنے میں ضعف تھا ، اللہ تعالیٰ ان کی بخشش فرمائیں ، پھر اس ڈول کو ابن الخطاب نے ابوبکر (رضی اللہ عنہما) کے ہاتھ سے لیا،تو وہ ان کے ہاتھ میں بہت بڑے ڈول میں تبدیل ہو گیا: بہت بڑا ڈول بن گیا ، میں نے لوگوں میں سے کسی ماہر کونہیں دیکھا ، جو ان کے جیسا حیرت انگیز کارنامہ انجام دیتا ہو ، یہاں تک کہ لوگ اونٹوں کو ہانک کر بٹھانے کی جگہ میں لے گئے۔‘‘

حافظ ابن حجر عسقلانی ، علامہ عینی ، علامہ قسطلانی ، علامہ محمد تاودی رحمہم اللہ اور ’الکنز المتواری ‘ کے جامع فرماتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں فرمایا: ثم أخذها ابن الخطاب مِن يدِ أبی بكر. ’’ پھر اس ڈول کو ابن الخطاب نے ابوبکر (رضی اللہ عنہما) کے ہاتھ سے لیا۔‘‘ ایسی بات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نبی ﷺ سے ڈول لینے میں مذکورنہیں ہے،

یعنی رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ نہیں فرمایا، کہ انھوں نے ڈول میرے ہاتھ سے لیا۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت عمر، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما کی وصیت سے خلافت کی باگ ڈور سنبھالیں گے، بخلاف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے، کہ ان کی خلافت رسول اللہ ﷺ کی صریح وصیت سے نہ ہوگی ؛ اگر چہ ان کی خلافت کے سلسلے میں آپ ﷺ نے کئی اشارات فرمائے، جو قریب بصریح تھے۔

’فتح الباری‘ لابن حجر العسقلانی میں ہے:

قوله : «**ثم أخذها ابن الخطاب من يد أبی بكر** » كذا هنا ، ولم يذكر مثله فی أخذ أبی بكر الدلو من النبی ﷺ ، ففيه إشارة إلىٰ أن عمر ولی الخلافةَ بعهد من أبی بكر إليه، بخلاف أبی بكر فلم تكن خلافته بعهد صريح من النبی ﷺ ؛ ولكن وقعت عدّة إشارات إلىٰ ذلك فيها ما يقرب من الصريح .

(فتح الباری ، ص : ۴۳۰ ، ج : ۱۲ ، دار الريان : القاهرة)

’عمدة القاری‘ للعينی میں ہے:

قوله : «**ثم أخذها ابن الخطاب** » أی ثم أخذ الدلو عمر بن الخطاب رضی اللّٰه تعالىٰ عنه .

قوله : « **من يد أبی بكر رضی اللّٰه تعالىٰ عنه** » فيه إشارة إلى أن عمر ولی الخلافة بعهد من أبی بكر ، بخلاف أبی بكر فإن خلافته لم تكن بعهد صريح من النبی ﷺ ؛ ولكن وقعت عدة إشارات إلىٰ ذلك فيها ما يقرب

من الصريح .

(عمدة القاری ، ص : ١٥٦ ، ج : ٢٤ ، دار إحياء التراث العربی : بيروت)

' إرشاد الساری ' للقسطلانی **میں** ہے:

(**ثم أخذها**) أی الدلوَ (**عـمـرُبنُ الخطّابِ مِن يدِ أبی بكر**) فی قـولـه : مِن يدِ أبی بكر إشارةٌ إلیٰ أن عمرَ يلي الخلافةَ مِن أبی بكر بعهد منه ، بـخـلاف أبی بكر فلم تكن خلافتُه بِعهدٍ صريحٍ منه ﷺ ؛ ولهذا لَم يقلُ : مِن يدی ، نعم وقعت عِدّةُ إشاراتٍ إلیٰ ذلك فيها ما يقرب من الصريح .

(إرشاد الساری ، ص : ٤٥٨ ، ج : ١٤ ، العلمية : بيروت)

' حاشية التاودی بن سودة علی صحيح البخاری ' **میں** ہے:

(**ثم أخذها ابن الخطاب من يد أبی بكر**) هكذا هنا ، و لم يذكر مثلـه فـی أخذ أبی بكر الدلو من يد النبی ﷺ ، فـفيـه إشارة إلی أن عمر ولی الـخـلافة بـعـهـد مـن أبـی بـكـر ، بخلاف أبی بكر فلم يكن بعهد صريح من النبیﷺ ؛ ولكن وقعت إشارات إلی ذلك تقرب من الصريح .

(حـاشية التـاودی بـن سودة عـلـی صـحيـح البخاری ، ص : ٣٣١ ، ٣٣٢ ، ج : ٦ ، العلمية: بيروت)

ہمارے دیار کی مطبوعہ ' صـحيـح بخـاری ' کے نسخوں کے حاشیے میں یہ بات قسطلانی کے حوالے سے مذکور ہے ؛ لیکن قدیمی : کراچی کے نسخے میں کتابت کی غلطی سے ما يقرب من الصريح کی بجائے و لـم يقرب الی الصريح ہوگیا ہے۔ ملاحظہ ہو: حاشیہ : ١٢ ، ص : ١٠٣٩ ، ج : ٢ اسی حاشیہ کے حوالے سے کتابت

کی مذکورہ غلطی کے ساتھ یہ کلام ’ الکنز المتواری ‘ میں منقول ہے:

قال الجامع :

قال الإمام محمد قاسم فی الحاشية : **قوله** : ((**من يد أبی بكر**))
إشارة إلى أن عمر يلی الخلافة من أبی بكر بعهد منه ، بخلاف أبی بكر فلم تكن خلافته بعهد صريح منه ﷺ ولذا لم يقل : ((من يدى)) ، نعم وقعت عدة إشارات إلى ذلك فيها و لم يقرب إلى الصريح .

(الكنز المتواری ، ص : ١٢٤ ، ج : ٢٣ ، مؤسسة الخليل الإسلامية : فيصل آباد)

بندہ کہتا ہے:

رسول اللہ ﷺ نے جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا ، کہ انھوں نے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے ہاتھ سے ڈول لیا ، ایسے ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی آپ ﷺ نے فرمایا ، کہ انھوں نے میرے ہاتھ سے ڈول لیا ؛ چناں چہ ’صحیح بخاری‘ ، کتاب التعبیر ہی میں مذکورہ باب: باب نزع الماء من البئر حتی یروی الناس کے بعد ایک باب چھوڑ کر واقع باب: باب الاستراحة فی المنام میں هَمّام عن أبی هريرة کی روایت میں یہ بات صراحتاً وارد ہے:

قال رسولُ اللّٰه ﷺ : بينا أنا نائمٌ ، رأيتُ أنّی علیٰ حوضٍ أَسقِی الناس، فأتانی أبوبكر ، فأخذ الدلوَ مِن يَدی ليُرِيْحَنی ، فَنزعَ ذَنوبَين ، و فی نزعِه ضعفٌ، واللّٰهُ يَغفِر له ، فأتى ابنُ الخطاب ، فأخذ منه ، فلم يَزَلْ يَنْزِع حتّی تولّی الناسُ و الحوضُ يَتَفَجَّرُ .

(صحيح بخاری ، كتاب التعبير، باب الاستراحة فی المنام ، ص : ١٠٤٠ ، ج : ٢ ،

قديمی : کراچی)

ملحوظہ :

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے " بـاب الاستـراحة فـی الـمنام " کے تحت هَـمّـام عـن ابی هریرة رضی اللّٰه عنه کی مذکورہ روایت کی تشریح کے موقع پر " مِن یدی " کے بغیر " فـأخـذ أبـوبـكر الدلوَ لیُریُحَنی " کے الفاظ نقل فرمائے ہیں۔ (فتـح البـاری، ص : ۴۳۳ ، ج : ۱۲، دارالـریـان : القاهرة) اور " باب نـزع الـمـاءِ من البئر حتی یروی الناس " کے تحت روایتِ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی تشریح کے دوران بھی هـمّـام عـن أبی هریرة کی روایت کا حوالہ دیتے ہوئے " مِن یدی " کے الفاظ تو نقل نہیں کیے، مگر " مِنّی " کا لفظ ذکر فرمایا ہے :

ووقع فی روایة همام الآتیة بعد هذا((فأخذ أبوبكر مِنّی الدلوَ لیریحنی)).

(فتح الباری ، ص : ۴۳۰ ، ج : ۱۲ ، دارالریان : القاهرة)

واللّٰه تعالیٰ أعلم وعلمه أتم و أحكم

یہ حدیث تو کتاب التمنی میں ہے، کتاب الفتن میں نہیں

☆ ' صحیح بخاری ' میں ہے :

حَدَّثَنا إسـحقُ بنُ نَصْرٍ قال : حدثنا عبدُ الرزاقِ عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ هَمَّام سَـمِـعَ أبـا هریرةَ رضی اللّٰه عنه عَنِ النبیّ ﷺ قـال : لَوُ کَانَ عنْدِیْ أُحُدٌ ذهباً لأَحْبَبْـتُ أنْ لا یأتی(عَلَیَّ) ثَلثٌ و عندی مِنْهُ دینارٌ لَیْسَ شیءٌ أرصدُه فِی دینٍ

عَلَيَّ أَحِدُ مَنْ يَقْبَلُهُ .

(صحيح بخاری ، كتاب التمنی ، باب تمنی الخير الخ ، ص : ۱۰۷۳ ، ج: ۲ ، قديمی)

”......نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد ہے: اگر اُحُد پہاڑ سونے کا ہونے کی حالت میں میرے پاس (میری مِلک میں) ہوتا، تو میں پسند کرتا کہ (مجھ پر) تین راتیں اس حال میں نہ گذریں، کہ اس میں سے ایک ایسا بھی دینار رہے، جس کو میرے دَین کی ادائیگی کے علاوہ روکے رکھتا، دراں حالیکہ میں اس کو قبول کرنے والا شخص پاؤں۔“

بالفاظِ دیگر: ”اگر اُحُد پہاڑ سونے کا ہونے کی حالت میں میری مِلک میں ہوتا، تو میں یہ پسند نہ کرتا کہ (مجھ پر) تین راتیں گزرنے کے بعد ایک ایسا بھی دینار رہے، جو وفائے دَین کے علاوہ کے لیے روکے رکھوں، دراں حالیکہ میں اس کو قبول کرنے والا شخص پاؤں۔“

بندہ کہتا ہے:

شیخ عبدالغنی النابلسی رحمہٗ اللہ (وفات: ۱۱۴۳ھ) نے ’ذخائر المواريث فی الدلالة علیٰ مواضع الحديث‘ میں اسحٰق بن نصر کی مذکورہ روایت کی تخریج کو ’صحيح بخاری‘، كتاب الفتن کی طرف منسوب کیا ہے، ملاحظہ ہو: ذخائر المواريث ، ص : ۱۳۳ ، ج : ٤ ، دار المعرفة : بيروت . یہ موصوف کا وہم ہے؛ کیوں کہ یہ روایت كتاب الفتن میں نہیں ہے؛ بل کہ كتاب التمنی ، باب تمنی الخير و قول النبی ﷺ: لو كان لی اُحُدٌ ذهباً میں ہے۔

روایت میں ”الوادی“ بمعنیٰ ”مکہ مکرمہ“ یا ”جنگلات“؟

☆ ’صحیح مسلم‘ میں ہے:

عن عامر بن واثلة رضی اللّٰه عنه أن نافع بن عبد الحارث لقی عمر رضی اللّٰه عنه بعسفان،وکان عمر یستعمله علیٰ مکة ، فقال : من استعملتَ علیٰ أهل الوادی ؟ فقال: ابن أبزی، قال (فقال) : ومن ابن أبزی ؟ قال : مولیً من موالینا ، قال: فاستخلفتَ علیهم مولیً ؟ قال : إنه قارئ لکتاب اللّٰه عز وجل ، وإنه عالم بالفرائض ، قال عمر: أما إن نبیکم ﷺ قد قال : إن اللّٰه یرفع بهذا الکتاب أقواما ویضع به آخرین.

(صحیح مسلم ، کتاب فضائل القرآن، باب فضل من یقوم بالقرآن ویعلمه الخ ص:۲۷۲،ج:۱،قدیمی: کراچی)

”حضرت عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہ نافع بن عبدالحارث حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عُسفان میں ملے ، دراں حالیکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو مکہ مکرمہ کا حاکم بنا رکھا تھا،تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (دریافت) فرمایا: آپ نے مکہ والوں پر کس کو (اپنی نیابت میں) حاکم بنایا ہے؟ انھوں نے عرض کیا : ابن اَبْزٰی کو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ابن ابزٰی کون ہے؟انھوں نے عرض کیا: ہمارے آزاد کردہ غلاموں میں سے ایک غلام ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ نے ان پر ایک آزاد شدہ غلام کو (اپنا) نائب بنایا؟ عرض کیا: وہ اللہ عز وجل کی کتاب کا پڑھنے والا اور فرائض کا جاننے والا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

سنو! تمھارے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: بلا شبہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کی بدولت بہت سے لوگوں کو بلند (مرتبہ) کرتے ہیں اور بہت سے لوگوں کو پست کرتے ہیں۔''

اس روایت میں جولفظ "الوادی" وارد ہے، اس سے مراد "مکۃ المکرمۃ" ہے۔ دو پہاڑوں کے درمیان جگہ کو''وادی'' کہا جاتا ہے اور مکۃ المکرّمۃ کو بھی دو پہاڑوں: جبل ابی قُبیس اور جبل قُعَیْقِعان، کے درمیان واقع ہونے کی وجہ سے "الوادی" کہا گیا ہے۔

'فضائل اعمال' میں وہم واقع ہوا ہے اور''مکہ والوں پر حاکم'' کی بجائے''جنگلات کا ناظم''یعنی "الوادی" بمعنی''جنگلات'' لکھا گیا ہے؛ چناں چہ 'فضائلِ اعمال' میں ہے:

''عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نافع بن عبد الحارث کو مکہ مکرمہ کا حاکم بنا رکھا تھا، ان سے ایک دفعہ دریافت فرمایا، کہ جنگلات کا ناظم کس کو مقرر کر رکھا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ابن اَبْزٰی کو..........

(فضائلِ اعمال،ص۲۱۸،فضائلِ قرآن،ص:۱۸، روایت:۷،زمزم پبلشرز: کراچی)

یہی روایت 'المصنف لعبد الرزاق' میں ہے، اس میں "أهل الوادی" کی تفسیر "أهل مكة" سے کی گئی ہے۔ مکمل روایت حسبِ ذیل ہے:

أخبرنا عبدالرزاق عن معمر عن الزهری قال: أخبرنی عمرو(عامر) بن واثلة أن نافع بن عبد الحارث تلقى عمر بن الخطاب إلىٰ عُسفان، فقال له عمر:من استخلفت علىٰ أهل الوادی؟— یعنی أهل مكة — قال: ابن أبزی، قال: من ابن أبزی؟ قال: رجل من موالی، قال: استخلفت عليهم مولیً ؟ قال:

إنـه قـارئ لـكتـاب اللّٰه، قال: أما إن نبيكم صلى اللّٰه عليه و سلم قال : إن اللّٰه يرفع بهذا القرآن أقواما و يضع به آخرين.

(المصنف لعبد الرزاق، باب التلقی،ص:۴۳۹،ج:۱۱،المجلس العلمی:ڈابھیل)

'مسند أبی یعلی ' کی روایت میں صراحتاً عبدالرحمٰن بن اَبْزٰ ی کے مکہ مکرمہ والوں پر نائب بنانے کا ذکر ہے، اس میں "أهل الوادی" کا لفظ سرے سے ہے ہی نہیں ؛ چناں چہ اس کے الفاظ یہ ہیں:

.......عن الحسن بن مسلم أن عمربن الخطاب استعمل ابنَ عبد الحارث علىٰ أهل مكة، فقدم عمر، فاستقبله نافع بن عبد الحارث، و استخلف علىٰ أهل مكة عبدالرحمن بن أبزٰی، فغضب عمر حتی قام فی الغرز، فقال : أتستخلف علىٰ اٰل اللّٰه عبدَ الرحمن بن أبزٰی ؟ فقال: إنّی و جدته أقرأهم لكتاب اللّٰه و أفقههم فی دين اللّٰه، فتواضع لها عمر حتّی اطمأنّ على رحله، فقال: لئن قلتَ ذاك لقد سمعتُ رسول اللّٰهﷺ يقول: إن اللّٰه سَيَرُفع بهذا الدين أقواما ويضع به آخرين.

(مسند أبی يعلی ، مسند عمر بن الخطاب ، حديث :۲۰۵ ، ص : ۱۱۱ ،ج : ۱، العلمية : بيروت)

واضح ہو، کہ 'صحیح بخاری ' وغیرہ میں ایک روایت ہے، جس میں اُمَیّۃ بن خَلَف کا ابوجہل کے متعلق "سیّد أهلِ الوادی" کہنا اور ابوجہل کا امیۃ بن خَلَف کو" إنك من أشراف الوادی" یا" أنت سیّد أهل الوادی " کہنا مذکور ہے(ملاحظہ ہو:صحيح بخاری ، كتاب المناقب، باب علامات النبوة فی

الإسلام، ص : ٥١٣، ج : ١ ، **نیز** كتـاب الـمغازى ، باب ذكر النبى ﷺ من يـقتـل ببـدر، ص : ٥٦٣، ج: ٢ ، قـديمى : كراچى) **اسی طرح حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے اسلام کے سلسلے میں** ' صحيح بخـارى '، **وغیرہ میں منقول روایت میں ان کا اپنے بھائی کو** " اركبْ إلىٰ هذا الوادى" **کہنا مذکور ہے۔(ملاحظہ ہو:** صحيح بـخـارى ، كتاب المناقب ، باب إسلام ابى ذر ، ص : ٥٤٤ ، ج: ١) **ان مقامات میں بھی** " الـــوادى " **کا لفظ'' مکہ مکرمہ'' کے لیے استعمال ہوا ہے۔**

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث اپنی ' مُسنَد' میں تخریج فرمائی ہے

علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ (۸۳۱-۹۰۲ھ) حـــديـــث : ((مَـــا رآهُ الـمسـلـمونَ حَسَنًا ، فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ)) **کے متعلق** ' الـمقاصد الحسنة فى بيان كثير من الأحاديث المشتهرة على الألسنة ' **میں فرماتے ہیں کہ:**

''امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو ' كتاب السنة ' **میں تخریج فرمایا ہے اور جس نے اسے** ' مُسنَد ' **کی طرف منسوب کیا، اس کو وہم ہوگیا ہے۔''**

پھر علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے أبـو وائـل عـن ابـن مسعود رضى اللّٰه عنه **کے طریق سے پوری حدیث نقل فرمائی ہے:**

حديث : ((مَا رآهُ المسلمونَ حَسَنًا ، فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ)).

أحـمـد فـى كتـاب السـنة ، و وهِم من عزاه للمسند ، من حديث أبـى وائـل ، عـن ابـن مسـعـود، قـال : إن اللّٰه نظر فى قلوب العباد ، فاختار محمداً ﷺ، فبـعثـه بـرسالته ، ثـم نظر فى قلوب العباد ، فاختار له أصحاباً ، فـجعلهم أنصار دينه و وزراء نبيه ، فما رآه المسلمون حسنا ، فهو عند اللّٰه حسـن ، و مـا رآه الـمسـلـمـون قبيحا ، فهو عند اللّٰه قبيح . و هو موقوف حسن .

(المقاصد الحسنة ، حديث : ٩٥٩ ، ص : ٤٣١ ، دارالكتاب العربى : بيروت)

بندہ کہتا ہے:

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ (۱۶۴-۲۴۱ھ) نے یہ حدیث اپنی 'مُسنَد' میں زِرّ بـن حُبَيْـش عـن عبد اللّٰه بن مسعود رضى اللّٰه عنه **کے طریق سے تخریج فرمائی ہے؛ لہٰذا اس کی تخریج کی نسبت** ' مسند أحمد ' **کی طرف کرنے والے کو وہم کی طرف منسوب کرنا بجائے خود وہم ہے؛ چناں چہ** ' مسند أحمد ' **میں مکمل حدیث ان الفاظ کے ساتھ ہے:**

" ...... عَـنْ زِرِّ بـنِ حُبَيْـشٍ عَـنْ عبدِ اللّٰهِ بنِ مسعودٍ ، قال : إنّ اللّٰهَ نَـظَـرَ فِى قُلوبِ العبادِ ، فوجَدَ قَلْبَ محمدٍ ﷺ خَيْـرَ قلوبِ العبادِ ، فاصْطَفَاهُ لِنَفْسِه ، فابْتَعَثه برسالَتِه ، ثـم نَظَرَ فِى قلوبِ العبادِ بَعْدَ قَلْبِ محمدٍ ﷺ ، فوجَدَ قـلـوبَ أصـحـابِه خَيْرَ قُلوبِ العِبَادِ ، فجعلهم وزراءَ نَبيّه ، يُقَاتِلُونَ علىٰ دِيْنِه ، فَـمَـا رَأَى الـمُسْـلِمون حَسَناً ، فهو عِنْد اللّٰه حَسَنٌ ، و ما رَأَوْا سَيِّئاً ، فهو عند

اللّٰه سَيِّیءٌ ."

(مسند الإمام أحمد بن حنبل ، حديث : ٣٦٠٠ ، ص : ٨٤ ، ج : ٦ ، مؤسسة الرسالة: بيروت)

و اللّٰه تعالیٰ أعلم

غزوة (سرية) الرجیع نہ کہ غزوة (سرية) بئر معونة

☆ حضرت زید بن الدَثِنَۃ رضی اللہ عنہ کے ترجمہ میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہٗ اللہ (۷۷۳-۸۵۲ھ) 'الإصابة فی تمییز الصحابة ' میں فرماتے ہیں :

و كان فی غزوةِ بئرِ معونةَ ، فَأَسَرَهُ الْمُشركون ، و قَتَلَتْهُ قريشٌ بِالتَّنْعِيم.

(الإصابة ، ص : ٥٦٦ ، ج : ١، دارالفكر : بيروت)

'' آپ رضی اللہ عنہ غزوۂ بئر معونۃ میں شریک تھے، پس مشرکین نے آپ کو قیدی بنایا اور قریش نے آپ کو مقامِ تنعیم میں شہید کردیا''

بندہ کہتا ہے:

یہ حافظ ابن حجر رحمہٗ اللہ کا وہم ہے، کیوں کہ یہ غزوۂ (سریۂ) بئر معونۃ کا واقعہ نہیں ہے؛ بل کہ غزوۃ (سریۃ) الرجیع کا واقعہ ہے جیسا کہ ' صحیح بخاری ' ، كتاب الجهاد ، باب هل يستأسر الرجل الخ ، ص : ٤٢٧ ، ٤٢٨ ، ج : ١ ، كتاب المغازی ، باب بلا ترجمة قبل باب شهود الملائكة بدرا ، ص : ٥٦٨، ج : ٢ اور كتاب المغازی ، باب غزوة الرجيع الخ، ص : ٥٨٥ ، ج : ٢

وغیرہ کتبِ حدیث وسِیَر کی روایات سے واضح ہے۔

اوراہلِ سیر ومغازی کی طرح حافظ ابن حجرعسقلانی رحمۃ اللہ علیہ بھی دونوں غزوات: سرایا کو الگ الگ مانتے ہیں؛ چناں چہ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الرجیع و رعل و ذکوان وبئر معونة وحدیث عضل و القارة وعاصم بن ثابت و خبیب وأصحابه کے ذیل میں ’فتح الباری‘ میں ہے:

﴿تنبیه﴾: سیاق هذه الترجمة یوهم أن غزوة الرجیع و بئر معونة شيء واحد، ولیس کذلك کما أوضحته، فغزوة الرجیع کانت سریة عاصم وخبیب فی عشرة أنفس وهی مع عضل والقارة، وبئر معونة کانت سریة القراء السبعین وهی مع رعل وذکوان.

(فتح الباری، ص: ١٦٣، ج: ٩، دارطیبة: الریاض)

رسول اللہ ﷺ عمر میں بڑے ہیں یا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ؟

☆ ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ (وفات: ۱۰۱۴ھ) ’مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح‘ میں تحریر فرماتے ہیں:

و کان ﷺ أسنّ منه (أی من عمّه و أخیه من الرضاعة: حمزة بن عبد المطلب رضی اللّٰه عنه).

(مرقاة المفاتیح، کتاب النکاح، باب المحرمات، الفصل الأول، حدیث علیّ رضی اللّٰه عنه، ص: ٢٢٤، ج: ٦، إمدادیه: ملتان)

’’اور رسول اللہ ﷺ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے عمر میں بڑے تھے۔‘‘

بندہ کہتا ہے:

رسول اللہ ﷺ کا اپنے چچا حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ سے عمر میں بڑے ہونے کا قول وہم ہے؛ اس لیے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے عمر میں علیٰ اختلاف القولین دو یا چار سال بڑے تھے۔ علامہ عزالدین ابن الاثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ (۵۵۵ - ۶۳۰ ھ) وغیرہ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے رسول اللہ ﷺ سے دو سال بڑے ہونے کے قول کو ’’اصح‘‘ قرار دیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (۷۷۳-۸۵۲ ھ) ’الإصابة فی تمییز الصحابة‘ میں حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے ترجمہ میں فرماتے ہیں:

ولد قبل النبی صلی اللّٰه علیه و آله و سلم بسنتین و قیل : بأربع .

(الإصابة ، ص : ۳۵۳ ، ۳۵٤ ، ج : ۱ ، دارالفکر : بیروت)

علامہ عزالدین ابن الاثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ (۵۵۵-۶۳۰ ھ) ’أسد الغابة فی معرفة الصحابة‘ میں حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے ترجمہ میں فرماتے ہیں:

و کان حمزة رضی اللّٰه عنه و أرضاه أسنّ من رسول اللّٰه ﷺ بسنتین، وقیل : بأربع سنین ، و الأول أصح .

(أسد الغابة ، ص : ٦٧ ، ج : ٢ ، العلمیة : بیروت)

علامہ ابن عبد البر مالکی رحمۃ اللہ علیہ (اصح قول کے مطابق ۳۶۸-۴۶۳ ھ)

’الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب‘ میں حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے ترجمہ میں فرماتے ہیں:

کان أسنّ من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم بأربع سنین، و ھذا لا یصح عندی؛ لأن الحدیث الثابت أن حمزۃ و عبد اللّٰہ بن عبد الأسد أرضعتھما ثویبۃ مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم إلا أن تکون أرضعتھما فی زمانین.

و ذکر البکائی عن ابن إسحاق قال: کان حمزۃ أسنّ من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و آلہ و سلم بسنتین.

(الاستیعاب، ص: ۴۲۳، ۴۲۴، ج: ۱، العلمیۃ: بیروت)

’مرقاۃ المفاتیح‘ کی عبارت میں صیغۂ صلاۃ وسلام: صلی اللّٰہ علیہ وسلم، "کَانَ" کی ضمیرِ مرفوع متصل کے بعد ہونے کی بجائے "مِنْہُ" کی ضمیر مجرور متصل کے بعد ہوتا، یعنی وَ کَانَ أَسَنَّ مِنْہُ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ہوتا، تو کلام صحیح ہوتا، کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے عمر میں بڑے تھے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

حضرت علی نہیں، حضرت جعفر رضی اللہ عنہما کے حوالے کی تھی

☆ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ (۱۳۰۵-۱۳۶۹) فرماتے ہیں:
عربوں میں اَقوامِ یونان کی طرح دُختر کُشی کی بے ہودہ رسم، قدیم زمانے

سے جاری تھی اور وہ اِس بے رحمی اور سفّا کی کے اِس درجہ خوگر ہو گئے تھے کہ اُن کے خیال میں یہ کوئی عیب بھی نہ رہا تھا۔جس وقت قرآن نے دارِ آخرت کا ہول ناک منظر اُن کے سامنے اِن الفاظ میں پیش کیا:

وَإِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ ۝ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ۝ [التکویر: ۸، ۹]

(اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا، کہ وہ کس گناہ پر قتل کی گئی تھی؟)

تو اُن کو اپنی اولاد سے گزر کر غیروں کی اولاد کے ساتھ ایسا رشتۂ محبت و اُلفت پیدا ہوگیا کہ عُمرۃ القضا سے فارغ ہوکر، بہ وقت واپسی مدینہ طیّبہ، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لڑکی پر تین صحابیوں کی نِزاع قائم ہوگئی۔حضرت علی، حضرت جعفر اور حضرت زید رضی اللہ عنہم میں سے ہر ایک اُس کا حقِّ حضانت (پرورش) اپنے لیے ثابت کرتا تھا اور ایک جو دلیل پیش کرتا تھا، دوسرا اُس کو رَد کر دیتا تھا، یہاں تک کہ رسولِ اکرم ﷺ نے بہ قاعدۂ شرعی لڑکی کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے کر کے، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو أشبھتَ خَلقی و خُلُقی اور حضرت زید کو أنت أخونا و مولانا فرما کر تسلّی دی۔

(مقالاتِ عثمانی، ص: ۲۴۲، ۲۴۳، دارالمؤلفین: دیوبند، طبع اول: ۱۴۱۳ھ)

بندہ کہتا ہے:

لڑکی کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا تھا، اس نقل میں علاّمہ شبیر احمد عثمانی رحمہٗ اللہ کو وہم ہوا ہے۔درحقیقت اس لڑکی کی خالہ حضرت اسماء بنت عمیس

رضی اللہ عنہا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں ؛ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے خالہ کو بمنزلۂ امّ قرار دے کر لڑکی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے حوالے کی تھی ، نہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ۔ ' صحیح بخاری ' میں ہے:

...... فخرج النبیُّ ﷺ ، فَتَبِعَتْهم ابنةُ حمزةَ یا عمّ یا عمِ ، فتناولها علیٌّ فأخذ بِیَدِها وقال لفاطمة : دونكِ ابنةَ عمِّك حملتُها (حمّلیها) . فاختصم فیها علیٌّ و زیدٌ و جعفرٌ . فقال علیٌّ : أنا أحقُّ بها و هی بنتُ عَمِّی . و قال جعفرٌ : بنتُ عَمِّی و خالتُها تحتی . وقال زیدٌ : بنتُ أخی . فقضی بها النبیُّ ﷺ لخالتها وقال : الخالةُ بمنزلةِ الأمّ . و قال لِعلیٍّ : أنت منّی و أنا منك. و قال لجعفرٍ : أشبهتَ خَلقی و خُلُقِی . و قال لزیدٍ : أنت أخونا و مولانا .

(صحیح بخاری ، کتاب الصلح ، باب کیف یکتب الخ ،ص : ۳۷۲ ، ج : ۱ ، کتاب المغازی ، باب عمرة القضاء ، ص : ٦١٠ ، ج : ۲ ، قدیمی : کراچی)

' فتح الباری ' میں ہے:

قوله : ((فقضی بها النبی ﷺ لخالتها)) فی حدیث ابن عباس المذکور(فی ((شرف المصطفی)) لأبی سعید و فی ((الإکلیل)) للحاکم) فقال النبی ﷺ : جعفر أولیٰ بها . وفی حدیث علی عند أبی داود و أحمد أما الجاریة فلأ قضی بها لجعفر . وفی روایة أبی سعید السکری : ادفعاها إلی جعفر فإنه أوسع منکم . و هذا سبب ثالث .

(فتح الباری ، کتاب المغازی ، باب عمرة القضاء ، ص : ٥٧٨ ، ٥٧٩ ، ج : ۷ ، دارالریان : القاهرة)

ملحوظہ:

دارالریان : القاہرۃ کی مطبوعہ (الطبعۃ الثانیۃ : ۱۴۰۹ھ - ۱۹۸۸ء)اور دارطیبۃ : الریاض کی مطبوعہ (الطبعۃ الرابعۃ :۱۴۳۲ھ-۲۰۱۱ء)' فتح الباری ' کے نسخوں میں کتاب الصلح کی روایت میں سقوط واقع ہوا ہے، جس کی وجہ سے کسی کو وہ وہم ہوسکتا ہے، جو' مقالاتِ عثمانی' میں ہوا ہے؛ چناں چہ 'فتح الباری '،کے مذکورہ دونوں نسخوں میں روایت اس طرح ہے:

...... فاختصم فیها عليٌّ و زيدٌ و جعفرٌ . فقال عليّ : أنا أحقُّ بها وهی ابنة عمّی و خالتُها تحتی . وقال زيدٌ : ابنة أخی . فقضٰی بها النبیُّ ﷺ لخالتها و قال : الخالة بمنزلة الأمّ ......

(فتح الباری ، ص : ۳۵۸ ، ج : ۵، دارالریان : القاهرة ، فتح الباری ، ص : ۵۸۱ ، ج : ۶ ، دارطیبة : الریاض)

یہاں وهی ابنة عمّی کے بعد وقال جعفرٌ : ابنة عمّی ساقط ہوگیا ہے۔
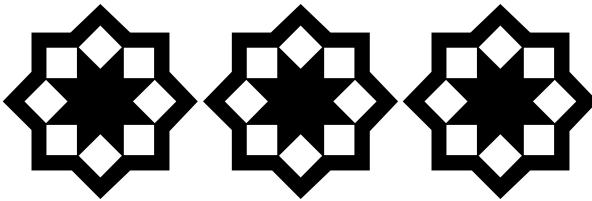
ما يتعلق بالفقه وأصوله

فرض، واجب اور سنّت وغیرہ کا مُعَنْوَن رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں بھی موجود تھا

☆ کسی نے (حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) سے) دریافت کیا کہ حضرت! فرض، واجب، سنت حضور ﷺ کے عہد میں بھی تھے؟

فرمایا کہ ہاں! یہ مُعَنْوَن تو موجود تھا، گو یہ عنوان موجود نہ ہو۔ مثلاً واجب وہ جس کی دلیل ظنّی ہو اور ظنّی دو طریق سے: ایک ظنی الثبوت، دوسرا ظنی الدلالۃ۔ تو حضور ﷺ کے وقت میں ظنی الثبوت تو نہ تھا؛ مگر ظنی الدلالۃ تھا۔ (یا یوں کہیے، کہ واجب کا ثبوت دو طریقے سے ہوتا ہے، بعض مرتبہ تو واجب اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ مامور بہ قطعی الثبوت نہیں ہوتا، وہ صرف ہمارے لیے واجب ہے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جن کو وہ حکم قطعی الثبوت طریقے سے پہنچا، ان کے لیے واجب نہیں؛ بل کہ فرض ہے؛ لیکن واجب کی دوسری قسم یہ ہے، کہ اس میں خود آں حضرت ﷺ نے اس بات کی تصریح فرمادی، کہ اس کا ترک مُبطِلِ عمل نہیں؛ بل کہ مُنَقِّصِ عمل ہے۔ اس قسم کے واجب میں ہمارے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان کوئی فرق نہیں، وہ صحابہ کے حق میں بھی واجب تھا اور ہمارے حق میں بھی واجب ہے، جیسا کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے 'رسائل الأرکان' للعلاّمۃ بحر العلوم رحمہ اللہ کے حوالے سے 'درسِ ترمذی' ص: ۴۹، ج: ۲، مکتبۂ دار العلوم کراچی میں ذکر فرمایا ہے)

ان اصطلاحات کے بنانے کی وجہ علماء کو یہ پیش آئی، کہ لوگوں نے عمل

کرنے میں کمی زیادتی شروع کردی، تو اب یہ مجبوری پیش آئی کہ یہ فعل جوترک کیا گیا ہے، اس کا کیا رتبہ ہے؟ تو مجتہدین نے دلائل کو دیکھ کر یہ استنباط کیا کہ یہ واجب یا سنّت یا فرض ہے۔ مثلاً سر کا مسح کسی نے پورا کیا، کسی نے نصف پر اکتفا کیا۔ اب ضرورت پڑی اس تحقیق کی اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد میں یہ نہ تھا؛ بل کہ وہ جس طرح حضور ﷺ کو دیکھتے، عمل شروع کردیتے۔ اگر بعد کے لوگ بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح اسی طریق پر عمل کرتے جاتے، تو ان اصطلاحات کی کوئی ضرورت نہ تھی؛ مگر لوگوں کی بے عملی نے یہ ابواب فتوی تصنیف کرائے (سبحان اللہ! ملفوظ میں کل فقہ کا منشا فرمادیا ۱۲ جامع)۔

(ملفوظات حکیم الامت، ص: ۳۵۹، ج: ۲۶، ادارہ تالیفات اشرفیہ: ملتان)

حضرت تھانوی قدس سرہ ایک وعظ میں ارشادفرماتے ہیں:

صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانے میں فقہ کی تدوین نہ تھی؛ کیوں کہ ان میں اتباع کا مذاق غالب تھا، تدقیق عمل کا مذاق نہ تھا، تو ان کو اس سے بحث نہ تھی کہ فرض کون ہے اور واجب کون؟ بس حضور ﷺ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا تھا اور اِسباغِ وضو کے فضائل سنے تھے، حضور ﷺ کو دیکھ کر وضو کرنے لگے۔ آپ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تھا، بس اُسی طرح پڑھنے لگے، جیسے آپ پڑھتے تھے۔ ان کو اس کھود کرید کی حاجت نہ تھی، کہ نماز میں کیا فرض ہے اور کیا واجب او رکون مستحب؟ کیوں کہ جس کو نسخہ پینا ہے، وہ نسخہ کی تحقیق نہیں کیا کرتا کہ اس کا جزءِ اعظم کیا ہے؟ مزاج کیسا ہے؟ مگر جب کسی کو پورا نسخہ پینا منظور نہ ہو اور وہ تحقیق کے درپے ہوجائے، تو طبیب شفیق جزءِ اعظم وغیرہ کی تحقیق بھی بیان کردے گا اور اس کو مدوّن

بھی کردے گا؛ تاکہ کوئی پورا نسخہ نہ استعمال کرے، تو بالکل محروم بھی نہ رہے۔ وہ جزءِ اعظم ہی استعمال کرے، کہ وہ بھی حصولِ مقصود کے لیے کسی درجہ میں تو کافی ہے، گو اثر دیر میں ہوگا اور پورے نسخہ کے برابر نہ ہوگا۔

تو اگر مسلمان حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم ہی کے طرز پر رہتے اور عبادات کو ناقص نہ کرتے، تو فقہاء کو تدوینِ فقہ اور تحقیقِ فرائض و واجبات وشرائط وارکان کی ضرورت نہ ہوتی۔

(خطبات حکیم الامت، وعظ: الدوام علی الاسلام، ص: ۳۸۶، ج: ۱۲)

فقیہ کون ہے؟

☆ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) نے فرمایا:

''آج کل فقیہ ایسے شخص کو کہتے ہیں، جس کو جزئیات زیادہ یاد ہوں، حالاں کہ فقیہ وہ ہے جس کو دین کی اعلیٰ درجہ کی سمجھ ہو۔''

(ملفوظات حکیم الامت، ص: ۳۳۲، ج: ۲۹)

''آیئے، کھانا کھایئے'' کے جواب میں ''بسم اللہ کیجیے'' کہنے کا حکم

☆ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰-

۱۳۶۲ھ) سے مولوی علی نظر صاحب مراد آبادی نے پوچھا کہ رواج ہے، کہ جب کوئی کھانا کھانے بیٹھتا ہے، تو دوسروں سے کہتا ہے: ''آیئے، کھانا کھایئے،'' تو وہ دوسرا کہتا ہے: ''بسم اللہ کیجیے۔'' یہ کیسا ہے؟

فرمایا:

بعض علماء نے اس کو ناجائز؛ بل کہ موجب کفر کہا ہے؛ کیوں کہ جواب تو ہے: ''آپ کھایئے۔'' اِس کے قائم مقام اُس لفظ کو کیا گیا، جو ذکر اللہ ہے، تو ذکر اللہ کو اپنے معنیٔ اصلی سے نکالا گیا، یہ ذکر اللہ کی بے ادبی ہے۔

لیکن میں اس کے خلاف ہوں؛ کیوں کہ یہ صرف محاورہ کا ایک لفظ ہے۔ اس کی نظیر حدیث میں " سبحان اللّٰہ " کا لفظ ہے، اس عورت کے جواب میں جس نے حیض سے طاہر ہونے کا مسئلہ پوچھا تھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: خذی فرصة ممسكة فتطهری بها . ''ایک کھال کا ٹکڑا مشک لگا ہوا لے کر نظافت کر۔'' وہ عورت نہیں سمجھی اور عرض کیا: کیف أتطهر بها ؟ ''کھال سے کس طرح نظافت کروں؟'' تو چوں کہ شرم کی بات تھی، آپ نے فرمایا: سبحان اللّٰہ ، تطهری بها.

یہاں سبحان اللّٰہ اپنے معنیٔ اصلی میں یقیناً مستعمل نہیں اور قرآن میں اس کی نظیر مَّا يَكُونُ لَنَآ أَن نَّتَكَلَّمَ بِهَٰذَا سُبْحَٰنَكَ هَٰذَا بُهْتَٰنٌ عَظِيمٌ ﴿١٦﴾ [النور: ۱۹] ہے، یہاں بھی سُبْحَٰنَكَ ذکر کے طور پر نہیں ہے۔

(ملفوظات حکیم الامت، مجلس بستم، ص: ۹۳، ۹۴، ج: ۲۹)

فی الصحيح للإمام البخاری رحمهُ اللّٰه :

باب التكبير و التسبيح عند التعجب . وقال ابنُ أبی ثور، عن ابن

عباس ، عن عُمَرَ ـــ رضى اللّٰه عنهم ـــ (قال :) قُلْتُ للنبى ﷺ : أ طَلَّقْتَ نِسَاءَ كَ ؟ قال : لا ، قلتُ : أللّٰه أكبر .

(صحيح بخارى ، كتاب الأدب ، باب التكبير والتسبيح عند التعجب ، ص : ٩١٨، ج: ٢ ، قديمى : كراچى)

قال الفقيه المحدث الشيخ رشيد أحمد الكنكوهى رحمه اللّٰه (١٢٤٤ — ١٣٢٣ هـ) فى ' لامع الدرارى على جامع البخارى ' تحته :

فيه دلالة على رد ما قال بعضهم : إن من قال لآخر : كُلْ ؛ فقال : اذكروا باسم اللّٰه ،كفر ، و وجه الرد ظاهر ؛ فإن فى الحديث وضع اسم اللّٰه موضع كلام الناس كما فى مسئلة بسم اللّٰه فافهم .

و فى هامشه تحت قوله : ((كفر))

ففى ' شرح الفقه الأكبر ' : قال البدر الرشيد أو صاحب ' الفتاوى التتمة ' : سمعت عن بعض الأكابر أنه قال : من قال موضع الأمر للشى ء أو قال موضع الإجازة : بسم اللّٰه مثل أن يقول له أحد : ادخل أو أقوم و نحوهما ، فقال المستشار : بسم اللّٰه يعنى به آذنتك فيما استأذنت كفر يعنى حيث وضع كلام اللّٰه موضع كلامه مهانة توجب إهانة ، وهذا تصوير مسألة الإجازة ، وأما تصوير مسألة الأمر للشى ء فهو أن صاحب الطعام يقول لمن حضر : بسم اللّٰه ، وهذه المسئلة كثيرة الوقوع فى هذا الزمان ، وفى تكفيرهم حرج فى الأديان ، والظاهر المتبادر من صنيعهم هذا أنهم يتأدبون مع المخاطب حيث لا يشافهونه بالأمر و يتباركون بهذه الكلمة مع احتمال

تعلقه بالفعل المقدر أی كل بسم اللّٰه أو ادخل بسم اللّٰه ، فالمقصود أنه لا ينبغی للمفتی أن يعتمد علی ظاهر هذا النقل لا سيما وهو مجهول الأصل ، انتهی مختصرا . وحكی هذا القول صاحب ’ مجمع الأنهر ‘ عن ” البدر الرشيد “ مختصراً .

(لامع الدراری علی جامع البخاری ، ص : ٥٤ إلی ٥٦ ، ج : ١٠ ، المكتبة الإمدادية : مكة المكرمة)

کسی بزرگ کے ادب سے صفِ اول سے پیچھے ہٹ جانا کیسا ہے؟

☆ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰ - ۱۳۶۲ھ) نے ارشاد فرمایا:

علماءِ ظاہر نے کہا ہے کہ اگر کوئی صفِ اول میں کھڑا ہو، تو ایسا نہ کرے کہ خود تو پیچھے آجائے اور اپنے شیخ کو آگے کردے؛ کیوں کہ اس میں اعراض عن الحسنۃ معلوم ہوتا ہے۔

اور جو جامع بین الظاہر والباطن ہیں، وہ کہتے ہیں: پیچھے ہٹ آنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں؛ کیوں کہ مقصود تو ہے اللہ تعالیٰ کا قُرب، وہ دونوں صورت میں حاصل ہے۔ صفِ اول میں رہنا بھی قرب ہے اور بزرگوں کا ادب بھی قرب ہے، تو اس نے ایک قرب پر دوسرے قرب کو اختیار کیا، اعراض کہاں ہوا؟

(ملفوظات حکیم الامت، ملفوظ: ۲، ص: ۲۷، ج: ۱۵، ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ: ملتان، طباعت: محرم

۱۴۲۲ھ)

حضرت تھانوی قدس سرہ نے ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا:

''زاہدانِ خشک کا فتوی ہے کہ ایثار قربات میں جائز نہیں؛ مگر محققین نے اس کا جواب دیا ہے، کہ یہ بھی ایک قربت ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ ادب کی رعایت کرنا۔''

(ملفوظات حکیم الامت، ملفوظ: ۸۷، ص: ۱۳۸، ج: ۱۵، ادارۂ تالیفات اشرفیہ: ملتان، طباعت: محرم ۱۴۲۲ھ)

فی رد المحتار:

مَطْلَبٌ فِي جَوَازِ الإيثَارِ بالْقُرْبِ

و فـی حـاشية الأشباه للحموی عن المضمرات عن النصاب: وإن سبق أحد إلى الصف الأول فدخل رجل أكبر منه سناً أو أهل علم ينبغی أن يتأخر و يقدمه تعظيماً له اهـ. فهذا يفيد جواز الإيثار بالقرب بلا كراهة، خلافاً للشافعية. وقال فی الأشباه: لم أره لأصحابنا: ونقل العلامة البيری فروعاً تدل على عدم الكراهة، ويدل عليه قوله تعالى، و يؤثرون على أنفسهم و لو كان بهم خصاصة. وما فی صحيح مسلم من «أنّه عَلَيهِ الصَّلَاةُ والسَّلَامُ أُتِـيَ بِشَرَابٍ فَشَرِبَ مِنْهُ و عَنْ يَمِينِهِ أصْغَرُ القَوْمِ، وَهُو ابْنُ عَبَّاس، وَعَنْ يَسَارِهِ أشْيَاخٌ، فَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ و السَّلَامُ لِلغُلامِ: أَتَأْذَنُ لِی فِی أَنْ أُعْطِيَ هَؤُلَاءِ؟ فَقَالَ الغُلَامُ: لَا وَ اللّٰهِ، فَأَعْطَاهُ الغُلامَ» إذ لا ريب أن مقتضى طلب الإذن مشروعية ذلك بلا كراهة وإن جاز أن يكون غيره أفضل اهـ.

أقول : وينبغى تقييد المسألة بما إذا عارض تلك القربة ما هو أفضل منها ؛ كاحترام العلم و الأشياخ ، كما أفاده الفرع السابق و الحديث ، فإنهما يدلان على أنه أفضل من القيام فى الصف الأول ، ومن إعطاء الإناء لمن له الحق ، وهو من على اليمين ، فيكون الإيثار بالقربة انتقالاً من قربة إلى ما هو أفضل منها وهو الاحترام المذكور . أما لو آثر على مكانه فى الصف مثلاً من ليس كذلك يكون أعرض عن القربة بلا داع ، وهو خلاف المطلوب شرعاً ، و ينبغى أن يحمل عليه ما فى النهر من قوله : واعلم أن الشافعية ذكروا أن الإيثار بالقرب مكروه كما لو كان فى الصف الأول ، فلما أقيمت آثر به وقواعدنا لا تأباه اهـ .

(رد المحتار على الدر المختار ، كتاب الصلاة ، باب الإمامة ، ص : ۳۱۰ ، ۳۱۱ ، ج: ۲ ، العلمية : بيروت)

ظہر کی قبلیہ سنتیں پڑھے بغیر امامت کرسکتا ہے

☆ حافظ مولوی عبدالعلیم صاحب بردوانی نے مولوی محمد اسحاق صاحب کی طرف سے (حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کی خدمت میں) ایک سوال پیش کیا ، کہ ظہر کی سنتیں پڑھے بغیر امامت درست ہے یا نہیں ؟ اور بصورتِ جواز اس میں کچھ کراہت ہے یا نہیں ؟ کسی جگہ صراحتاً اس کے متعلق نہیں دیکھا گیا ؛ لیکن ترمذی کی اس حدیث : عَنْ عائشةَ — رضى الله عنها

— أنّ النبی ﷺ كَـانَ إذا لَـمْ يُـصَـلِّ أربعاً قَبْلَ الظّهرِ ، صَلاَّهُنَّ بَعْدَهَا . (جامع الترمذی ، أبواب الصلاة ، باب بلا ترجمة بعد باب ما جاء فی الركعتين بعد الظهر ، حـديـث : ٤٢٦، ص : ٢١٨ ، ج : ١ ، الطاف اينڈ سنز : كراتشی) سے **جواز معلوم** ہوتا ہے۔

(حضرت) مولانا (اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ) نے فرمایا، کہ نہایت **نفیس** استنباط ہے؛ کیوں کہ حضور ﷺ تو ہمیشہ امام ہوتے تھے، الّا ماشاء اللہ۔ پس اس سے **معلوم** ہوتا ہے کہ بدوں سنت ادا کیے ہوئے بھی فرض ادا کرنا جائز ہے۔

(ملفوظات حکیم الامت، ص: ۹۰، ج: ۱۳)

عادتاً کوئی لفظ غلط پڑھنے والے کے پیچھے صحیح قاری کی نماز کا مسئلہ

☆ (حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) نے فرمایا:

میں آج کل حوض والی مسجد میں مغرب کی نماز پڑھا کرتا ہوں۔ وہاں کوئی امام مقرر نہیں ہے۔ کل ایک صاحب نے نماز پڑھائی، **ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ** [التكاثر : ٤] میں **ثُمَّ** کو ثُمَّا اور **لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ** [التكاثر: ٦، ٧] میں بھی ثُمَّا پڑھا؛ مگر خیر آخر میں **ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ** میں **ثُمَّ** صحیح پڑھا، نماز تو صحیح ہوگئی؛ کیوں کہ امام فضلی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جس شخص کو غلط لفظ پڑھتے پڑھتے اس کی عادت ہوگئی ہو، تو وہ اس کا لغت ہو جائے گا؛ لہٰذا ایسے شخص کے پیچھے صحیح قرآن

پڑھنے والے کی نماز صحیح ہو جائے گی۔

ایک طالب علم نے بھی مجھے لکھا ہے کہ وہ ایک ایسی مسجد میں نماز پڑھتے ہیں، جہاں کا امام قرآن صحیح نہیں پڑھتا اور وہ تجوید جانتے ہیں، عالمگیری میں لکھا ہے کہ قرآن صحیح پڑھنے والے کی نماز صحیح نہ پڑھنے والے کے پیچھے نہیں ہوتی؛ بل کہ اس جماعت میں جتنے لوگ ہیں، ان صحیح خواں کے ہونے سے ان سب کی بھی نماز صحیح نہ ہوگی؛ اس لیے میں کیا کروں؟

میں نے امام فضلی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کر کے لکھ دیا ہے کہ میرا عمل بھی اسی پر ہے۔ (حجۃ الاسلام) حضرت مولانا محمد قاسم صاحب (نانوتوی) رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۴۸ - ۱۲۹۷ھ) کا بھی یہی معمول تھا؛ چناں چہ ایک مرتبہ مکہ معظّمہ میں ایک تُرکی امام کے پیچھے مولانا نے اور کئی علماء نے نماز پڑھی، تُرکی "ك" کی جگہ "چ" پڑھتے ہیں، امام نے بھی إِيَّاكَ کی جگہ إيـاچ نـعبـد پڑھا، سب لوگوں نے نماز لوٹائی؛ مگر مولانا نے نہیں لوٹائی اور یہی ارشاد فرمایا۔

(ملفوظات حکیم الامت، ص: ۳۳۷، ج: ۲۹، نیز ص: ۱۵، ج: ۲۲)

فی غنية المستملی فی شرح منية المصلی:

و ذكر فی الملتقط أنه لو قرأ فی الصلوة الحمد لله بالهاء مكان الحاء أو قرأ قل هو الله احد بالكاف مكان القاف و الحال أنه لا يقدر على غيره كما فی الأتراك و نحوهم تجوز صلاته و لا تفسد، و كذا لو قال: الخمد بالخاء المعجمة فقد ذكر محمد بن الفضل فی فتاواه أن الترك ليس فی لغتهم حاء، إنما فی لغتهم خاء، فإذا قرأ تركی مكان الحاء خاء لم

تفسد صلاته ؛ لأنه لا يمكنه إقامة الحاء إلا بمشقة ، فصارت هذه لغته ، وكذلك فی كل أعجمی لا يمكنه إقامة حرف إلا بمشقة و جهد . انتهى

(غنية المستملی ، فصل فی بيان أحكام زلة القارئ ، ص : ٤١٥ ، نعمانية ، كوئٹه)

وتر کے بعد دو رکعت پڑھنے میں تفصیل

☆ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) نے فرمایا:

بعض نے بوجہ حدیث: اجْعَلُوْا آخِرَ صَلَاتِكُمْ بِاللَّيْلِ وِتْراً (صحيح بخاری ، أبواب الوتر ، باب ليجعل آخر صلاته وتراً ، ص : ١٣٦ ، ج : ١ ، قديمی : كراچی) کے رکعتین بعد الوتر کومنع کیا ہے اور بعض نے اجازت دی ہے؛ لیکن میری سمجھ میں یہ آتا ہے، کہ اگر اول شب میں وتر پڑھے، تو رکعتین پڑھ لے، کہ ایک درجے میں قائم مقام تہجد کے ہو جائیں گی اور اگر آخر شب میں بعد تہجد پڑھے، تو ان رکعتین کو ترک کردے۔

(ملفوظات حکیم الامت، ص:۲۹، ج:۱۳، ادارہ تالیفات اشرفیہ: ملتان)

چار رکعت والی سنن غیر مؤکدہ اور نفل نمازوں میں مستحب یہ ہے کہ......

☆ فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہٗ اللہ (۱۳۴۱-۱۴۲۲ھ) نے ایک بار خدّام سے سوال فرمایا:

’’میں ظہر کی قبلیہ سنتیں تقریباً نو منٹ میں پڑھ لیتا ہوں اور عصر وعشاء کی دس منٹ میں، اس کی کیا وجہ ہے؟‘‘

سب خاموش رہے، تو ارشاد فرمایا:

’’ظہر سے قبل چار رکعات مؤکدہ ہیں، ان میں قعدۂ اولیٰ میں تشہد کے بعد دُرود شریف اور دُعاء نہیں اور رکعتِ ثالثہ کی ابتداء میں ثناء نہیں۔ عصر وعشاء سے قبل چار رکعت غیر مؤکدہ ہیں، ان میں قعدۂ اولیٰ میں دُرود و دُعاء اور رکعتِ ثالثہ میں فاتحہ سے پہلے ثناء بھی پڑھی جاتی ہے؛ اس لیے زیادہ وقت صرف ہوتا ہے۔‘‘

(انوار الرشید، ص:۹۴، ج:۳)

حضرت موصوف رحمہٗ اللہ نے ایک اور مجلس میں ارشاد فرمایا:

’’یہ خوب یاد رکھیں کہ نفل نمازوں میں اگر چار رکعت کی نیت باندھی ہے، تو اس میں دوسری رکعت کے بعد صرف أشهدُ أن محمداً عبدُهُ و رسولُه تک پڑھنے کا جو دُستور ہو گیا ہے کہ یہاں تک پڑھ کے تیسری رکعت کی طرف کھڑے ہو جاتے ہیں، یہ خلافِ اولیٰ ہے، نماز ہو جائے گی؛ مگر اجر کم ملے گا۔ مسنون طریقہ، مستحب

طریقہ یہی ہے کہ دُرود شریف بھی پڑھیں، اس کے بعد دُعاء بھی پڑھیں، پھر تیسری رکعت کی طرف کھڑے ہوں، تو ثناء بھی پڑھیں۔''

(جواہر الرشید، ص:۱۹، ج:۱۱)

فی الدر المختار :

(**ولا يصلى على النبى ﷺ فى القعدة الأولى فى الأربع قبل الظهر و الجمعة و بعدها**) ...... (**ولا يستفتح إذا قام إلى الثالثة منها**) لأنها لتأكدها أشبهت الفريضة (**و فى البواقى من ذوات الأربع يصلى على النبى**) ﷺ (**ويستفتح**) و يتعوذ و لو نذرا ، لأن كل شفع صلاة (**و قيل**) لا يأتى فى الكل ، و صححه فى القنية .

و فى ردالمحتار :

قوله : (**و قيل : لا** الخ) قال فى البحر : و لا يخفى ما فيه ، و الظاهر الأول . زاد فى المنح : و من ثم عوّلنا عليه ، و حكينا ما فى القنية بقيل .

(رد المحتار على الدرالمختار ، كتاب الصلاة ، باب الوتر و النوافل ، ص : ٤٥٦ ، ٤٥٧ ، ج : ٢ ، العلمية : بيروت)

ترویحہ میں شرعاً کوئی ذکر مُعیَّن نہیں

☆ خانقاہ امدادیہ: تھانہ بھون میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب

تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) کے ۱۳۳۷ھ کے رمضان المبارک کی تراویح کے حالات و کیفیات بیان کرتے ہوئے مولانا محمد یوسف صاحب بجنوری نوراللہ مرقدہ تحریرفرماتے ہیں:

کل وقت فرض، سنت، تراویح اور وتر میں ڈیڑھ گھنٹہ یا کبھی اس سے بھی کچھ کم صرف ہوتا تھا۔ (حضرت والا) ہر چار رکعت کے بعد کچھ دیر بیٹھتے، جس کو ''ترویحہ'' کہتے ہیں، اس میں پچیس بار درود شریف پڑھتے اور پھر تراویح پڑھنے (پڑھانے) کھڑے ہو جاتے۔ درود شریف پڑھنے میں خفیف سا جہر ہوتا تھا۔ میں نے حضرت والا سے دریافت کیا کہ آپ ترویحہ میں کیا پڑھتے ہیں؟ تو فرمایا کہ:

شرعاً کوئی ذکر مُعیّن تو ہے نہیں، باقی میں درود شریف پڑھ لیتا ہوں، یہی مجھے اچھا معلوم ہوتا ہے اور پچیس کی تعداد؛ اس لیے کہ اتنے عرصہ میں کسی کو پانی پینے یا اور کسی چیز کی ضرورت ہو، تو وہ فارغ ہوسکتا ہے۔

(ملفوظات حکیم الامت، ص:۳۳۳، ۳۳۴، ج:۱۹)

فی الدر المختار:

(**يجلس**) ندباً (**بين كل أربعة بقدرها، وكذا بين الخامسة و الوتر**) ويخيرون بين تسبيح وقراءة و سكوت و صلاة فرادى.

(الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الوتر و النوافل، ص: ٤٩٦، ٤٩٧، ج: ٢، العلمية: بيروت)

سورۂ حج میں سجدۂ ثانیہ کا حکم اور اس کے جواز کا محل

☆ کسی صاحب نے (حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ سے) دریافت کیا:

حنفی مذہب میں سورۂ حج میں سجدۂ اولیٰ کرتے ہیں اور سجدۂ ثانیہ نہیں کرتے۔ ایک صاحب فرماتے ہیں کہ دونوں سجدے کرنا چاہیے ؛ لہذا میں دونوں سجدے کروں یا صرف ایک؟

فرمایا:

حنفی کے نزدیک سجدۂ اُولیٰ واجب ہے اور دوسرا سجدہ واجب نہیں ؛ لیکن حنفیہ نے یہ کلیہ لکھا ہے ، کہ مسائلِ اختلافیہ میں اختلاف کی مراعات افضل ہے ، بشرطیکہ اپنے مذہب کے مکروہ کا ارتکاب لازم نہ آئے ، سو اس قاعدہ کی بنا پر نماز کے خارج تو دوسرے سجدہ کا کرلینا بھی بہتر ہوگا ؛ البتہ نماز میں خاص طریق سے اگر کرلیا جائے ، تو اس مکروہ کے ارتکاب سے بھی محفوظ رہے گا۔ وہ طریق یہ ہے ، کہ سجدۂ ثانیہ کی آیت پڑھ کر فوراً رکوع میں چلا جائے ، تو سجدۂ صلاۃ میں یہ سجدہ بھی ادا ہو جائے گا۔

(ملفوظات حکیم الامت ، ملفوظ : ۶۶۱ ، ص : ۲۳۱ ، ج : ۲۳ ، ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ : ملتان ، طباعت : جمادی الاولی ۱۴۲۲ھ ، امداد الفتاویٰ ، ص : ۵۵۵ ، ۵۵۶ ، ج : ۱ ، ادارۂ تالیفاتِ اولیاء : دیوبند)

نمازِ قصر کا ایک مسئلہ

☆ ’تذکرۂ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ‘ میں ہے :

مولوی عبدالحی صاحب فرنگی محلی (رحمۃ اللہ علیہ) (۱۲۶۴-۱۳۰۴ھ) ایک بار (اویس زمانہ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی قدس سرہ (۱۲۰۸-۱۳۱۳ھ) کی) خدمت میں حاضر ہوئے۔ لکھنؤ سے گنج مرادآباد تک جو سیدھا راستہ ہے، وہ اتنا نہیں ہے، جس میں نماز کا قصر کیا جائے؛ لیکن مولوی عبدالحی صاحب ایک ایسے راستے سے آئے، جس میں قصر کیا جاسکتا تھا؛ مگر انھوں نے سمجھا کہ جب اصلی راستہ میں قصر نہیں ہے، تو اس راستے میں بھی قصر نہ کرنا چاہیے۔ مولانا (فضل رحمٰن گنج مرادآبادی قدس سرہ) نے فرمایا کہ قصر کرو۔ مولوی عبدالحی صاحب فرماتے تھے، کہ جب میں نے کتابوں کی طرف مراجعت کی، تو وہی بات صحیح پائی، جو مولانا نے فرمائی تھی۔

(تذکرۂ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ، ص: ۱۳۹، مجلس نشریاتِ اسلام: کراچی)

فی الدر المختار:

و لو لموضع طریقان: أحدهما مدة السفر و الآخر أقل، قصر فی الأول لا الثانی.

و فی ردّ المحتار:

قوله: (قصر فی الأول) أی ولو کان اختار السلوك فیه بلا غرض صحیح، خلافا للشافعی کما فی البدائع.

(رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، ص: ٦٠٣، ج: ٢، العلمیة: بیروت)

یہ بھی ایک قسم کا وطن ہے

☆ حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۱۲ یا ۱۳۱۳-۱۳۹۰ھ) نے (حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ سے) سوال کیا:

جس مقام میں اہلیہ مقیم ہو، شوہر اگر وہاں دو چار دن کے لیے جائے، تو اتمام کرے گا یا قصر؟

فرمایا:

اگر شوہر نے اہلیہ کو خود کسی مقام میں معتد بہ عرصہ کے لیے اس قصد سے ٹھہرایا ہوا ہو، کہ یہاں ٹھہری رہے گی اور ہم خود اس کے پاس آتے جاتے رہا کریں گے، تو وہ مقام اس شوہر کے حق میں ایک قسم کا وطن ہوگا؛ لہذا وہاں آنے سے اتمام لازم ہوگا۔

(ملفوظات حکیم الامت، ملفوظ: ۱۰۰، ص: ۲۰۹، ج: ۱۵، ادارۂ تالیفات اشرفیہ: ملتان، طباعت: محرم: ۱۴۲۲ھ)

فی الدر المختار:

(**الوطن الأصلی**) هو موطن ولادته أو تأهله أو توطنه (**يبطل بمثله**) إذا لم يبق له بالأول أهل، فلو بقى لم يبطل؛ بل يتم فيهما.

(الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة المسافر، ص: ٦١٤، ج: ٢، العلمية: بيروت)

امّ ولد کی بیع

☆ مولانا جلال الدین الخوارزمی رحمۃ اللہ علیہ ’الکفایۃ‘ میں فرماتے ہیں:

امام ابوالحسن کرخی کے استاد حضرت ابوسعید بردعی رحمہما اللہ کے متعلق منقول ہے، کہ وہ بردعۃ سے بغرضِ حج روانہ ہوئے، بغداد پہنچے، اس دن جمعہ تھا، انھوں نے نمازِ جمعہ کے بعد کچھ لوگوں کو مسائل میں غور وفکر اور بحث ومباحثہ کے لیے بیٹھے ہوئے دیکھا، ان میں داود اصبہانی ظاہری رحمہٗ اللہ بھی تھے۔

ایک حنفی نے داود ظاہری سے امّ ولد کی بیع کے متعلق دریافت کیا — جمہور فقہاء وعلماء، جن میں حنفیہ بھی ہیں، کے نزدیک امّ ولد کی بیع ناجائز ہے۔ داود ظاہری اور ان کے متبعین اصحابِ ظواہر کے ہاں جائز ہے — تو فرمایا کہ اس کی بیع جائز ہے؛ کیوں کہ باندی کے حاملہ ہونے سے قبل اس کی بیع بالاجماع جائز ہے، تو ہم اسی اجماع پر قائم ہیں، جب تک اس کے خلاف دوسرا اجماع منعقد نہ ہوجائے؛ اس لیے کہ — اجماع یقینی چیز ہے اور — مَا ثَبَتَ بِالْيَقِيْنِ، لَا يَرْتَفِعُ إِلَّا بِيَقِيْنٍ مِثْلِهِ. ’’جو چیز یقین سے ثابت ہو، وہ اس جیسے یقین ہی سے مرتفع ہوسکتی ہے۔‘‘ یہ سُن کر حنفی ششدر رہ گیا اور عاجز ہوگیا؛ کیوں کہ داود ظاہری کو جواب دینے کے لیے نہ قیاس کا سہارا لیا جاسکتا تھا اور نہ خبرِ واحد پیش کی جاسکتی تھی؛ اس لیے کہ وہ قیاس کو قبول نہیں کرتے تھے اور خبرِ واحد موجب یقین نہیں تھی۔

ابوسعید بردعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: — حاملہ ہونے سے پہلے کی حالت، ظاہر ہے کہ مقدّم ہے اور حاملہ ہونے کی حالت مؤخر ہے اور صورتِ مبحوث عنہا یعنی

بچّہ ہوجانے کے بعد کی حالت سے قریب حالت حاملہ ہونے کی ہے، جب کہ حاملہ ہونے سے قبل کی حالت بعید ہے، تو آپ نے صورتِ مبحوث عنہا سے بعید حالت کا اجماع پیش کیا ہے اور میں قریب حالت کے اجماع کو پیش کرتا ہوں کہ — حاملہ ہونے کے بعد اس باندی کی بیع کے ناجائز ہونے پر اجماع ہے؛ کیوں کہ اس کے پیٹ: رحم میں آزاد بچّہ ہے، تو ہم اسی اجماع پر قائم ہیں، جب تک اس کے خلاف کوئی دوسرا اجماع منعقد نہ ہوجائے۔ ابوسعید بردعی رحمہٗ اللہ کی بات سے داود ظاہری حیران رہ گئے اور لاجواب ہو گئے۔

ابوسعید بردعی رحمۃ اللہ علیہ نے داود ظاہری اور ان کے ہم خیال لوگوں کی فقہ میں کمزوری دیکھی، تو — ہوسکتا ہے حج نفلی ہو؛ اس لیے — مکہ مکرمہ جانا ملتوی کردیا اور بغداد میں درس وتدریس کے لیے ٹھہر گئے۔ داود ظاہری کے تلامذہ ابوسعید بردعی رحمہما اللہ کے حلقۂ درس میں شامل ہوگئے۔ اس طرح ایک مدت گزر گئی۔ ایک شب میں ابوسعید بردعی رحمہٗ اللہ نے کسی (غیبی) منادی کو کہتے ہوئے سُنا:

فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ ۚ [الرعد: ۱۷]

’’جو جھاگ ہوتا ہے، وہ تو باہر گر کر ضائع ہو جاتا ہے؛ لیکن وہ چیز جو لوگوں کے لیے فائدہ مند ہوتی ہے، وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے۔‘‘

اس کے تھوڑی ہی دیر بعد ایک شخص نے ابوسعید رحمہٗ اللہ کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا اور انھیں داود ظاہری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی خبر دی۔

(ماخوذ از الکفایۃ مع فتح القدیر، کتاب العتاق، باب الاستیلاد، ص: ۳۲۵ تا ۳۲۸، ج: ۴، رشیدیہ: کوئٹہ)

کون سی طلاق سابق طلاق کے ساتھ لاحق ہوگی، کون سی نہیں؟

کون سی طلاق سابق طلاق کے ساتھ لاحق ہوگی اور کون سی لاحق نہیں ہوگی، اس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

(۱) طلاقِ صریح طلاقِ صریح کے ساتھ لاحق ہوگی، بشرط یہ کہ عورت پہلی طلاق کی عدت میں ہو اور دوسری طلاق دی جائے۔

(۲) طلاقِ صریح طلاقِ بائن کے ساتھ لاحق ہوگی، بشرط یہ کہ عورت پہلی طلاق کی عدت میں ہو اور دوسری طلاق دی جائے۔

(۳) طلاقِ بائن طلاقِ صریح کے ساتھ لاحق ہوگی، بشرط یہ کہ عورت پہلی طلاق کی عدت میں ہو اور دوسری طلاق دی جائے۔

(۴) طلاقِ بائن طلاقِ بائن کے ساتھ لاحق نہیں ہوگی، مگر یہ کہ شوہر دوسری طلاق سے انشاء کی نیت کرے، یا دوسری طلاق کو اِخبار پر محمول کرنا ممکن نہ ہو، تو پھر پہلی طلاق کے ساتھ لاحق ہوگی۔ جیسے پہلی طلاقِ بائن کے بعد شوہر نے عدت میں ابنتك باخریٰ (میں نے تجھے دوسری بائنہ کے ساتھ جدا کر دیا، یا میں نے تجھے دوسری بائنہ دی) کہا، تو اس دوسری طلاق کو اخبار پر محمول کرنا ممکن نہیں، لہذا یہ پہلی طلاق کے ساتھ لاحق ہوگی۔

نوٹ: کنایہ رجعی (جیسے اعتدی، استبرئی رحمك، انتِ واحدة اوران کے ملحقات) سے چوں کہ طلاقِ رجعی واقع ہوتی ہے؛ اس لیے وہ صریح کے حکم میں ہے۔

’الدر المختار‘ میں ہے:

(۱) الصريح يلحق الصريح .

(۲)ويلحق البائن بشرط العدة .

(۳) والبائن يلحق الصريح......

(٤) لا يلحق البائن البائن .

’ردّ المحتار‘ میں ہے:

قوله : (بشرط العدة) هذا الشرط لا بد منه فى جميع صور اللحاق ، فالأولىٰ تأخيره عنها .

(٥) واما الكنايات الرواجع ...... لما وقع بها الرجعى كانت فى معنى الصريح . (رد المحتار على الدر المختار ، ص : ٥٤٠ ، ٥٤٢ ، ج: ٤ ، دارالكتب العلمية، بيروت)

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہٗ اللہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

ان محصول المبسوط فى الشامية وغيرها من الكتب المعتبرة ان الطلاق اما صريح او بالكناية ، وكل منهما امارجعى او بائن ، فالطلاق السابق واللاحق كل منهما علىٰ اربعة اقسام ، وجميع الصور الممكنة فى اللحاق ست عشرة حصلت من ضرب الاربعة فى الاربعة ، فلا لحاق فى صورتين اى ان كان الطلاق السابق بائنا صريحا كان او بالكناية ، فلايلحقه البائن بالكناية فقط الا ان ينوى الإنشاء اولم يمكن الحمل على الاخبار ، مثل قوله : ابنتك باخرى ، وتلحق البقية البقية فى اربع عشرة صورة

بشرط بقاء العدة . وهذا خلص ما هو مسطور في الكتب المشهورة بالبسط والتفصيل ، فاغتنمه وتشكر ، فقط . وهذا ماجاء في فهم هذا الفقير والعلم عند الله اللطيف الخبير . (احسن الفتاوٰی ، ص : ۱۳۵، ج: ۵ ، ایچ – ایم سعید کمپنی ، کراچی)

’’ ’الفتاوی الشامیۃ‘ وغیرہ کتبِ معتبرہ میں مذکور تفصیل کا حاصل یہ ہے، کہ طلاق یا تو صریح ہوگی یا کنائی ، پھر ان میں سے ہر ایک یا تو رجعی ہوگی یا بائن ۔ پس طلاقِ سابق اور لاحق میں سے ہر ایک چار قسم پر ہے اور چار کو چار میں ضرب دینے سے لحاق میں کل ممکنہ صورتیں سولہ ہوتی ہیں ۔ان میں سے دوصورتوں میں لحاق نہیں ہوگا ۔یعنی اگر سابق طلاق بائن ہو، خواہ صریح ہو یا کنائی ہو،اس کے ساتھ صرف کنائی بائن لاحق نہیں ہوگی ،مگر یہ کہ وہ (اس دوسری طلاق سے) انشاء کی نیت کرے، یا اس کو اِخبار پر محمول کرنا ممکن نہ ہو، جیسے زوج کا ''ابنتك باخرى'' کہنا ۔اور چودہ صورتوں میں بقاءِ عدت کی شرط کے ساتھ باقی طلاقیں باقی کے ساتھ لاحق ہوں گی ۔ یہ اس مضمون کا خلاصہ ہے، جو کتبِ مشہورہ میں بسط وتفصیل کے ساتھ مذکور ہے ۔پس اس کو غنیمت سمجھیے اور اس کی قدر کیجیے ......‘‘

مسئلۂ مبحوث عنہا کی ممکنہ سولہ صورتیں مع احکام جدول میں ملاحظہ فرمائیں :

نمبر شمار	طلاقِ سابق	طلاقِ لاحق	مثال	حکم	الدر المختار والرد کی عبارت نمبر
۱	صریح رجعی	صریح رجعی	أنت طالق، أنت طالق	طلاقِ سابق کے ساتھ لاحق ہوگی بشرط بقاء العدۃ / دو رجعی	۱

٢	صریح رجعی	صریح بائن	أنت طالق، أنت طالق أشد الطلاق،	طلاقِ سابق کے ساتھ لاحق ہوگی بشرط بقاء العدۃ/دو بائن	١
٣	,,	کنائی رجعی	أنت طالق، اعتدی	,, ,, /دو رجعی	١-٥
٤	,,	کنائی بائن	أنت طالق، أنت بائن	,, ,, /دو بائن	٣
٥	صریح بائن	صریح رجعی	أنت طالق أشدالطلاق، أنت طالق	طلاقِ سابق کے ساتھ لاحق ہوگی بشرط بقاء العدۃ /دو بائن	١
٦	صریح بائن	صریح بائن	أنت طالق أشدالطلاق، أنت طالق أشدالطلاق،	,, ,, /دو بائن	١
٧	,,	کنائی رجعی	أنت طالق أشدالطلاق، اعتدی	,, ,, /دو بائن	١-٥
٨	,,	کنائی بائن	أنت طالق أشدالطلاق، أنت بائن	طلاقِ سابق کے ساتھ لاحق نہیں ہوگی، الّا یہ کہ انشاء کی نیت کرے یا اخبار پر محمول کرنا ممکن نہ ہو۔ /ایک بائن	٤

۹	کنائی رجعی	صریح رجعی	اعتدی ، أنت طالق	طلاق سابق کے ساتھ لاحق ہوگی بشرط بقاء العدۃ ۔/ دو رجعی	۵-۱
۱۰	,,	صریح بائن	اعتدی ، أنت طالق أشد الطلاق	,, ,, / دو بائن	۵-۱
۱۱	,,	کنائی رجعی	اعتدی ، اعتدی	,, ,, / دو رجعی	۱-۵
۱۲	,,	کنائی بائن	اعتدی ، أنت بائن	,, ,, / دو بائن	۵-۳
۱۳	کنائی بائن	صریح رجعی	أنت بائن ، أنت طالق	طلاق سابق کے ساتھ لاحق ہوگی بشرط بقاء العدۃ ۔/ دو بائن	۲
۱۴	,,	صریح بائن	أنت بائن ، أنت طالق أشد الطلاق	,, ,, / دو بائن	۲
۱۵	,,	کنائی رجعی	أنت بائن ، اعتدی	,, ,, / دو بائن	۲-۵
۱۶	,,	کنائی بائن	أنت بائن ، أنت بائن	طلاقِ سابق کے ساتھ لاحق نہیں ہوگی ، الّا یہ کہ انشاء کی نیت کرے یا اخبار پر محمول کرنا ممکن نہ ہو۔ / ایک بائن	۴

وقف کے مسئلہ میں ایک فقہی اشکال اور جواب

☆ احقر (سابق مفتیِ اعظم پاکستان : حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۱۴ — ۱۳۹۶ ھ)) کے ایک سوال کے جواب میں (حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰ — ۱۳۶۲ ھ) نے) فرمایا:

نقد رقم کا وقف یا اوقاف کی حاصل شدہ نقد آمدنی وقف کے حکم میں ہے یا نہیں؟ اس میں ایک زمانے تک مجھے بہت تردد رہا؛ کیوں کہ نقود سے انتفاع بغیر ان کے استہلاک کے نہیں ہوتا اور وقف کے لیے تابید اور بقاءِ عین شرط ہے اور پھر جب اس پر وقف کی تعریف صادق نہ آئی ، تو اس سے لازم آیا، کہ یہ واقف کی ملک ہو اور واقف مر جائے ، تو اس کے وارثوں میں تقسیم ہو؛ مگر فتاوی عالمگیری کی ایک عبارت نے یہ مسئلہ الحمد للہ حل کر دیا۔

(عالمگیری، کتاب الوقف، الباب الحادی عشر، الفصل الثانی، ص: ۴۶۰، ج: ۲، رشیدیہ: کوئٹہ میں یہ عبارت مذکور ہے:)

رجل أعطى درهماً فى عمارة المسجد أو نفقة المسجد أو مصالح المسجد صح ؛ لأنه و إن كان لا يمكن تصحيحه تمليكا بالهبة للمسجد ، فإثبات الملك للمسجد علىٰ هذا الوجه صحيح ، فيتم بالقبض . كذا فى الواقعات الحسامية .

اگر چہ نقود کے وقف کو وقف صحیح کہنا مشکل ہے؛ مگر اس کو اس حیثیت سے صحیح کہا جا سکتا ہے۔

حضرت (حکیم الامت تھانوی) رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

میرے نزدیک ملکِ مسجد تعبیر ہے ایک خاص صورت کی، جو وقف اور ہبہ کے بین بین ہے، اس کو ملکِ مسجد سے تعبیر کر دیا گیا ہے، فللّٰہ الحمد. بہرحال اس عبارت سے اتنا معلوم ہوگیا، کہ یہ اوقاف کی نقد رقوم ملکِ واقف سے نکل گئی ہے، ورنہ ان کا امانت رکھنا ہی مشکل ہو جاتا۔

(ملفوظات حکیم الامت، ص: ۲۳۶، ج: ۲۴، ادارہ تالیفات اشرفیہ: ملتان)

زنا میں چار گواہ کیوں؟

☆ حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی قدّس اللہ سرہ (۱۲۰۸-۱۳۱۳ھ) سے صاحبِ تفسیر حقّانی حضرت مولانا عبد الحق صاحب حقانی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۶۷-۱۳۳۵ھ) نے عرض کیا:

ہر جگہ شہادت میں دو گواہ ہے، تو زنا میں چار گواہ کیوں ہیں؟

حضرت قُدِّس سِرُّ ہ نے ارشاد فرمایا:

زنا میں دو دو ہیں، زانی اور زانیہ؛ اس لیے چار گواہ ہیں۔

اس پر مولانا عبدالحق صاحب نور اللہ مرقدہ بہت خوش ہوئے۔

(تذکرۂ حضرت مولانا فضلِ رحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ، ص: ۸۰)

چھینک لینا اور اس کا جواب

☆ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان چھینک لے اور الحمد للّٰہ کہے، تو سننے والوں پر مثل سلام کے یرحمك اللّٰہ کہہ کر اس کا جواب دینا واجب ہے؛ اس لیے اس میں کلام ہے، کہ چھینکنے والے کو الحمد للّٰہ با آواز بلند کہنا بہتر ہے؛ تا کہ لوگ یرحمك اللّٰہ کہہ کر جواب دیں، تو ان کو بھی ثواب ملے، اس کے لیے بھی دعاء ہو۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

(علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وینبغي للعاطس أن یرفع صوته بالتحمید حتی یسمع من عنده، فیشمته. رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغیره، ص: ٥٩٤، ج: ٩، العلمیة: بیروت)

حضرت (مولانا اشرف علی صاحب تھانوی) رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، کہ جس جگہ لوگ اپنے کاموں میں مشغول ہوں اور یہ خطرہ ہو کہ ہم نے با آواز بلند الحمد للّٰہ کہا، تو ان کو جواب دینے میں تکلیف ہوگی، ایسی صورت میں بہتر یہ ہے کہ بلند آواز سے الحمد للّٰہ نہ کہے۔

(ملفوظات حکیم الامت، ص: ۲۳۱، ۲۳۲، ج: ۲۴، ادارہ تالیفات اشرفیہ: ملتان)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) نے فرمایا کہ:

مجھے اگر کسی مجمع اور مجلس میں چھینک آتی ہے، تو الحمد للّٰہ آہستہ سے کہتا ہوں؛ تا کہ سارے مجمع پر اس کا جواب دینا یرحمك اللّٰہ سے واجب نہ ہو جائے؛

کیوں کہ بعض اوقات لوگوں کو التفات نہیں ہوتا، یا کوئی دوسری رکاوٹ ہوتی ہے، تو وہ گنہگار ہو جائیں گے۔

(ملفوظات حکیم الامت، ص: ۱۵۵، ۱۵۶، ج: ۲۴، ادارہ تالیفات اشرفیہ: ملتان)

علمِ فرائض کے مخارج سبعہ

☆ 'معین الفرائض' میں ہے:

یہ اچھی طرح یاد رکھو، کہ اس علم (فرائض) کا کوئی مسئلہ ان سات مخارج ۲،۳،۴،۶،۸،۱۲،۲۴ سے باہر نہیں آئے گا......

(معین الفرائض، مخارج کا بیان، ص: ۳۵، طبعِ دوم، جامعہ حسینیہ: راندیر)

'سراجی' میں ہے:

إعلم أن مجموع المخارج سبعة .

حاشیۂ سراجی میں ہے:

(قوله:) مجموع المخارج سبعة: وجهه أن الفروض ستة، وهی نوعان.......

(سراجی، باب العول، ص: ۵۰ مکتبة البشری : کراچی)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) نے ارشاد فرمایا:

''مولانا سیّد احمد صاحب رحمہٗ اللہ (مدرس دارالعلوم دیوبند) نے فرائض

کے مخارجِ سبعہ یاد رکھنے کی سہولت کے لیے یہ عنوان تجویز فرمایا تھا:

دو اور دو کے دو ضِعُف یعنی ایک ضِعُف اور ایک ضِعُف الضِّعُف (: ۲ - ۴-۸)

اور تین اور تین کے تین ضِعُف یعنی ایک ضِعُف ، ایک اس کا ضِعُف ، ایک اس کا ضِعُف (:۳-۶-۱۲-۲۴)''

(ملفوظات حکیم الامت، ص:۱۳۴ نیز ص:۳۴۳، ج:۲۶)
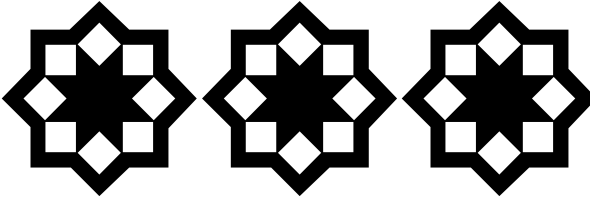
ما يتعلق بالعلم والعلماء

علمی نکتہ

☆ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) فرماتے ہیں:

ایک بار آپ ﷺ صفۂ مسجد میں تشریف رکھتے تھے اور مجلس میں مجمع زیادہ تھا، کچھ اہلِ بدر آئے، تو اُن کو کہیں جگہ نہ ملی اور نہ اہلِ مجلس مل کر بیٹھ گئے، کہ جگہ کھُل جاتی۔ آپ نے جب دیکھا، تو بعضے آدمیوں کو مجلس سے اٹھنے کے لیے فرما دیا۔ منافقین نے طعن کیا، کہ یہ کون سی انصاف کی بات ہے؟ اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا، کہ اللہ تعالیٰ اُس شخص پر رحم کرے، جو اپنے بھائی کے لیے جگہ کھول دے، سو لوگوں نے جگہ کھول دی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُواْ فِى ٱلْمَجَٰلِسِ فَٱفْسَحُواْ يَفْسَحِ ٱللَّهُ لَكُمْ ۖ وَإِذَا قِيلَ ٱنشُزُواْ فَٱنشُزُواْ يَرْفَعِ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ مِنكُمْ وَٱلَّذِينَ أُوتُواْ ٱلْعِلْمَ دَرَجَٰتٍ ۚ وَٱللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿١١﴾ [المجادلة: ۱۱]

''اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے، کہ مجلس میں فراخی کردو: جگہ کھول دو، تو فراخی کر دیا کرو: جگہ کھول دیا کرو، اللہ تمہارے لیے فراخی کر دیں گے اور جب یہ کہا جائے، کہ اٹھ کھڑے ہو، تو اٹھ کھڑے ہوا کرو، اللہ تعالیٰ تم میں ایمان والوں کے اور (ایمان والوں میں) ان لوگوں کے (اور زیادہ) جن کو علم عطا ہوا ہے، بہت سے درجے بلند کردیں گے اور اللہ تعالیٰ کو تمھارے سب اعمال کی پوری خبر ہے۔'' (بیان القرآن)

یہاں ایک علمی نکتہ ہے، وہ یہ کہ دو حکم یہاں مذکور ہیں، اس میں اول کو ثانی

پر کیوں مقدم فرمایا؟

سو وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے، کہ چوں کہ ان میں دوسرا حکم اوّل سے اشد و اشق ہے؛ کیوں کہ " تَفَسَّحُوْا "(جگہ کھول دو) میں تو مجلس سے نہیں اٹھنا پڑتا اور " اُنْشُزُوْا " (اٹھ کھڑے ہو) میں مجلس سے ہی اٹھا دیا ہے؛ اسی لیے " تَفَسَّحُوْا " (جگہ کھول دو) کو مقدم کیا، تا کہ تعلیم اور عمل میں تدریجی ترقی ہو۔ یعنی اوّل سہل پر عمل کرنے سے اطاعت کی عادت پڑے، پھر اشد کا کرنا بھی آسان ہو۔

اور عجب نہیں، کہ حکمِ ثانی پر رفعِ درجات کا ترتّب بھی اسی لیے ہوا ہو، یعنی چوں کہ " اُنْشُزُوْا "(اٹھ کھڑے ہو) کا حکم نفس پر اس وجہ سے زیادہ شاق تھا، کہ اِس میں عار آتی ہے، تو اس پر عمل کرنا غایت تواضع ہے اور تواضع کی جزاء رِفعت ہے؛ اس لیے اس پر " یَرْفَعِ " کو مرتّب فرمایا۔

پس آیت میں دونوں حکموں میں عنوان کے اعتبار سے ایک تفاوت تو یہ ہوا، کہ پہلے عمل پر فراخی کو مرتب فرمایا، جو کہ عادتاً مال کے ذریعے سے حاصل ہوتی ہے اور مال کم درجہ کا مطلوب ہے اور دوسرے عمل پر رفعِ درجات کو مرتّب فرمایا، جو کہ جاہ کے ذریعے سے ہوتا ہے اور جاہ بہ نسبت مال کے اعلیٰ درجہ کا مطلوب ہے، سو یہ تفاوت تو اسی لیے ہوا، کہ عملِ اوّل نفس پر سہل تھا؛ اس لیے جزاء بھی اس کی دوسرے درجہ کی ہوئی اور عملِ ثانی نہایت شاق تھا؛ اس لیے جزاء بھی نہایت اعلیٰ درجہ کی ہوئی، تو عملِ ثانی کے متعلق جو وعدہ ہے، وہ گویا " من تواضع للّٰہ رفعہ اللّٰہ " کا ہم مضمون ہوا، کہ غایت تواضع کی وجہ سے رفعِ درجات کا ثمرہ مرتّب ہوا۔

دوسرا تفاوت عنوان میں یہ ہے، کہ ثمرۂ اوّل میں " لَكُمْ " بتعمیمِ خطاب

فرمایا اور ثمرۂ ثانی میں " يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ " بہ تخصیص بعد تعمیم فرمایا۔ یعنی ثمرۂ اول میں تمام مؤمنین کو درجۂ مساوات میں خطابِ عام ہے اور ثمرۂ ثانی میں اہلِ علم کو تخصیص بعد تعمیم کے طور پر اہلِ ایمان میں سے خاص کر کے بھی خطاب فرمایا۔

وجہ اس کی یہ ہے، کہ " تَـفَسُّـح " کوئی امرِ شاق نہ تھا، اِس میں نیت کے صاف اور خالص نہ ہونے کا بہت کم احتمال تھا، تو اس کے امتثال میں سب مؤمنین قریب قریب یکساں ہوں گے، بخلاف دوسرے عمل کے، کہ نفس پر بہت شاق ہے، اس میں احتمال ہے، کہ بعضے لوگ محض وضع داری سے اُٹھ کھڑے ہوں اور اس میں وہ مخلص نہ ہوں اور خلوص میں علم کو زیادہ دخل ہے؛ کیوں کہ اس سے اُس کے دقائق معلوم ہوتے ہیں؛ اس لیے اس میں علم والوں کی تخصیص بعد تعمیم فرمائی؛ کیوں کہ اہلِ علم میں منشأ امتثال بدرجہ اوّل پایا جائے گا؛ اس لیے وہ خلوص میں دوسرے مؤمنین سے زیادہ ہوں گے۔

(خطبات حکیم الامت، ص: ۴۰۴ تا ۴۰۶، ج: ۲)

مَشاہیرِ امّت میں تین قسم کے افراد

☆ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی قدس اللہ سرہ (۱۲۶۸-۱۳۳۹ھ) نے فرمایا:

(حجۃ الاسلام) حضرت (مولانا محمد قاسم صاحب) نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۲۴۸ - ۱۲۹۷ھ) فرمایا کرتے تھے، کہ مَشاہیرِ امّت میں تین قسم کے افراد گزرے ہیں:

(۱) بعض ایسے ہیں، کہ حقائقِ شرعیہ میں ان کا ذہن طول وعرض میں چلتا ہے، جیسے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ (۵۴۳ یا ۵۴۴ یا ۵۴۵ - ۶۰۶ھ)، کہ ہر مسئلے میں پھیلتے زیادہ ہیں اور ترتیب وتفصیل وتہذیبِ مواد میں زیادہ مستعد ہیں۔

(۲) بعض ایسے ہیں، کہ جن کا ذہن علو کی طرف زیادہ چلتا ہے، جیسے شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۱۴ - ۱۱۷۶ھ)، کہ حقائق میں اس قدر بلند پرواز ہیں، کہ اصحابِ ذوق کو بھی ان کے مدارک تک پہنچنا مشکل ہو جاتا ہے۔

(۳) بعض ایسے ہیں، جن کا ذہن عمق کی طرف زیادہ دوڑتا ہے، جیسے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (اصح قول کے مطابق ۸۰ - ۱۵۰ھ)، کہ ہر مسئلہ کی تہ اور اصلیت کا سُراغ لگا لیتے ہیں اور ایسی اصل قائم فرما دیتے ہیں، کہ سیکڑوں تفریعات اس سے ممکن ہو جاتی ہیں۔

(حکایاتِ اولیاء المعروف بہ ارواحِ ثلثہ، ص: ۲۸۵)

مذاہب ثلاثہ کے بہترین مراجع

☆ روزنامہ 'اسلام' کراچی والوں نے سن ہجری ۱۴۲۳ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم سے ایک انٹرویو لیا تھا، جو 'ضربِ مؤمن' کی جلد: ۶ کے شمارہ: ۲۴ میں شائع ہوا تھا، اس میں حضرت شیخ الاسلام مدظلہم سے ایک

سوال یہ کیا گیا تھا:

تحقیق کرنے والوں کے لیے دیگر مذاہب کی قابلِ اعتماد اور زیادہ نافع اور مراجع کی کون سی کُتب ہیں، وہ اگر ایک نظر میں آجائیں؟

حضرت شیخ الاسلام مدظلہم نے اس کے جواب میں فرمایا:

''حنفی مذہب کی تو معروف ہیں۔

شافعیہ کے یہاں جو اچھے مراجع ہیں، ان میں 'نھایة المحتاج' رملی کی، 'مغنی المحتاج شرح المنهاج' خطیب شربینی کی اور 'شرح المھذب' یہ تین میں سمجھتا ہوں کہ بنیادی اہمیت رکھتی ہیں۔

مالکیہ کے یہاں سب سے اچھی جس سے مدد ملتی ہے، وہ دُسوقی کا حاشیہ ہے شرح مختصر الخلیل کے اوپر، شرح تقدیر کا حاشیہ اور حطاب کا حاشیہ حاشیةالحطّاب الجلیل جس کا نام ہے۔

حنابلہ کے مذہب کے لیے سب سے اچھی ہے 'کشاف القناع عن متن الإقناع' اور 'شرح منتھی الارادات للبُھوتی.'

ابتدائی تعلیم میں ترجمہ کا طریقہ

☆ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) فرماتے ہیں:

بھائیو! تم مسلمان ہو، تم کو اسلامی طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ کہنے کو کہتے ہو

کہ ہم مسلمان ہیں اور پھر مخالفت کرتے ہو! یہ کیسا اسلام ہے کہ اس کے مخالف ہیں؟ حتّٰی کہ احکام سے گزر کر زبان تک میں غیر قوموں کی تقلید کرتے ہیں اور وہ لوگ صحیح اردو بولنا باعثِ عزت سمجھتی ہیں، گو بولی نہیں جاتی ......

تمھارے سلف کا طریقہ کیا بُرا ہے، اس میں کون سی قباحت ہے؟ میں یہ نہیں کہتا کہ تم اس طرح بولو کہ اس کے تیئں ۔ بیچ سہارن پور کے ۔ اوپر اس کے، گو ابتدائی تعلیم میں ترجمہ کا یہی طریقہ مناسب ہے؛ کیوں کہ عربی، فارسی الفاظ کا ترجمہ اس طرز میں اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے۔

مولانا رحمت اللہ صاحب (۱۲۳۳ -۱۳۰۸ ھ) کے بھائی حکیم علی اکبر صاحب کیرانوی رحمہما اللہ بہت سادہ مزاج و باکمال شخص تھے، کسی بات میں تکلّف نہ تھا۔ فرمایا کرتے تھے، کہ آج کل ترجمہ کا نیا طریقہ اختیار کیا گیا ہے، ’’مکتوبِ دُویم‘‘ کا ترجمہ کرایا جاتاہے: دوسرا خط، جس سے وہ پڑھنے والا اوتنی کا یوں سمجھے کہ ’’مکتوب‘‘ کے معنی تو دوسرا اور ’’دُویم‘‘ کے معنی خط ۔ یوں ترجمہ کرانا چاہیے: خط دوسرا۔

اور ہے بھی واقعی یہی بات ؛ البتہ جب اتنی سمجھ آ جائے کہ ترجمۂ الفاظ خود سمجھنے لگے، تو محاورہ کے اتباع میں بھی کچھ مضائقہ نہیں ۔

(خطبات حکیم الامت ، وعظ : دستور سہارن پور، ص: ۴۸۰ تا ۴۸۲ ، ج: ۱۱)

☆ حضرت تھانوی قدس سرہ کے خلیفہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۱۲ یا ۱۳۱۳ - ۱۳۹۰ ھ): بانیٔ مدرسہ خیر المدارس : ملتان فرماتے ہیں:

تعلیمی حیثیت سے کتبِ درسیہ کے تین طبقے قرار دیے گئے ہیں : اُولیٰ ، وسطی ، علیا۔

اولی : میزان الصرف سے کافیہ تک ۔ وسطی : شرح جامی سے ہدایہ اولین تک ۔ علیا : تفسیر جلالین سے دورۂ حدیث شریف تک ۔ ہر طبقہ سے متعلق طریقۂ تعلیم درجِ ذیل ہے :

طریقۂ تعلیم طبقۂ اولیٰ :

اس طبقہ میں حتی الوسع ترجمہ لفظی اور مطلب خیز، تقریر مختصر اور ذہن نشیں، اندازِ بیان سادہ اور سہل، تفہیمِ مضمون آسان الفاظ میں ہونی چاہیے ......

طریقۂ تعلیم طبقۂ وسطی :

...... ترجمۂ قرآن عظیم میں علوم و معارفِ قرآن کی بجائے عربیت پر زیادہ توجہ کی جائے ۔ صرفی و نحوی امور کا لحاظ رکھتے ہوئے پہلے مفردات کے لغوی اور مرادی معنی اور محلِّ اعراب کو بتلایا جائے، پھر سادہ اور مطلب خیز لفظی ترجمہ کرایا جائے ......

(آثارِ خیر، ص : ۵۱۰ تا ۵۱۴، ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ، طباعت : جمادی الثانیۃ : ۱۴۱۵ھ)

بہشتی زیور — مولانا سیّد احمد علی صاحب فتح پوری رحمہٗ اللہ کی تالیف

☆ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ ۱۲۸۰ – ۱۳۶۲ھ) فرماتے ہیں :

’بہشتی زیور‘ کو مولوی احمد علی صاحب (فتح پوری) مرحوم (۱۲۹۲ – ۱۳۲۱ھ) — حضرت تھانوی قدس سرہ کے شاگردِ رشید اور خلیفہ — نے لکھا ہے، ان بے چاروں کا کوئی نام بھی نہیں لیتا ؛ البتہ وہ مجھ سے مشورہ کرتے تھے اور جو لکھتے، مجھے

دکھاتے تھے اور میں نے اس کو بہشتی زیور میں لکھ بھی دیا ہے اور پھر بھی میری طرف منسوب کرتے ہیں۔ اس کی روز بروز کی مقبولیت مولوی احمد علی مرحوم کے خلوص پر دال ہے۔

(ملفوظات حکیم الامت، ص: ۱۸۲، ج: ۱۱)

'بہشتی زیور' کے دیباچۂ قدیمہ میں حضرت حکیم الامت قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

......یہ تجویز کی، کہ ایک کتاب خاص ان (عورتوں) کے لیے ایسی بنائی جاوے، جس کی عبارت بہت ہی سلیس ہو، جمیع ضروریاتِ دین کو وہ حاوی ہو اور جو احکام صرف مردوں کے ساتھ مخصوص ہیں، ان کو اس میں نہ لیا جاوے اور وہ ایسی کافی و وافی ہو، کہ صرف اس کا پڑھ لینا ضروریاتِ دین روز مرہ میں اور کتابوں سے مستغنی کردے اور یوں تو علم دین کا احاطہ ایک کتاب میں ظاہر ہے کہ ناممکن ہے، اس طرح مسلمانوں کو علماء سے استغناء محال ہے۔ کئی سال تک یہ خیال دل میں پکتا رہا؛ لیکن بوجہ عروضِ عوارض مختلفہ کے جس میں بڑا امر کم فرصتی ہے، اس کے شروع کی نوبت نہ آئی، آخر سن ۱۳۲۰ھ میں جس طرح بن پڑا، خدا کا نام لے کر اس کو شروع ہی کردیا..........تالیف اس کی برائے نام اس ناکارہ و ناچیز کی طرف منسوب ہے اور واقع میں اس کے گل سرسبد حبیبی عزیزی مولوی سیّد احمد علی صاحب فتح پوری سلّمہٗ اللہ تعالیٰ بالافادات والافاضات ہیں۔

(بہشتی زیور، ص: ۲۲، ۲۳، دارالاشاعت: کراچی، طباعت: مارچ ۲۰۰۲ء)

'بہشتی زیور' حصۂ چہارم کے آخر میں حضرت تھانوی قدس سرہ تحریر فرماتے

ہیں:

مؤلف بہشتی زیور نے (کہ مولوی احمد علی صاحب ہیں، جیسا کہ احقر اپنی بعض تحریرات میں اس کو شائع بھی کر چکا ہے)......

(بہشتی زیور، ص: ۳۴۴، دارالاشاعت: کراچی، طباعت: مارچ ۲۰۰۲ء)

'نزھۃ الخواطر' میں مولانا احمد علی صاحب فتح پوری رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ میں ہے:

وكانت له مناسبة تامة بالفقه، يدل على ذلك الأجزاء الخمسة الأولى من كتاب «بهشتى زيور» الذى تلقى بالقبول وانتشر انتشارا عظيمًا فى بلاد الهند.

(نزهة الخواطر، ص: ٥٤، ٥٥، ج: ٨، طيّب اكادمى: ملتان)

فقیہ النفس — فتاویٰ شامی

☆ فخر المحدثین حضرت مولانا سیّد انظر شاہ صاحب کشمیری نور اللہ مرقدہ (۱۳۴۷-۱۴۲۹ھ) سابق شیخ الحدیث دارالعلوم وقف دیوبند اپنے والد بزرگوار: امام العصر حضرت علاّمہ انور شاہ صاحب کشمیری قدس اللہ سرہ (۱۲۹۲-۱۳۵۲ھ) کی سوانح 'نقش دوام' میں تحریر فرماتے ہیں:

عصرِ حاضر میں ہمارے موجودہ اہلِ فتویٰ کا پورا مدار 'شامی' کے بیان کردہ مسائل پر ہے؛ لیکن ان کو (علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ کو) شامی کے تفقّہ پر

چنداں اعتماد نہ تھا۔ ابن نُجیم صاحبِ البحر الرائق (وفات: ۹۷۰ھ) کے تفقّہ کو وقیع انداز میں سراہتے ہوئے فرماتے:

''ابن نُجیم فقیہ النفس ہیں۔''

(نقشِ دوام، ص: ۱۱۵، شاہ اکیڈمی: دیوبند)

مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۱۴-۱۳۹۶ھ) فرماتے ہیں:

میرے استاد محترم شیخ مشائخ العصر حضرت العلامہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ: سابق صدر مدرس دارالعلوم دیوبند (قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ کی نسبت) فرمایا کرتے تھے، کہ اب سے ایک صدی پہلے تک اس شان کا فقیہ النفس علماء کی جماعت میں نظر نہیں آتا۔

حضرت شاہ صاحب کی زبان سے ''فقیہ النفس'' کا لفظ متأخرین میں سے یا تو صاحب البحر الرائق کی نسبت سے سنا ہے اور یا حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۴۴-۱۳۲۳ھ) کی نسبت؛ یہاں تک کہ علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۹۸-۱۲۵۲ھ) کے تبحّر علمی کا اعتراف کرنے کے باوجود ان کو فقیہ النفس نہ فرماتے تھے۔

(فتاوی دارالعلوم دیوبند یعنی امداد المفتیین، ابتدائیہ، ص: ۹۲، ج: ۲، دارالاشاعت: کراچی)

☆ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری قدس اللہ سرہ (۱۲۶۹-۱۳۴۶ھ) کے متعلق مقدمہ 'فتاوی مظاہر علوم المعروف بہ فتاویٰ خلیلیہ' میں ہے:

فتوی لکھتے وقت 'شامی' پیشِ نظر رہتی، مگر جس قول کے وہ ناقل ہوتے،

اس کو تو حضرت حجّت سمجھتے اور جو رائے علامہ شامی کی ذاتی ہوتی ، اُس کو جب تک تحقیق نہ فرمالیتے ، حجّت نہ قرار دیتے اور فرماتے ، کہ یہ تو مُعاصِر ہیں، هُم رِجال و نحنُ رِجال . اُن کی رائے ہم پر حجت نہیں، جب تک کہ اسلاف کے قول سے اس کی تائید نہ ہو۔

.......فقہ سے مناسبت کے لیے حضرت ' شامی ' اور ' بدائع ' کے مطالعہ کی تاکید کرتے اور فرماتے تھے، کہ جزئیات تو ' شامی ' میں زیادہ ہیں، مگر فقہ اور اصولِ فقہ کی لِم 'بدائع الصنائع' میں زیادہ ہے۔''

(فتاوی خلیلیہ، مقدّمہ، ص: ۵۳، ج: ۱، مکتبۃ الشیخ: کراچی)

حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلی لکھنوی رحمہٗ اللہ

☆ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) نے ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا:

مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی رحمہٗ اللہ (۱۲۶۴-۱۳۰۴ھ) نہایت ہی حُسن صورت، حُسن سیرت، حُسن اخلاق کے جامع تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ نواب زادے ہیں۔ اُن کے خواص سے معلوم ہوا، کہ شب کی عبادت میں روتے تھے۔ دن کو امیر، رات کو فقیر۔ کثرتِ کام کی وجہ سے دماغ ماؤف ہوکر مرگی کا مرض ہوگیا تھا۔ تھوڑی سی عمر میں بڑا کام کیا، یہ سب تائید غیبی ہوتی ہے، ورنہ انسان کا وجود ہی کیا ہے؟

(ملفوظات حکیم الامت، ملفوظ: ۴۸۴، ص: ۴۲۳، ج: ۶، ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ: ملتان)

☆ ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں حضرت تھانوی قدس سرہ نے فرمایا:

مولانا عبد الحی صاحب نے نواب صدیق حسن خاں صاحب(۱۲۴۸-۱۳۰۷ھ) کے مقابلے میں جو مباحث لکھے ہیں ، بہت اچھے لکھے ہیں ۔ ان کی نظر بہت وسیع تھی ۔نقل بہت کرتے ہیں اور آج کل کوڑ مغزوں کے لیےنقل ہی کی زیادہ ضرورت ہے، درایت کا آج کل زمانہ نہیں ۔

(ملفوظات حکیم الامت ، ملفوظ : ۴۷۵ ،ص: ۴۱۸ ، ج: ٦ ، ادارہ تالیفات اشرفیہ: ملتان ، طباعت : محرم۱۴۲۴ھ)

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی صاحب نوراللہ مرقدہ (۱۳۳۳-۱۴۲۰ھ) نے اپنی کتاب ’ المسلمون فی الهند ‘ص : ٥٤ میں حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲٦۴-۱۳۰۴ھ) کو ” علاّمۃُ الهِند “ اور ” فخرُ المتأخرین “ سے ملقّب فرمایا ہے اور ذکر کیا ہے کہ انھوں نے ایک سو دس (۱۱۰) کتابیں لکھی ہیں ، جن میں سے چھیاسی (۸٦) کتابیں عربی میں ہیں ۔

مناسب معلوم ہوتا ہے ، کہ حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر خیر کے تحت ان کی تالیف ’ السعایۃ ‘ کے متعلق شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کا وہ وقیع تبصرہ بھی درج کردیا جائے ، جو ’ البلاغ ‘ بابت : ربیع الثانی ۱۳۹۲ھ میں شائع ہوا تھا :

’’ حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے آخری دور میں علمِ حدیث

اورعلمِ فقہ کی جوگراں قدر خدمات انجام دی ہیں، انھوں نے متقدمین کی یاد تازہ کردی ہے، زیرِ نظر کتاب ان کی مایۂ ناز تصنیف " السعایۃ " ہے جو شرحِ وقایہ کی مبسوط اور مفصل شرح ہے، اس کی جامعیت کا اندازہ اس بات سے کیجیے کہ بڑی تقطیع کے تقریباً نوسو صفحات میں کتاب الصلوٰۃ بھی مکمل نہیں ہوئی؛ بل کہ صرف " فصل فی القراءۃ " تک کی شرح لکھی گئی ہے۔

کہنے کو یہ فقہ کی کتاب یعنی " شرح الوقایہ " کی شرح ہے؛ لیکن اپنے مباحث کے لحاظ سے یہ درحقیقت علمِ حدیث کی محققانہ کتاب ہے، شافعی مسلک میں علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب " المجموع فی شرح المهذب " اور حنبلی مسلک میں علامہ ابنِ قدامہ رحمۃ اللہ علیہ کی " المغنی " اس اعتبار سے شہرۂ آفاق ہیں کہ ان کا اصل موضوع فقہ ہے اور ان میں فقہی جزئیات تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں؛ لیکن اس کے ساتھ ان میں فقہاء کے مذاہب، ہر فریق کے مفصل دلائل، متعلقہ احادیث کی تحقیق وتشریح اور ان پر محدثانہ مباحث بھی موجود ہیں، حنفی مسلک میں اگر کوئی کتاب مذکورہ کتب کی ہم سری کرسکتی ہے تو وہ علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ کی " فتح القدیر " ہے؛ لیکن اس کا طرز قدرے مختلف ہے۔

حضرت مولانا عبد الحی لکھنوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کی تالیف میں تقریباً وہی طرز اختیار فرمایا ہے جو " شرح المهذب " اور " المغنی " لابنِ قدامہ کا طریقہ ہے؛ بل کہ یہ کتاب اپنے متنوع مضامین اور مباحث کی وسعت کے لحاظ سے ان سے بھی زیادہ مبسوط اور جامع ہے؛ چناں چہ وہ سب سے پہلے متن کی لغات کی تشریح اور نحوی مباحث پوری تفصیل سے بیان فرماتے ہیں، پھر

متن کا مسئلہ جن آیاتِ قرآنی یا احادیث سے مستنبط ہوتا ہے ان کی تشریح کرتے ہیں، اسی ذیل میں فقہائے اُمت کے مذاہب اور ان کے دلائل بیان کرتے ہوئے احادیث کی اسنادی تحقیق، متعارض روایات میں تطبیق وترجیح اور متعلقہ اُصولی مباحث کی تفصیل درج کی گئی ہے اوراس کے بعد متن کے مسئلے سے متعلق فقہی جزئیات بیان کی گئی ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ پوری کتاب میں تفسیر، حدیث، فقہ، اُصولِ فقہ وحدیث اورعلومِ عربیت کے دریا موجزن نظر آتے ہیں اور مباحث کے استقصاء کے لحاظ سے شاید ہی کوئی دُوسری کتاب اس کی ہم سری کر سکے، یہ اور بات ہے کہ غیر جانبداری کے جوش میں انھوں نے بہت سی باتیں کمزور بھی کہہ دی ہیں۔

اگر حضرت مولانا لکھنوی رحمہ اللہ اس کتاب کی تالیف مکمل فرما لیتے تو بلاشبہ یہ ایک منفرد کتاب ہوتی؛ لیکن افسوس ہے کہ وہ کتاب الصلوٰۃ بھی مکمل نہیں فرما سکے اور غالبًا اسی خیال کے پیشِ نظر کہ اس کتاب کی تکمیل میں بہت وقت لگ جائے گا، انھوں نے "شرح الوقایہ" کا ایک نسبتاً مختصر حاشیہ "عمدۃ الرعایۃ" کے نام سے لکھ دیا جو شائع ہو چکا ہے؛ لیکن بعد میں "السعایہ" کی تکمیل وہ نہ فرما سکے، تاہم جتنے مباحث اس میں آ گئے ہیں وہ بڑی حد تک دُوسری کتابوں سے مستغنی کر دیتے ہیں؛ اس لیے اس کتاب کو اہلِ علم نے ہمیشہ بڑی قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا ہے، البتہ مولانا لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی بہت سی تحقیقات عام علمائے حنفیہ کے خلاف ہیں اور اس کتاب میں ایسی تحقیقات کی تعداد شاید ان کی تمام دُوسری کتابوں سے زیادہ ہے۔"

(تبصرے، ص: ۲۸۶ تا ۲۸۸، مکتبۂ معارف القرآن: کراچی)

ابلیس '' مُعَلِّمُ المَلَکُوت'' تھا؟

☆ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰ - ۱۳۶۲ھ) نے ابلیس کو '' مُعَلِّمُ المَلَکُوت'' کہے جانے کے متعلق ارشاد فرمایا:

'' یہ بات بہت مشہور ہے؛ مگر اس کی تصدیق کسی روایت سے نظر میں نہیں آتی اور نہ یہ بات فی نفسہ سمجھ میں آتی ہے۔

زیادہ سے زیادہ یہ توجیہ ہوسکتی ہے، کہ وہ اس درجہ کا بڑا عالم تھا، کہ '' مُعَلِّمُ المَلَکُوت'' ہوسکتا تھا۔

شعراء نے عموماً اس ('' مُعَلِّمُ المَلَکُوت '' لفظ) کو لیا ہے، یہاں تک کہ خاقانی نے بھی اپنی نظموں میں لکھا ہے۔ خاقانی بہت بڑے آدمی تھے؛ مگر محقق بڑے نہ تھے۔''

(ملفوظات حکیم الامت، ص: ۲۸۶، ج: ۲۴)

بندہ کہتا ہے:

اس بات کا بھی احتمال ہے، کہ ابلیس کے لیے اوّلاً جب یہ لفظ کسی نے لکھا ہوگا، تو اس کی مراد مُعَلِّمُ (بصیغۂ اسم فاعل) المَلَکُوت یعنی فرشتوں کا استاذ نہ ہو؛ بل کہ مُعَلَّمُ (بصیغہ اسم مفعول) المَلَکُوت بمعنی فرشتوں کا سکھایا ہوا ہو: فرشتوں نے اس کو آداب وغیرہ سکھائے ہوں، پھر بجائے اسم مفعول: مُعَلَّم الملکُوت کے اسمِ فاعل: مُعَلِّمُ الملکُوت رواج پا گیا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

شریعت میں چاند سے حساب میں حکمتیں

☆ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) فرماتے ہیں:

شریعت میں چاند سے حساب مقرر ہے، تو حساب چاند سے کیوں لیا گیا، سورج سے کس لیے نہیں رکھا گیا، جیسا کہ اور لوگوں نے سورج سے حساب رکھا ہے؟

راز اس کا یہ ہے، کہ چاند سے حساب رکھنے میں سہولت ہے اور رسول اللہ ﷺ شریعتِ سہلہ لے کر بھیجے گئے ہیں۔ یہ تو ایک ظاہری حکمت ہے۔

مولانا محمد یعقوب صاحب (نانوتوی رحمہٗ اللہ) (۱۲۴۹-۱۳۰۲ھ) فرمایا کرتے تھے:

شریعت میں جو چاند سے حساب رکھا ہے، اس میں یہ بھی راز ہے، کہ اگر تمام لوگوں پر کبھی سہو مسلّط ہو جائے، یعنی کسی کو بھی تاریخ یاد نہ رہے، تو آفتاب سے تاریخ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہوسکتا، ہوسکتا ہے اس سے عام شورش پھیل جائے اور چاند ایسی چیز ہے، کہ اوّل تو اس کی کمی اور زیادتی کو دیکھ کر روزانہ تاریخ کا بھی اندازہ ممکن ہے اور اگر پریشانی بھی ہوگی تو ختمِ ماہ تک ہوگی، چاند ہو جانے پر پھر حساب جاری ہوسکتا ہے، بخلاف سورج کے کہ اس میں یہ صورت نہیں ہوسکتی۔ پس چاند کا حساب سہل ہے، عامی تک حساب لگا سکتا ہے۔

ایک اور دقیق حکمت ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ الٰہی احکام ہیں، وہ یہ کہ اس میں تمام عالَم کی رعایت ہے اور جس قانون میں تمام عالَم کی رعایت ہو،

وہی الٰہی قانون ہوسکتا ہے۔ شریعت ہی ایسا قانون ہے، جس میں تمام عالَم کی رعایت ہے۔

مثلاً روزہ ہی ہے۔ اگر اس کا حساب سورج سے ہوتا، مثلاً مئی یا جون میں سے کوئی مہینہ اس کے لیے معیّن ہوتا، تو جس موقعہ پر مئی، جون میں گرمی ہوتی ہے، اس جگہ روزے ہمیشہ گرمی میں رہا کرتے اور جہاں سردی ہوتی ہے، وہاں سردی ہی میں ہمیشہ رہتے۔ پس کسی جگہ کے باشندوں پر تو روزے ہمیشہ گرمی میں ہوتے اور کسی جگہ کے لوگوں کے لیے سردی ہی میں رہتے۔ تمام عالَم کے لیے سہولت تو اس میں ہے، کہ جہاں اب گرمی میں تھے، کبھی آئندہ ان کے لیے سردی میں ہو جائیں اور جس جگہ اب سردی میں تھے، وہاں آئندہ گرمی میں ہو جائیں؛ تا کہ ہر موسم کی حالت پیشِ نظر رہے اور یہ چاند کے حساب میں ہوسکتا ہے، سورج کے حساب میں یہ صورت ممکن نہیں۔ تمام عالَم کے لیے سہولت ہونا یہ برکت باطنی ہے۔ باقی تمام اَسرار کا احاطہ کون کرسکتا ہے؟

(خطباتِ حکیم الامت، ص: ۲۰۱ تا ۲۰۳، ج: ۷)

طلبہ کے لیے چند منتخب زرّیں نصائح وعِبر

☆ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۴۹-۱۳۰۲ھ) فرماتے تھے:

علم کے حصول کے لیے شرط ہے کہ استاد کا ادب کرے اور تقویٰ حاصل

کرے، پھر علم آتا ہے۔

(ملفوظات حکیم الامت، ص: ۲۰۵، ج: ۲۶)

☆ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) فرماتے ہیں:

''ایک کوتاہی یہ ہے کہ طلباء میں استادوں کا ادب نہیں ہے اور جن استادوں کا ادب کرتے ہیں، وہ اُستادی کی وجہ سے نہیں کرتے؛ بل کہ بزرگی اور شہرت کی وجہ سے کرتے ہیں۔ استادی کا ادب ہوتا، تو جو استاد مشہور بزرگ اور مقتدا نہیں ہیں، اُن کا بھی ادب کیا جاتا؛ کیوں کہ استادی کا حق تو اُن کو بھی حاصل ہے......

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہٗ اللہ (۱۲۴۹-۱۳۰۲ھ) سے کسی نے (حجۃ الاسلام حضرت) مولانا محمد قاسم صاحب رحمہٗ اللہ (۱۲۴۸-۱۲۹۷ھ) کے تفوُّقِ علمی کا سبب پوچھا تھا، تو میرے سامنے فرمایا، کہ مولانا کے اس تفوُّقِ علوم کے بہت سے اسباب ہیں، منجملہ اُن کے ایک سبب یہ بھی فرمایا تھا، کہ وہ اپنے اُستادوں کا ادب بہت کرتے تھے۔''

(خطبات حکیم الامت، وعظ: کوثر العلوم، ص: ۲۷۰، ۲۷۱، ج: ۲، ملفوظات حکیم الامت، ص: ۲۴۱، ج: ۱۸)

☆ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) فرماتے ہیں:

''علم میں برکت بزرگانِ سلف کے ادب سے ہوتی ہے۔''

(ملفوظات حکیم الامت، ص: ۱۶۲، ج: ۲۴)

☆ حضرت مُجدِّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ (۹۷۱ - ۱۰۳۴ھ) ایک روز بیت الخلاء میں تشریف لے گئے، پھر فوراً ہی گبھرا کر واپس آئے اور ناخن پر جو قلم کی نوک سے ایک نقطہ لگا ہوا تھا، اس کے دھونے کے بعد بیت الخلاء میں گئے۔

یہ تھا ان حضرات کا ادب، جس کی برکت سے حق تعالیٰ نے ان کو درجاتِ عالیہ عطا فرمائے تھے۔ آج کل تو اخبار و رسائل کی فراوانی ہے، ان میں قرآنی آیات، احادیث اور اسماءِ الٰہیہ ہونے کے باوجود گلی کوچوں میں، غلاظتوں کی جگہوں پر بکھرے ہوئے نظر آتے ہیں، العیاذ باللّٰہ العلی العظیم اور معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کی دنیا جن عالمگیر پریشانیوں میں گھری ہوئی ہے، اس میں اس بے ادبی کا بھی بڑا دخل ہے۔

(ملفوظات حکیم الامت، ص: ۲۶۸، ۲۶۹ نیز ص: ۲۸۲، ج: ۲۴)

☆ حضرت مولانا عبد الحق صاحب نور اللہ مرقدہ (وفات: ۱۴۰۹ھ) (بانی و شیخ الحدیث: جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک: پاکستان) نے ارشاد فرمایا:

”قوتِ حافظہ کے جہاں اور بہت سے اسباب ہیں، ان میں اہم سبب اپنے اساتذہ کے لیے دعا کرنا بھی ہے، جتنا بھی اس کا اہتمام کیا جائے گا، قوتِ حافظہ میں اسی قدر اضافہ ہوتا رہے گا۔“

(صحبتے با اہل حق، ص: ۶۶)

☆ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰ - ۱۳۶۲ھ) فرماتے ہیں:

’’ایک کتاب بچپن میں نظر سے گزری تھی، جو غالباً مفتی سعد اللہ صاحب کی تصنیف تھی، اس میں دیکھا کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہٗ اللہ (۸۰-۱۵۰ھ) فرماتے ہیں، کہ مجھے جو کچھ ملا، وہ اس دعاء کی برکت سے ملا، وہ دعا یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ إِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ عَلیٰ طَاعَتِکَ .

(اے اللہ! ہم آپ سے آپ کی اطاعت پر مدد چاہتے ہیں)

میں نے اسی وقت سے اس کا التزام کرلیا ہے‘‘۔

حفظ قرآن کے طالب علم کو تعویذ کی درخواست پر بھی (حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے) تلقین فرمائی کہ ہر نماز کے بعد گیارہ مرتبہ یہ دعا پڑھ لیا کرے۔

(ملفوظات حکیم الامت، ص: ۲۱۵، ۲۱۶، ج: ۲۴)

حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کے ایک اور ملفوظ میں ہے:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق یہ لکھا ہے کہ چھوٹی عمر میں اللھم إنا نستعینك علیٰ طاعتك (اے اللہ! ہم آپ سے آپ کی اطاعت پر مدد چاہتے ہیں) پڑھتے تھے، اس سے ذہن اور علم میں برکت ہوتی ہے۔

(ملفوظات حکیم الامت، ص: ۳۹۲، ج: ۲۶)

☆ فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہٗ اللہ (۱۳۴۱-۱۴۲۲ھ) فرماتے ہیں:

’’علمی استعداد سات چیزوں پر موقوف ہے:

(۱) ذہن (۲) حافظہ (۳) محنت (۴) آلاتِ علم یعنی کتاب،

کاغذ،قلم اور تپائی وغیرہ کا ادب (۵) استاذ کا ادب (۶) دُعاء (۷) ترکِ منکرات

ان میں سب سے زیادہ اہم چیز ترکِ منکرات ہے؛ اس لیے کہ علمِ دین اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص عنایت اور اس کی بہت بڑی نعمت ہے، وہ اتنی بڑی دولت صرف اسی کو عطا فرماتے ہیں، جو اس کی ہر نافرمانی چھوڑ کر اس سے محبت کا ثبوت پیش کرے۔''

(جواہر الرشید،ص:۱۱۲، ج:۱)

☆ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) نے مطالعہ کی بابت فرمایا:

مطالعہ کی برکت سے استعداد اور فہم پیدا ہوتا ہے اور اس کی ایسی مثال ہے، جیسے کپڑا رنگنے کے لیے اول اس کو دھولیا جاتا ہے، پھر رنگ کے مٹکے میں ڈالا جاتا ہے اور اگر پہلے دھویا نہ جائے ،تو کپڑے پر داغ پڑ جاتے ہیں، اسی طرح اگر مطالعہ نہ دیکھا جائے ،تو مضمون اچھی طرح کچھ سمجھ میں نہیں آتا اور اس سے مُعلِّم کو تکلیف ہوتی ہے، یہ بھی ایذا میں داخل ہے اور اس سے احتراز واجب ہے۔

(ملفوظات حکیم الامت،ص:۸۰، ج:۱۳)

☆ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) فرماتے ہیں:

ہمارے زمانے میں طلباء پر اپنے اساتذہ کے سوا کسی کا رنگ واثر نہ جمتا تھا،

طلباء کو اپنے اساتذہ سے خاص عقیدت و محبت اور اساتذہ کو ان پر خاص شفقت ہوتی تھی۔

اب مزاج و مذاق بدل گئے۔ طلباء و اساتذہ میں وہ تعلّق قائم نہیں رہا؛ اس لیے عملی ذوق اور علمی رنگ بھی ان میں پیدا نہیں ہوتا اور کسی رنگ میں بھی پختہ نہیں ہوتے، علمی استعداد اور عملی تربیت سبھی کمزور ہوگئیں؛ اس لیے مدارس میں طلباء کی عملی تربیت اور اساتذہ کی خدمت کا جذبہ پیدا کرنا اور ایسے طریقے اختیار کرنا بہت ضروری ہیں کہ طلباء و اساتذہ میں باہم ربط و مناسبت پیدا ہو۔

(ملفوظات حکیم الامت، ص،۲۰۴، ج:۲۴)

☆ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی نور اللہ مرقدہ (۱۳۱۵-۱۴۰۲ھ) نے ارشاد فرمایا:

''نبی ﷺ کی زیارت سگریٹ (نوشی) کے ساتھ اکثر نہیں ہوا کرتی۔''

(بیس مردان حق، ص:۱۴۷، ج:۲)

☆ شیخ عبد الفتاح ابوغُدّہ رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۳۶-۱۴۱۷ھ) فرماتے ہیں:

ہمارے شیخ علامہ شیخ محمد زاہد کوثری رحمۂ اللہ (۱۲۹۶-۱۳۷۱ھ) نے مجھے جامع ازہر (:مصر) میں اپنی طالب علمی کے زمانے میں تعلیمی سال کے دوران امام ابوبکر الجصّاص الرازی (۳۰۵-۳۷۰ھ) کی کتاب 'الفصول في الأصول' میں ''عام'' کی بحث کے مطالعہ کی تلقین فرمائی، میں نے آپ سے تعمیلِ ارشاد کا وعدہ کرلیا۔

پھر ایک مدّت کے بعد تعلیمی سال کے اختتام سے کچھ پہلے مجھ سے دریافت فرمایا کہ کیا تم نے جصاص کی کتاب ــ جو مخطوطہ تھی ــ میں ''عام'' کی بحث کا مطالعہ کرلیا؟ میں نے عرض کیا: مخدومی! نہیں، اب تک میں نے اس کو نہیں پڑھا؛ لیکن آئندہ سال میں اسے پڑھ لوں گا، ان شاء اللہ تعالیٰ، تو مجھ سے فرمایا: ہمارے یہاں تُرک علماء میں ایک مَثَل ہے، کہتے ہیں:

لـو شَقَقْنا قلبَ طالبِ العلمِ، لوجدنا فيه مِئةَ مسألةٍ مكتوبٍ عليها: ((السَّنَةَ الآتيةَ)) ! !

''اگر ہم طالب علم کے قلب کو چاک کریں، تو اس میں سو مسئلے پائیں گے، جن پر لکھا ہوگا: ((آئندہ سال))!!''

شیخ عبد الفتّاح ابوغُدّہ رحمہٗ اللہ فرماتے ہیں کہ اسی طرح ہوا: سال ہا سال گزر گئے، میں نے جامع ازہر میں تعلیم مکمل کی اور مصر کو چھوڑا، تاہم مذکورہ بحث کا مطالعہ نہ کر پایا!!

(تصحيحُ الكتب و صُنعُ الفهارس المعجمة، ص: ٦٣، ٦٤، حاشية: ٣، دارالبشائر الإسلامية: بيروت)

☆ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) فرماتے ہیں:

''بے دینوں کی کتابوں میں ظلمت کی آمیزش ہوتی ہے، گو اس میں مضامین اچھے ہی لکھے ہوں اور اس کا مشاہدہ اہلِ قلب کو ہوتا ہے؛ چناں چہ ایک شخص (حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ ارشد:) مولانا غلام علی

صاحب (بٹالوی، جن کا اصل نام عبداللہ تھا؛ لیکن شاہ غلام علی کے نام سے شہرۂ آفاق ہوئے) رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۵۶ وقیل : ۱۱۵۸ - ۱۲۴۰ ھ) کی مجلس میں آیا، تو فرمایا کہ اس کے آتے ہی مجلس میں ظلمت چھا گئی ہے، تلاش کرو! اس کے پاس کیا ہے؟ دیکھا، تو شیخ بوعلی ابن سینا (وفات: ۴۲۷ ھ) کی کوئی کتاب اُس کی بغل میں تھی۔

صاحبو! متکلم کا اثر اس کے کلام میں اور مصنِّف کے قلب کا اثر تصنیف میں ضرور ہوتا ہے؛ اس لیے بے دینوں کی کتابوں کا مطالعہ ہرگز نہ کرنا چاہیے؛ کیوں کہ مطالعۂ کُتب مثلِ صحبتِ مصنِّف کے ہے۔ جو اثر بے دین کی صحبت کا ہوتا ہے، وہی اس کی کتاب کے مطالعہ سے ہوتا ہے؛ مگر آج کل مسلمانوں کو اس کی ذرا پروا نہیں، ہر شخص جو کتاب چاہتا ہے، دیکھنے لگتا ہے۔

صاحبو! اللہ کے واسطے، رسول کے واسطے بے دینوں کی خصوصاً مخالفین اسلام کی کتابیں ہرگز مت دیکھو۔ طلباء بھی ایسی کتابیں نہ دیکھا کریں، جواب دینے اور رد کرنے کے لیے بھی نہ دیکھیں، إلّا أنْ يَأْمُرَهُ وَاحِدٌ مِنَ الْكَامِلِيْنَ بِضَرُوْرَةٍ (مگر یہ کہ کوئی کاملین میں سے ضرورت کی وجہ سے اس کا حکم دے دے)۔"

(خطبات حکیم الامت، وعظ : العلم والخشیۃ، ص: ۲۹۵، ۲۹۶، ج: ۲)

وہ بھی شیطانی حربہ تھا

☆ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی نور اللہ مرقدہ (۱۳۱۵ -۱۴۰۲ ھ) اپنی آٹھ سال کی عمر کا واقعہ ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’اس نابکار کو بزرگی کا جوش ہوا اور مغرب کے بعد حضرت (مولانا رشید احمد صاحب) گنگوہی قدس سرہ (۱۲۴۴-۱۳۲۳ھ) کے حجرے کے سامنے لمبی نفلوں کی نیت باندھ لی، ابّا جان (حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۸۸-۱۳۳۴ھ)) نے آ کر ایک زور سے تھپڑ مارا اور یہ فرمایا، کہ ’’سبق یاد نہیں کیا جاتا؟‘‘

میرے چچا جان (حضرت مولانا محمد الیاس صاحب) رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۰۳-۱۳۶۳ھ) اس زمانے میں بڑی لمبی نفلیں پڑھا کرتے تھے، بعد مغرب سے عشاء کی اذان کے قریب فارغ ہوا کرتے تھے؛ لیکن والد صاحب کے یہاں مختصر سی نوافل کے بعد تعلیم کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔

اس وقت تو مجھے بہت غصّہ آیا، کہ خود تو پڑھی نہیں جاتی، دوسرے کو بھی پڑھنے نہیں دیتے، مگر جلدی ہی سمجھ میں آ گیا، کہ بات صحیح تھی، وہ نفلیں بھی شیطانی حَربہ علم سے روکنے کے واسطے تھا؛ اس لیے کہ جب نفلیں پڑھنے کا دور آیا، اب نفس بہانے ڈھونڈتا ہے۔‘‘

(آپ بیتی، ص: ۲۰، ج: ۱، معھد الخلیل الاسلامی: کراچی)

ما يتعلق بالتزكية

بیعت کی حقیقت

☆ ایک صاحب کے سوال کے جواب میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) نے فرمایا:

اصل میں بیعت کی حقیقت یہ ہے، کہ جانبین کی طرف سے خاص خاص التزام ہوتا ہے، شیخ تعلیم کا وعدہ کرتا ہے اور مرید اس تعلیم کی اتباع کا۔ بس یہی بیعت ہے۔

(ملفوظات حکیم الامت، ملفوظ: ۳۳۹، ص: ۲۳۹، ج: ۲، ادارۂ تالیفات اشرفیہ: ملتان، طباعت: ربیع الاول: ۱۴۱۶ھ)

☆ مُرید ہونے کے خواہش مند ایک نو وارد صاحب سے حضرت تھانوی قدس سرہ نے فرمایا:

یہ بتلاؤ کہ مُرید ہونے سے کیا مقصود ہے؟ عرض کیا کہ نفع ہو۔ فرمایا: نفع سے کیا مراد ہے؟ عرض کیا کہ اللہ کا راستہ معلوم ہو جائے۔ فرمایا کہ اگر بدوں مُرید ہوئے ہی یہ مقصود حاصل ہو جائے، تو پھر مرید ہونے پر تو مُصِر نہ ہوگے؟ عرض کیا کہ مُرید ہونا تو ضرور ہے۔ فرمایا کہ تمھارا یہی خیال مجھے معلوم کرنا تھا، سو معلوم ہوگیا۔ اچھا چلو یہاں سے، میں مرید نہ کروں گا۔ اس باب میں لوگوں کے عقائد بہت ہی خراب ہیں، مرید ہونے کو فرض و واجب سمجھتے ہیں اور جو اصل چیز ہے یعنی تعلیم، اُس کا نام و نشان بھی نہیں......

(ملفوظات حکیم الامت، ملفوظ: ۳۰۰، ص: ۱۸۱، ج: ۷، ادارۂ تالیفات اشرفیہ: ملتان، طباعت:

۱۴۱۶ھ)

☆ ایک نو وارد صاحب نے حضرت والا (تھانوی قدس سرہ) کے دریافت فرمانے پر عرض کیا کہ میں مُرید ہونے آیا ہوں۔ فرمایا: اگر مُرید ہوگے، تعلیم نہ کروں گا۔ اگر تعلیم چاہوگے، مُرید نہ کروں گا۔ دونوں کو ایک جگہ جمع نہ کروں گا۔ اب تمھارے نزدیک جو اہم ہو، بتلادو۔ عرض کیا کہ مُرید ہونا چاہتا ہوں۔ فرمایا کہ اسی چور کو پکڑنا چاہتا تھا۔ تعلیم سے انکار، بیعت پر اصرار! دیکھ لیجیے کہ لوگوں کو جہل میں کس قدر ابتلاء ہو رہا ہے؟ مقصود کو غیر مقصود اور غیر مقصود کو مقصود سمجھ رکھا ہے! اب اگر کھود کرید نہ کروں، تو ان کو تو جہل ہی میں ابتلا رہتا۔ ایسی خوش اخلاقی سے آنے والوں کا کیا نفع؟

پھر اُن صاحب کی طرف متوجہ ہوکر دریافت فرمایا کہ معلوم بھی ہوا کہ اصل چیز تعلیم ہے اور یہی ضروری چیز ہے۔ بیعت سے بھی یہی مقصود ہے، خود بیعت مقصود نہیں؟ عرض کیا: جی! معلوم ہوگیا۔ دریافت فرمایا کہ اب بتلاؤ! کیا خیال ہے؟ عرض کیا کہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے میں بیعت کو مقدّم سمجھا تھا، اب تعلیم کی درخواست کرتا ہوں۔ فرمایا کہ ماشاء اللہ! سمجھ دار معلوم ہوتے ہو، تم نے پریشان نہیں کیا اور سمجھ لینے کے بعد بیعت پر اصرار نہیں کیا، بڑی طبیعت خوش ہوئی۔ اب تم وطن واپس پہنچ کر بذریعہ خط اپنے حالات سے اطلاع دینا اور اُس پر میں جو تعلیم کروں گا، اس پر عمل کرنا۔

(ملفوظات حکیم الامت، ملفوظ: ۲۰۳، ص: ۱۶۴، ۱۶۵، ج: ۸، ادارۂ تالیفات اشرفیہ: ملتان، طباعت: ۱۴۱۶ھ)

''مرید'' کے معنی

☆ ایک بار کوئی طالب علم پانی پت سے (بیعت کے لیے فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ (۱۲۴۴ - ۱۳۲۳ ھ) کی خدمت میں) آیا، آپ نے فرمایا: اول تحصیل ختم کرو، اس کے بعد دیکھا جائے گا۔ طالب علم کی عموماً حجّت کرنے کی عادت ہوتی ہے ؛ اس لیے انھوں نے بھی عادت سے کام لیا اور کہا کہ حضرت ! فراغت کے بعد اللہ جانے کیا ہو، کون مرے کون جیے؟ آپ نے فرمایا : دین کا کام بند نہیں رہتا، اگر تمھیں توفیق ہوئی تو میرے بعد دوسرے تمھیں بیعت کریں گے ۔ طالب علم نے پھر جواب دیا کہ حضرت ! ممکن ہے کہ میں ہی مر جاؤں ۔ آپ نے فرمایا: طلب میں مر جاؤ گے تو اچھا ہے، اجر ملے گا۔

جب اس پر بھی طالب علم کی تقریر ختم نہ ہوئی اور بار بار یہی سوال ہوا کہ میرا جی چاہتا ہے، مجھے تو مُرید کر ہی لیجیے، تو آپ کو غصہ آ گیا۔ لیٹے سے اُٹھ بیٹھے اور فرمایا: تم طالب علم ہو، اچھا بتاؤ مُرید کے کیا معنی ؟ طالب علم نے جواب دیا کہ ''ارادہ کرنے والا کسی کام کا''۔ آپ نے فرمایا: ''جبھی تو کہتا ہوں، تمھیں ابھی مُرید کے معنی بھی نہیں معلوم اور مُرید ہونے آ گئے ۔ یہ باب افعال ہے، ہمزہ سلب کا ہے ۔ مُرید کے معنی ہیں : مسلوب الارادہ کہ جو پیر کہے وہی مان لے، اپنی طرف سے ارادہ ہی نہ کرے۔''

اس تقریر پر طالب علم نادم اور خاموش ہوگئے ، پھر نہیں کہا کہ مجھے مرید

کر لیجیے۔

(تذکرۃ الرشید، ص:۹٦، ۹۷، ج:۲)

رسول اللہ ﷺ سے بیعت ہونے والی صحابیات کی تعداد

☆ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ (تقریباً ۵۱۰ ھ یا اس سے قبل - ۵۹۷ ھ) فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے بیعت ہونے والی صحابیات رضی اللہ عنہن کا شمار کیا گیا، تو ان کی کل تعداد چارسوستاون (۴۵۷) ہوئی۔

یہ ملحوظ رہے کہ آپ ﷺ نے ان میں سے کسی (غیرمحرم) خاتون سے بیعت میں ہاتھ سے ہاتھ نہیں ملایا: مصافحہ نہیں فرمایا۔

(ماخوذ از ھامش المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع، ص: ۹٦)

شیخ ابن القیم بھی صوفی اور علامہ ابن تیمیہ رحمہما اللہ بھی

☆ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰ - ۱۳٦۲ ھ) فرماتے ہیں:

''میں ان (شیخ ابن القیم رحمہ اللہ (٦۹۱ - ۷۵۱ ھ)) کے صوفی ہونے کا قائل ہوں۔ ان کے کلام کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے، کہ یہ شخص بڑا محقق صوفی ہے، اس کے کلام کا رنگ بتلاتا ہے کہ یہ تصوف ومعرفت سے خالی نہیں اور ابن تیمیہ رحمہ اللہ

(۶۶۱ - ۷۲۸ھ) کے صوفی ہونے کا ابن القیم کے قول سے معتقد ہوا ہوں ، کہ وہ ان کو صوفی مانتے ہیں، باقی خود ابن تیمیہ کے کلام سے وہ رنگ ظاہر نہیں ہوتا ، جو ابن القیم کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے۔''

(خطبات حکیم الامت ، وعظ : جمال الجلیل ،ص : ۳۰ ، ج :۱۴، ادارۂ تالیفات اشرفیہ : ملتان)

ملاّ نظام الدین رحمہٗ اللہ بھی مُرید

☆ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی نور اللہ مرقدہ (۱۳۳۳- ۱۴۲۰ھ) فرماتے ہیں :

'' یہ درس نظامی جو آج ساری دنیا میں سکّہ کی طرح چل رہا ہے ، ملاّ نظام الدین (انصاری سہالوی) فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۸۸ - ۱۱۶۱ھ) کا مرتب کیا ہوا ہے ؛ جو استاذ الہند اور استاذ العلماء تھے ، وہ بایں علم و فضل اودھ کے ایک قصبہ بانسہ کے ایک بزرگ حضرت سید عبد الرزاق بانسوی قادری رحمۃ اللہ علیہ کے مُرید تھے ، جو اودھ کی پوربی زبان بولتے تھے اور انھوں نے کچھ ابتدائی کتابیں پڑھی تھیں ۔ ملاّ (نظام الدین) صاحب نے حضرت کے ملفوظات بھی لکھے ہیں اور بڑی محبت و عقیدت سے ان کا نام لیتے ہیں ، اس لیے کہ ان کو اپنے سارے علم و فضل کے باوجود اپنے اندر ایک خلا سا محسوس ہوتا تھا ، جو وہاں جا کر پُر ہوتا تھا ، وہ سب کے استاد تھے ؛ لیکن ان کو ایسے آدمی کی تلاش تھی ، جہاں جا کر یہ معلوم ہو کہ میں کچھ نہیں ہوں اور ابھی سیکھنے اور پڑھنے کی ضرورت ہے ۔''

(خطبات علی میاں ص : ۱۸۷، ۱۸۸، ج :۱)

صحبتِ نیک واقعی بڑی چیز ہے

☆ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) فرماتے ہیں:

''مولانا مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ (وفات: ۱۱۹۵ھ/۱۷۸۰ء) کے مجمع میں ایک دن ساعتِ جمعہ کا تذکرہ تھا۔ آپس میں کہہ رہے تھے: اگر وہ ساعتِ مقبولہ مل جائے، تو کیا کریں گے؟ کاہے کی دعاء کریں گے؟ کسی نے کہا: ہم سلامتیٔ ایمان کی دعاء کریں گے، اسی طرح کوئی کچھ کہہ رہا تھا۔ مرزا صاحب نے فرمایا:

''اگر وہ ساعت مجھے مل جائے، تو صحبتِ نیک کی دعاء کروں گا۔''

واقعی بڑی بات ہے۔ سلامتیٔ ایمان، علمِ دین اور عملِ صالح وغیرہ سب چیز اسی صحبت ہی کی بدولت نصیب ہوتی ہے۔ یہ واقعی بڑی چیز ہے، اگر اللہ کسی کو نصیب کرے ۔

یک زمانہ صحبت با اولیاء ☆ بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

ایک مولوی صاحب نے کہا: اگر کسی نے خالص عبادت کی ہو، تو اس سے بھی بڑھ جائے گا؟ (حضرت تھانوی قدس سرہ نے) فرمایا: مراد اس سے بعض صحبت ہے، یعنی بعض صحبت سے ایک علمِ نافع عطا ہوتا ہے کہ وہ سب کام کا رہبر ہو جاتا ہے اور اس کا کام بن جاتا ہے۔ یہ قضیہ مہملہ ہے، قوت میں جزئیہ کے ہے۔ اب کوئی شبہ کرے کہ جب بعض صحبت مراد ہے اور ما بقیہ فضول ہے، تو اس کو حذف

کرنا چاہیے؟ جواب یہ ہے کہ چوں کہ وہ بعض جو نافع ہے، معلوم نہیں؛ لہذا ہمیشہ ہی صحبت رہنا چاہیے۔ جیسے ساعتِ جمعہ معلوم نہیں، ایسے ہی کون سی صحبت نافع ہے، معلوم نہیں۔‘‘

(ملفوظات حکیم الامت، ملفوظ: ۸، ص: ۳۰، ج: ۱۵)

صحبت نیک کی برکت

☆ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) فرماتے ہیں:

’’استاذی حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب (نانوتوی) رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۴۹-۱۳۰۲ھ) فرماتے تھے، کہ ایک عامی شخص نانوتہ کی مسجد میں نماز پڑھنے آتے اور وہ جب آتے، تمام مسجد منور ہو جاتی۔ اول تو پتا نہ چلا، کہ یہ انوار کس سبب سے ہیں، پھر بعد غور معلوم ہوا کہ فلاں شخص کے آنے پر ہوتے ہیں۔ ان کی وضع سے اس کا گمان بھی نہ ہوتا تھا؛ اس لیے ان سے اوّل اوّل تذکرہ ہی نہیں کیا۔ احتمال رہا کہ شاید اور کچھ سبب ہو؛ مگر جب تکرارِ مشاہدہ سے اس کی تعیین ہوگئی، کہ یہی شخص اس کا سبب ہیں، تو ان سے دریافت کیا کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ کہ ذاکر، شاغل بھی معلوم نہ ہوتے تھے۔ انھوں نے کہا کہ ’’میں تو کچھ نہیں جانتا؛ مگر حضرت سیّد (احمد شہید) صاحب رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۰۱-۱۲۴۶ھ) کی صحبت میں البتہ چند روز رہا ہوں۔‘‘ یہ

اس کی برکت تھی۔''

(ملفوظات حکیم الامت، ص: ۹۸، ج: ۲۰، ادارۂ تالیفات اشرفیہ: ملتان، طباعت: مئی ۲۰۰۱ء، نیز ملفوظات حکیم الامت، ملفوظ: ۸۱، ص: ۶۰، ج: ۱۸، ادارۂ تالیفات اشرفیہ: ملتان، طباعت: محرم ۱۴۲۲ھ)

اولوالعزمی

☆ 'صحیح بخاری' وغیرہ میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے:

كَانَ النبيُّ ﷺ يُعْجِبُهُ التَّيَمُّنُ فی تَنَعُّلِهِ و تَرَجُّلِه و طُهُوْرِهِ (و) فِی شَأْنِهِ كُلِّهِ .

(صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب التیمن فی الوضوء و الغسل، ص: ۲۹، ج: ۱، قدیمی: کراچی)

''نبی کریم ﷺ کو نعلین: جوتا چپل پہننے، تیل کنگھا کرنے، پاکی حاصل کرنے: وضو و غسل کرنے، میں اور (بیت الخلاء میں داخل ہونے اور استنجاء کرنے جیسے دوسری روایات میں وارد مُستثنیات کو چھوڑ کر) تمام اُمور میں تَیَمُّن: داہنی جانب سے شروع کرنا، پسند تھا۔''

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ ((شأنہ کلہ)): تمام امور، میں ہاتھ سے اشارہ کرنے کو بھی شامل گردانتے تھے، کہ مثلاً مُتکلّم: بات کرنے والے، کو

بات کے دوران اشارہ کی ضرورت پیش آئے، تو دائیں ہاتھ سے اشارہ کرنا چاہیے۔

ابونعیم اصبہانی رحمۃ اللہ علیہ نے 'حلية الأولياء' ص: ٣٢٦، ج: ٥، دار الفكر: بيروت میں عون بن معتمر سے نقل کیا ہے، کہ عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ایک آدمی کو بائیں ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے دیکھا، تو فرمایا: اے صاحب! إذا تَكَلَّمْتَ فَلَا تُشِرْ بِشِمالِك، أَشِرْ بِيَمِيْنِكَ . ''جب تم بات کرو، تو بائیں ہاتھ سے اشارہ مت کرو، اپنے داہنے ہاتھ سے اشارہ کرو۔'' وہ آدمی کہنے لگا: مَا رَأَيْتُ كَالْيَومِ ! إنّ رَجُلاً دَفَنَ أَعَزَّ النَّاسِ إلَيْهِ، ثمّ إنّهُ يَهُمُّهُ يَمِيْنِيْ مِنْ شِمالِي! ''آج کے دن کی طرح تعجب خیز اور حیرت انگیز بات نہیں دیکھی! ایک آدمی نے (آج) لوگوں میں اپنے سب سے عزیز کو دفن کیا، تاہم اس کو دائیں بائیں کا غم کھائے جارہا ہے (کہ بجائے بائیں ہاتھ کے داہنے ہاتھ سے اشارہ کرنے کی نصیحت کررہا ہے)!'' حضرت عُمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: إذا اسْتَأْثَرَ اللّٰهُ بِشيْءٍ، فَالْهَ عَنْه ''جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کو لے لے: کسی کو وفات دے دے، تو اب اس فوت ہونے والے سے توجہ ہٹالو۔''

اس آدمی کی مراد یہ تھی، کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے آج ''عبد الملک'' نامی اپنے انیس سالہ پیارے لختِ جگر کو دفن کیا ہے، اس اعصاب شکن سانحہ کے باوجود انھیں میری اصلاحِ حال کی فکر ہے کہ اثناءِ گفتگو اشارہ کرنے میں بائیں ہاتھ کی بجائے دایاں ہاتھ استعمال کرنا چاہیے!!

رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے تو نہیں فرمایا!

☆ مسیح الامت حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۲۹-۱۴۱۳ھ) فرماتے ہیں:

’’ایک طالبِ علم دارالعلوم دیوبند داخلہ کے لیے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نور اللہ مرقدہ (۱۲۴۹-۱۳۰۲ھ) کے زمانے میں آئے، داخلہ پر شرح جامی کے طالب تھے، امتحان داخلہ پر میزان دی گئی، بے بس۔ کچھ روز کے بعد آکر کہا کہ حضور ﷺ نے خواب میں فرمایا ہے: ’’تم کو شرح جامی پڑھنا چاہیے؛ لہٰذا مجھے شرح جامی دے دی جائے۔‘‘ مولانا نے فرمایا کہ آپ ہی سے تو فرمایا ہے، حضور ﷺ نے مجھ سے تو نہیں فرمایا، جب مجھ سے فرمائیں گے، دے دیں گے، اب تو میزان ہی پڑھنی ہوگی۔ عزیز من! اسے کہتے ہیں مضبوطی، مستقل مزاجی۔‘‘

(ضیاء السالک، ص: ۶۷، ج: ۱)

ہر بیشہ گمان مبر کہ.......

☆ سیّد الطائفۃ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (وفات: ۲۹۷ھ) نے مسجد میں ایک شخص کو دیکھا، کہ خوب قوی اور تندرست، موٹا تازہ ہے اور بھیک مانگتا ہے، انھوں نے اپنے دل میں اس پر طعن اور اعتراض کیا۔

رات کو خواب میں دیکھا، کہ کوئی مردے کا گوشت کھانے کو کہتا ہے اور ان

کے انکار پر کہتا ہے، کہ تم نے آخر اس فقیر کی غیبت کرکے مردے کا گوشت کھایا نہیں تھا؟ انھوں نے کہا، کہ میں نے تو اس کو کچھ نہیں کہا۔ جواب ملا، کہ کیا غیبت دل میں نہیں ہوتی؟ بل کہ اول تو دل ہی میں پیدا ہوتی ہے ؎

إنّ الکلامَ لفی الفؤاد و إنما ☆ جُعِلَ اللسانُ علیٰ الفؤاد دلیلا

آپ بیدار ہوکر معاف کرانے کے لیے چلے۔ اس شخص نے آپ کو آتے دیکھ کر دور ہی سے یہ آیت پڑھی:

وَهُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ [الشوریٰ: ۲۵]

''اور وہ ایسا ہے، کہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔''

اور پھر فرمایا، کہ پھر کبھی ایسا نہ کرنا۔ تو یہ شخص بہت بڑا کامل تھا۔

(خطبات حکیم الامت، ص: ۸۶، ج: ۱۸، ملفوظات حکیم الامت، ملفوظ: ۳۱۲، ص: ۱۴۲، ج: ۱۸)

؎ ہر بیشہ گمان مبر کہ خالی ست
شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

حزم واحتیاط

☆ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ (۶۳۱-۶۷۶ھ) نے امام ابواسحاق ابراھیم بن علی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ (وفات: ۴۷۶ھ) کی 'المهذب' کی شرح 'المجموع' کے مقدّمہ میں ان کے حالات میں لکھا ہے:

امام ابواسحاق رحمۃ اللہ فقہ کی دقیق دقیق باتوں پر عمل کی رعایت فرماتے

تھے اور احتیاط پر عمل کرتے تھے۔ ایک دن آپ اپنے شاگرد کے ساتھ کہیں تشریف لے جارہے تھے، راستے میں ایک کتّا سامنے آگیا، شاگرد اسے دھتکارنے اور ڈانٹ کر بھگانے لگا، تو آپ نے شاگرد کو روکا اور کہا: کیا تمھیں معلوم نہیں، کہ راستہ میرے اور اس کے درمیان مشترک ہے؟ یعنی راستہ پر گزرنے کا حق جیسے مجھے حاصل ہے، کتّے کو بھی حاصل ہے، تو پھر اسے بھگا کر اس کا حق کیوں ناحق چھین رہے ہو؟

ایک دن آپ مسجد میں اپنا دینار بھول گئے، راستے میں یاد آیا، لوٹ کر آئے، تو دینار کو اسی جگہ پایا۔ تھوڑی دیر سوچنے کے بعد کہنے لگے کہ ہوسکتا ہے، یہ دینار کسی اور کا گر گیا ہو! یہ کہہ کر دینار وہیں چھوڑ دیا اور اسے چُھوا تک نہیں۔

غایت احتیاط

☆ امام ابوالحسن عبدالرحمٰن بن محمد داودی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (۳۷۴-۴۶۸ھ) ابو اسحاق شیرازی رحمۃ اللہ علیہ (وفات: ۴۷۶ھ) کے معاصرین میں سے ہیں، ان کے متعلق علاّمہ ذھبی رحمۃ اللہ علیہ 'سير أعلام النبلاء' میں فرماتے ہیں:

داؤدی رحمۃ اللہ علیہ نے تُرکمان کی شورش اور لوٹ مار کے شیوع و اختلاط کے زمانے میں گوشت کھانا چھوڑ دیا اور چالیس سال تک گوشت نہیں کھایا۔ گوشت چھوڑنا ان کے لیے مُضر ثابت ہوا، تو گوشت کی بجائے مچھلی کھانے لگے۔ ان کے لیے ایک بڑی نہر سے مچھلیاں پکڑی جاتی تھیں۔ انھیں کہا گیا کہ کسی امیر نے اس نہر کے کنارے پر کھانا کھایا، اس کا دسترخوان نہر میں جھاڑا گیا اور بچا ہوا کھانا نہر میں

ڈالا گیا، تو اس کے بعد مچھلی کھانا بھی چھوڑ دیا۔

والد کا دل دُکھانا

☆ فخر المحدثین حضرت مولانا سیّد انظر شاہ صاحب کشمیری نور اللہ مرقدہ (۱۳۴۷-۱۴۲۹ھ) اپنے تایا مولانا محمد یاسین شاہ صاحب مرحوم کے متعلق 'نقشِ دوام' کے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں:

مرحوم (علامہ انور شاہ صاحب کشمیری کے والد بزرگوار مولانا معظم شاہ صاحب قدس اللہ اسرارھما) نے دو شادیاں کیں، جن سے اولادِ ذکور میں سب سے بڑے صاحب زادے جواں مرگ مولانا محمد یاسین شاہ ذکی، ذہین، مستعد عالم، پُرگو شاعر اپنے چھوٹے بھائی مولانا محمد انور شاہ مرحوم سے بہت مانوس، طالب علمی میں حضرت شاہ صاحب شعر فرماتے اور وہ لکھتے۔ شادی ہوئی، نئے نئے ایام عروسی، گھر پر واردین وصادرین کا ہجوم، یہ اپنی دلہن کے ساتھ بالا خانہ پر اور گھر میں صرف دادی صاحبہ کھانے کی تیاری میں مشغول، مرحوم دادا (مولانا معظم شاہ صاحب) جو صاحبِ جلال بھی تھے، باہر سے تشریف لائے، دادی صاحبہ کو تنہا مصروف پا کر تایا کی دلہن کے بارے میں دریافت کیا اور انھیں بالا خانہ سے نیچے آکر کھانے کی تیاری میں شرکت کے لیے فرمایا۔ سوءِ تقدیر کہ مرحوم نے عدول حکمی کی؛ بل کہ اپنی دلہن کو لے کر سسرال منتقل ہو گئے۔ دادی صاحبہ اس حادثہ کا اخفاء چاہتی تھیں؛ لیکن جدِّ امجد کو معلوم ہو گیا اور بے اختیار زبان پر آیا، کہ چالیس روز کے بعد یاسین شاہ کا جنازہ آئے گا اور

میں نمازِ جنازہ بھی نہیں پڑھوں گا۔حدیث شریف میں ماں باپ کی دعاء، بددعاء کی تاثیر واشگاف کی گئی ہے۔یہ کلمات حقیقت بن کر سامنے آئے اورٹھیک چالیسویں دن ان کا جنازہ ''ورنو'' لایا گیا، جسے دیکھ کر دادا صاحب اپنے رہائشی کمرہ میں تشریف لے گئے اور جنازہ کی نماز میں شرکت نہیں فرمائی۔''

(نقشِ دوام، حاشیہ،ص: ۲۵،۲۶)

امام غزالی رحمہٗ اللہ اوران کے بھائی کی حکایت

☆ امام ابو حامد(محمد بن محمد) غزالی رحمۃ اللہ علیہ (۴۵۰ - ۵۰۵ ھ) کے چھوٹے بھائی احمد غزالی جماعت سے نماز نہ پڑھتے تھے،مغلوب الحال زیادہ تھے۔

ایک مرتبہ امام غزالی رحمہٗ اللہ نے والدہ سے اس کی شکایت کی، انھوں نے ان کو سمجھایا بجھایا، خیر جماعت میں آکر کھڑے ہوئے، امام غزالی امام بنے، نماز پڑھنی شروع کی، بس تھوڑی ہی دیر میں ان کے بھائی صاحب نیت توڑ کر چلے گئے، بہت ناگوار ہوا، آکر والدہ صاحبہ سے اس کی شکایت کی ۔ والدہ نے پوچھا، کہ یہ کیا حرکت تھی؟ وہ کہنے لگے: اگرکسی کے کپڑے میں حیض کا خون لگ جائے،تو نماز نہیں ہوتی ، ان کے قلب میں حیض کا خون لگ رہا تھا، بس میں اقتداء سے جُدا ہو گیا اور ہوا یہ کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اس زمانے میں ایک فقہ کی کتاب لکھ رہے تھے،تو اس وقت ایک خاص جزئیہ اس باب کا ان کے قلب میں گزرا، ان کے بھائی کومکشوف ہو گیا۔

اب دیکھیے ، کہ ان کی والدہ صاحبہ کیا فیصلہ فرماتی ہیں،آپ نے فرمایا:

محمد (امام غزالی کا نام ہے)! واقعی تم نے نماز کا حق ادا نہ کیا، مسائل کے حل کے لیے دوسرا وقت ہے، نماز میں کیوں ادھر التفات کیا؟

اور دوسرے سے فرمایا:

احمد! تم نے بھی خطا کی، تمھارا حضور بھی کامل نہ تھا، تم کو حق تعالیٰ سے توجہ ہٹا کر ادھر کیوں التفات ہوا، کہ امام کیا کر رہا ہے؟ کیا سوچ رہا ہے؟

دونوں کے حضور میں نقصان ہے۔

واقعی کیا اچھا فیصلہ کیا! گویا ان کا مطلب یہ تھا، کہ نماز میں ایسی حالت ہونی چاہیے ؎

دلا رامے کہ داری دل درو بند　　　　دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

''جو محبوب تو رکھتا ہے، دل اس میں لگا اور پوری دنیا سے آنکھ موند لے۔''

تب احمد سمجھے، کہ واقعی ہم کچھ نہیں ہیں، خشوع وخضوع کا ہمارا محض دعوی ہی دعوی ہے، والدہ صاحبہ ہم سے بھی بڑھی ہوئی ہیں، کتنی بڑی غلطی پر متنبہ کیا، جس کو ہم غلطی بھی نہ سمجھتے تھے، ہم تو بھائی صاحب ہی کو الزام دیتے تھے، کہ وہ نماز میں خشوع نہیں کرتے، اب معلوم ہوا، کہ ہم خود بھی خشوع سے خالی ہیں۔

بل کہ اگر غور سے دیکھا جائے، تو اس وقت امام غزالی رحمۃ اللہ کے خشوع میں پھر بھی بہت زیادہ نقصان نہ تھا؛ کیوں کہ ان کو تو ایک شرعی مسئلہ ہی کا خیال آیا تھا اور مسائل شرعیہ اگر چہ غیر اللہ ہیں، مگر پھر ان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اِک گونہ تعلق ہے، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اگر دھیان ہٹا تھا، تو اسی کے احکام میں لگا ہوا بھی تھا اور شیخ احمد رحمۃ اللہ کا دھیان اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہٹ کر امام کی حالت پر متوجہ ہوا اور ایک

خاص واقعہ کا ان کو انکشاف ہوگیا، تو ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف خیال نہ رہا، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا اللہ تعالیٰ کے احکام کی طرف تو تھا، یہ تَشتُّت ان کے تَشتُّت سے اَدْوَن تھا۔

(خطبات حکیم الامت، ص: ۲۶۷، ۲۶۸، ج: ۱۸، ملفوظات حکیم الامت، ص: ۱۳۰، ج: ۲۰)

رفعِ اشکال:

☆ حضرت تھانوی قُدِّسَ سِرُّہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) فرماتے ہیں:

اس جگہ بظاہر ایک شبہ ہوتا ہے، میں اس کو بھی رفع کر دینا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ حدیث میں آیا ہے، کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

إِنِّيْ لَأُجَهِّزُ جَيْشِيْ وَ أَنَاَ فِي الصَّلاةِ .

(صحيح بخاري، أبواب العمل في الصلاة، باب تفكر الرجل الشيء في الصلاة، ١٦٣، ج: ١، قديمي: كراچي)

''میں نماز کے اندر لشکر بھیجنے کا سامان کیا کرتا ہوں۔''

اس سے معلوم ہوا، کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں نماز کے اندر لشکر کا خیال آتا تھا اور ایک آن میں دو چیزوں کی طرف التفاتِ نفس محال ہے، تو یقیناً لشکر کے خیال کے ساتھ حق تعالیٰ کی طرف خیال نہ رہتا ہوگا، یا کم رہتا ہوگا، تو اب یا تو یہ مانا جائے، کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز میں خشوع نہ کرتے تھے یا یہ کہا جائے، کہ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے خیالات میں مشغول ہونا خشوع کے منافی نہیں۔

اشکال ظاہر میں سخت ہے؛ اسی لیے ہمارے حضرت حاجی (امداد اللہ مہاجر

مکی) صاحب رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۳۳ - ۱۳۱۷ھ) کے پاس دو عالم جھگڑتے آئے تھے : ایک تو خطرات کے آنے کو خشوع کے منافی سمجھتے تھے، دوسرے اس کو خشوع کے منافی نہ سمجھتے تھے اور اس قصّہ سے استدلال کرتے تھے۔ پہلے شخص کو اس کی حقیقت نہ معلوم ہونے سے کوئی جواب نہ بن پڑا تھا؛ اس لیے بعضے لوگ اس واقعہ سے خشوع کے عدمِ وجوب کے قائل ہوئے ہیں؛ کیوں کہ ان پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ کی حقیقت واضح نہیں ہوئی ۔ حضرت حاجی صاحب نے اس کی حقیقت کو منکشف فرمایا؛ آپ نے جواب دیا:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تجہیزِ جیش خشوع کے منافی نہیں ؛ کیوں کہ وزیر جب بادشاہ کے دربار میں آتا ہے، تو اس کا خشوع یہی ہے، کہ سرکاری کاغذات کو دیکھے اور بادشاہ کے سامنے پیش کرے، اس سے احکام دریافت کرے اور اس کے موافق فرمان شائع کرے۔

تو ایک شخص تو وہ ہے، جو بادشاہ کے دربار میں محض حاضری دینے آتا ہے۔ اس کا کام یہ ہے ، کہ بادشاہ کی عظمت و جلال ظاہر کرنے کے لیے دست بستہ اس کے سامنے کھڑا رہے؛ چناں چہ دربارِ شاہی میں بہت سے خدمت گار صرف اس لیے ہوتے ہیں، کہ ان کے سامنے دست بستہ کھڑے رہیں، دوسرا کوئی کام ان کے ذمّہ نہیں ہوتا، سو اس کا خشوع تو یہی ہے کہ ہاتھ باندھے سر جھکائے بادشاہ کے سامنے کھڑا رہے، کسی چیز کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھے۔

اور ایک وزیر ہے ، جس کا کام یہ ہے ، کہ سلطنت کا انتظام کرے اور بادشاہ کے حکم کے موافق فرمان نافذ کرے ، اس کا خشوع یہی ہے کہ تمام کاغذات کو دیکھے

بھالے، ڈاک کو پڑھے، ان کے جواب کولکھ کر بادشاہ کو سنائے۔

پس ظاہر میں اگر چہ پہلے شخص کا خشوع بڑھا ہوا معلوم ہوتا ہے، کہ اس کی نظر بادشاہ کے سوا کسی چیز میں نہیں اور وزیر بظاہر دوسری چیزوں کی طرف متوجہ معلوم ہوتا ہے، وہ دست بستہ بادشاہ کے سامنے یکسو ہو کر نہیں کھڑا ہوتا ،مگر کون نہیں جانتا کہ وزیر کا مرتبہ پہلے شخص سے کس قدر بڑھا ہوا ہے اور اس کی اطاعت اور خشوع یہی ہے کہ دوسرے کاموں میں مشغول ہو، جو بادشاہ نے اس کے سپرد کیے ہیں۔

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے وقت میں خلیفۃ اللہ تھے، جن کے سپرد انتظامِ عام کا کام کیا گیا تھا۔ ان کا خشوع یہی تھا، کہ نماز میں کھڑے ہو کر حق تعالیٰ سے لشکر وغیرہ کی بابت احکام دریافت کریں اور نماز میں جو بات ان کے دل پر القاء ہو، اس کے موافق عمل کریں؛ اسی لیے بزرگوں نے کہا ہے کہ نماز میں جو کچھ القاء ہوتا ہے، وہ اکثر صحیح ہوتا ہے۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تجہیز جیش کی وہی مثال ہے، جو وزیر کی بادشاہ کے دربار میں حاضر ہو کر حالت ہوتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تجہیزِ جیش میں بھی حضورِ حق ہی حاصل ہوتا تھا؛ اس لیے ان کی یہ حالت کسی طرح خشوع کے منافی نہ تھی ؛ بل کہ عین خشوع تھی ؛ بل کہ مثال سے واضح ہو گیا ، کہ دوسروں کے خشوع سے آپ کا خشوع اس حالت میں بھی بڑھا ہوا تھا۔ الغرض معلوم ہو گیا کہ یہ حالت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خشوع کے منافی کسی طرح نہیں۔

(خطبات حکیم الامت ،ص: ۲۶۸ تا ۲۷۰ ، ج: ۱۸ ، ملفوظات حکیم الامت ،ص: ۱۰۹ ، ج: ۱۹ نیز ص: ۲۳۶ ، ج: ۲۹)

نہر کی زمین پر سجدہ

☆ حافظ عبد القادر قرشی ’ الجواھر المضیئۃ ‘ میں امام ابو علی حسن بن علی لامشی رحمھما اللہ (وفات : ۵۲۲ھ) کے ترجمہ میں تحریر فرماتے ہیں :

امام لامشی کے شاگرد امام ابو سعد سمعانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ، کہ میں نے ابو بکر الزاھد سمرقندی رحمہٗ اللہ کو فرماتے ہوئے سُنا ، کہ میں نے امام لامشی کے ساتھ ان کے باغ میں ایک رات گزاری ، آپ آدھی رات کو باغ کے دروازے سے نکلے اور سیدھے رُخ پر چلتے رہے ، میں اٹھا اور ان کو پتا نہ چلے ، اس طرح میں ان کے پیچھے ہو لیا ، وہ ایک بڑی نہر کے پاس پہنچے ، جو گہری تھی ، وہاں اپنے کپڑے اتارے ، تہبند باندھا اور پانی میں غوطہ لگایا ، بہت دیر تک انھوں نے پانی سے سر نہیں نکالا ، میں نے خیال کیا کہ آپ ڈوب گئے ، بآوازِ بلند پکارا کہ اے مسلمانو ! شیخ غرقِ آب ہو گئے : ڈوب گئے !! تھوڑی دیر کے بعد آپ یکا یک پانی کی سطح پر نمودار ہوئے اور فرمایا : اے بیٹے ! ہم نہیں ڈوبیں گے ، میں نے عرض کیا : حضرت ! میں نے خیال کیا کہ آپ ڈوب گئے ! فرمایا : میں ڈوبا نہیں تھا ، دراصل میں نے ارادہ کیا کہ میں اس نہر کی زمین پر اللہ تعالیٰ کے لیے ایک سجدہ کروں ؛ اس لیے کہ میرے خیال میں اس نہر کی زمین پر اللہ تعالیٰ کے لیے کسی نے سجدہ نہیں کیا ہے !!

جو کچھ تھا، اسی ایک دانہ میں تھا

☆ شیخ جلال الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ ملتان میں ایک ایسے لڑکے سے ملے، جو بظاہر دیوانہ بنا ہوا ایک جامع مسجد میں پڑا رہتا، وہ روزہ دار تھا، شیخ جلال الدین تبریزی نے اس کو ایک انار دیا، لیکن اس نے انار کے دانے لوگوں میں تقسیم کر دیئے، ایک دانہ زمین پر گر گیا، لڑکے نے افطار کے وقت اسی دانہ سے روزہ کھولا، اس دن سے لڑکے کی روحانیت میں اضافہ ہوتا گیا۔

وہ لوگوں کو مسلسل کہتا رہتا، کہ اگر وہ پورا انار کھالیتا، تو بے انتہاء فائدے حاصل ہوتے۔ جب وہ لڑکا جوان ہوا، تو حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ (وفات: ٦٣٣ ھ) کا مرید ہوا، اس نے ان سے بھی کہا، کہ اگر وہ پورا انار کھالیتا، تو زیادہ فائدے اٹھاتا، حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''جو کچھ تھا، اسی ایک دانہ میں تھا، جو تمہارے لیے رہ گیا تھا۔''

(فوائد الفؤاد، ص: ۱۸۰، اَخبار الاخیار، ص: ۴۴)

ما يتعلق بالعلوم الآلية

مولانا ثابت علی صاحب رحمہٗ اللہ کی علمِ نحو کے ساتھ ممارست

☆ حضرت مولانا ثابت علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (وفات : ۱۳۴۲ھ)
— حضرت مولانا سیّدعبداللطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ (وفات :۱۳۷۳ھ) : سابق ناظم مدرسہ مظاہرعلوم سہارن پور کے چچا— مدرسہ مظاہرعلوم سہارن پور، انڈیا کے نہایت ہی قدیم مدرسین میں تھے، ان کوفن نحو سے بہت ہی زیادہ مناسبت تھی۔مفکرِ اسلام حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی میاں ندوی نور اللہ مرقدہ (۱۳۳۳ - ۱۴۲۰ھ) عارف باللہ حضرت مولانا عبد القادر صاحب رائے پوری قدس اللہ سرہ (وفات : ۱۳۸۲ھ) کی سوانح میں تحریرفرماتے ہیں :

اس وقت مدرسہ مظاہرعلوم سہارن پورکی ' شرح جامی ' بہت شہرۂ آفاق تھی،لوگ کابُل وقندھار سے مولانا ثابت علی رحمۃ اللہ علیہ سے ' شرح جامی ' پڑھنے آتے تھے، فارغ التحصیل طلباءبھی ' شرح جامی ' کےشوق سے سہارن پورکا سفر اختیارکرتے تھے۔

(سوانح حضرت مولانا عبدالقادررائے پوری رحمۃ اللہ علیہ،ص:۴۲،مکتبۂ اسلام:لکھنؤ)

فن نحو سے اسی مناسبت کے پیش نظرحضرت مولانا ثابت علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال پرطلبہ نے یہ تبصرہ کیا تھا:

جب قبرمیں حضرت مولانا سےفرشتے نے سوال کیا ہوگا: مَـــنُ رَ بُّكَ ؟ تو آپ نے جواب دیا ہوگا: مَنُ رَبُّكَ. فرشتے نے کہا ہوگا:صحیح جواب کیوں نہیں دیتے ؟ تو آپ نے فرمایا ہوگا، کہ جواب تو دے دیا،تمھارا مَـنُ استفہامیہ ہے،میرا مَـنُ

موصولہ ہے۔

مَنْ استفہامیہ ہونے کی صورت میں مَنْ رَبُّكَ کا ترجمہ ہوا: ''تیرا رب کون ہے؟'' اور مَنْ موصولہ ہونے کی صورت میں مَنْ رَبُّكَ کا ترجمہ ہوا: ''وہ جو تیرا رب ہے۔''

کلام خبری کی تعریف

☆ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) فرماتے ہیں:

کلامِ خبری کی تعریف مشہور تو یہ ہے، کہ اس میں صدق و کذب دونوں کا احتمال ہو۔ اس پر سخت اشکالات واقع ہوتے ہیں؛ اس لیے مجھ کو تو یہ پسند ہے کہ وہ صدق یا کذب کسی ایک کے ساتھ ہی متصف ہو، بخلاف انشاء کے، کہ کلامِ انشائی کسی ایک کے ساتھ بھی متصف نہیں ہوتا۔

(ملفوظات حکیم الامت، ص: ۱۲۷، ج: ۲۶)

ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْراً — ایک نرالی شان

☆ حضرت شیخ عبدالحق ردولوی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بھائی عالم تھے، حضرت شیخ کو 'نحو میر' شروع کرائی، اس میں مثال آئی: ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْراً یعنی مارا زید

نے عمرو کو، استاد سے پوچھا کہ زید نے عمرو کو کیوں مارا؟ استاد نے کہا، کہ مارا نہیں، محض فرضی مثال ہے۔ فرمایا کہ میں ایسی کتاب نہیں پڑھتا، جس میں اول سے ہی کذب کی تعلیم ہو۔ بہر حال اگر مارا ہے، تو ظلم ہے اور اگر نہیں مارا، تو جھوٹ ہے، میں ایسی کتاب کو نہیں پڑھتا، جس میں ظلم یا کذب کی تعلیم ہو۔

(خطبات حکیم الامت، ص: ۳۷، ج: ۹، ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ: ملتان، طباعت: ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ، ملفوظات حکیم الامت، ص: ۱۴۱، ج: ۱۸، ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ: ملتان، طباعت: محرم ۱۴۲۲ھ)

نحوی موشگافی

☆ صاحبِ عقائد نسفیہ امام نجم الدین ابو حفص عمر بن محمد النسفی رحمۃ اللہ علیہ (۴۶۱ - ۵۳۷ھ) حنفی عالم گذرے ہیں، انہوں نے 'کتاب النجاح فی شرح کتاب أخبار الصحاح' کے نام سے صحیح بخاری کی شرح بھی لکھی ہے۔ ان کے متعلق منقول ہے:

موصوف نے مکہ مکرمہ زادھا اللّٰہ شرفا میں علامہ جار اللہ زمخشری (۴۶۷ - ۵۳۸ھ) سے ملاقات کا ارادہ کیا، جب ان کے گھر پہنچے اور دروازے پر دستک دی، تو علامہ زمخشری نے اندر سے دریافت کیا: مَنْ ذَا؟ (کون؟) امام نجم الدین نے جواب دیا: عُمَر. علامہ زمخشری نے کہا: اِنْصَرِفْ. منصرف ہو جاؤ، یعنی (اس وقت) واپس ہو جاؤ: لوٹ جاؤ۔ امام نجم الدین نے کہا: عُمَرُ لَا يَنْصَرِفُ. عمر تو غیر منصرف ہوتا ہے، منصرف نہیں ہوتا: واپس نہیں ہوتا۔ علامہ زمخشری نے کہا: إِذا

نُــكِّـرَ صُــرِفَ. جب نکرہ بنا دیا جائے: اوپرا اور غیر شناسا: بے جانا پہچانا قرار دے دیا جائے، تو منصرف ہو جاتا ہے: واپس ہو جانا پڑتا ہے؛ کیوں کہ صرف ''عمر'' کہنے سے شناخت نہ ہوسکی۔

(مقدمة لامع الدراری ، ص : ٤٤٤ ، ج : ١ ، المكتبة الإمدادية : مكة المكرمة)

عمر جب معرفہ ہو: عَلَم ہو، تو دو سبب: علمیت اور عدل کی وجہ سے غیر منصرف ہوتا ہے؛ لیکن جب نکرہ بنا دیا جائے، تو صرف ایک سبب: عدل کی وجہ سے غیر منصرف نہیں رہتا: منصرف ہو جاتا ہے۔

لطافتِ جواب — کمثل الحمار

☆ علامہ بدر الدین محمد بن ابی بکر دمامینی رحمۃ اللہ علیہ (۷۶۳ وقیل: ۷۶۴ — ۸۲۷ وقیل: ۸۳۱ھ وقیل غیرھما) فرماتے ہیں:

میں ایک دن ہمارے شیخ ابن عرفہ رحمہٗ اللہ کی مجلس میں تھا اور میں ان کے سامنے ان کی 'مختصر' سے کتاب الحج کا ایک سبق پڑھ رہا تھا، ایک طالب علم کھل کر بات کرنے میں اور غیر حاصل شدہ چیز کے حاصل ہونے کا اظہار کرنے میں معروف تھا، وہ بھی اس مجلس میں موجود تھا، اس کی نظر شیخ ابن عرفہ کی ایسی عبارت پر پڑی، جس میں ضمیر مضاف الیہ کی طرف لوٹ رہی تھی، تو وہ کہنے لگا:

''نُحاۃ کہتے ہیں، کہ ضمیر مضاف الیہ کی طرف نہیں لوٹتی، تو آپ نے اس (ضمیر کے مضاف الیہ کی طرف لوٹانے) کو کہاں سے اخذ کیا؟''

شیخ ابن عرفہ رحمۃ اللہ علیہ نے برجستہ جواب دیا:

" كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا " [الجمعة : ٥] اور خاموش ہو گئے۔

(مقدمة لامع الدراری ، ص : ٤٢٩ ، ج : ١ ، المكتبة الإمدادية : مكة المكرمة)

شیخ کے جواب کا حاصل یہ ہے، کہ اس آیت قرآنیہ میں مَثَلِ مضاف ہے، الْحِمَارِ مضاف الیہ ہے اور يَحْمِلُ کی ضمیر مرفوع الْحِمَارِ کی طرف راجع ہے ،جو مضاف الیہ ہے۔ شیخ نے جہاں اپنی بات کا ماخذ بتلایا، وہیں اس طالب علم کی حماقت کی طرف بھی لطیف اشارہ فرما دیا۔

انسان حیوانِ متفکر

☆ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ (۱۳۱۵ - ۱۴۰۳ھ) فرماتے ہیں:

" انسان" کی مشہور و معروف تعریف " حیوان ناطق" یا " حیوان عاقل" سے کی جاتی ہے؛ لیکن غور کیا جائے ،تو اس سے انسان کا کوئی امتیاز بخش تعارف نہیں ہوتا، کہ اسے " انسان" کی حدِ تام یا جامع و مانع تعریف سمجھ لیا جائے ؛ کیوں کہ عقل کا تھوڑا بہت جوہر غیر انسان حتی کہ حیوانات میں بھی پایا جاتا ہے۔ ایک کتے کو بھی اگر ایک جگہ ٹکڑا ڈال دیا جائے ،تو اگلے دن وہ پھر اسی جگہ آموجود ہوگا ، گویا وہ قیاس کرتا ہے کہ جب آج اس جگہ ٹکڑا ملا ہے،تو کل کو بھی مل سکتا ہے اور مل سکتا ہے، تو پھر اسی جگہ پہنچ جانا چاہیے۔ یہ صغری و کبری ملانا آخر عقلی قیاس نہیں ہے، تو اور کیا ہے؟ خواہ

وہ تعبیری اور لفظی نہ ہو؛ مگر ایک حقیقت تو ہے۔ نیز عرف عام میں بعض جانوروں کو چالاک اور ہوشیار کہا جاتا ہے، جیسے لومڑی۔ اور گدھے، بھینس کو عام طور سے احمق اور پلید کہتے ہیں۔ سعدی شیرازی نے کہا تھا کہ ؎

مسکین خر اگر چہ بے تمیز است ☆ چوں بار ہمی برد عزیز است

اور کسی نے بھینس کے بارے میں بھی کہا ہے کہ ؎

جاموس بے وقوف و بے ہوش ☆ چوں شیر دہد تو چشم از و پوش

اگر ان حیوانات میں عقل وشعور کی جنس ہی نہ ہوتی، تو یہ نوعی تفاوت کی تقسیم صحیح نہ ہوتی، جو عرف عام میں ضرب المثل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اندریں صورت عاقلیت یا دریافت معقولات علی الاطلاق انسان کی خصوصیت قرار دے کر اس کی حدِ تام ''حیوان ناطق'' کو بتلایا جانا اور اس سے نوعِ انسانی کا تعارف کرایا جانا کوئی جامع مانع قسم کا تعارف نہیں ہوسکتا؛ البتہ فکر و تدبر کے راستے سے حقائق کا تجزیہ کرکے ان میں امتیاز قائم کرنا، نئے نئے اکتشافات سے جزئیات پیدا کر لینا، جزئیات کو جمع کرکے ان سے کلیات بنانا، کلیات سے جزئیات کا نکال لینا اور جزئیات کے عواقب ونتائج کو سمجھنا، نتائج کے معیار سے عواقب اور انجامِ دنیا و آخرت کو پیش نظر رکھنا، نوعی خیر سگالی اور اس کی منظّم تدبیریں اور اصلاح معاشرہ کے لیے سوچ بچار وغیرہ بلاشبہ انسانی نوع ہی کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ سب اسی فکر کے کرشمے ہیں؛ اس لیے انسانی حقیقت کی اگر کوئی جامع مانع تعریف ہوسکتی ہے، تو وہ ''حیوانِ ناطق'' نہیں؛ بل کہ ''حیوانِ متفکر'' ہوسکتی ہے؛ کیوں کہ فکرمندی، فکر نمائی اور فکری پیمائش اور وہ بھی عمومی اور پوری نوعِ بشری کے لیے اور نہ صرف اس حیات

کے لیے؛ بل کہ حیات بعد الممات تک کے لیے صرف انسان ہی کی خصوصیت ہے، جو اس کے دوسرے ابنائے جنس کو میسر نہیں؛ اس لیے ’’حیوانِ متفکر‘‘ ہی کو انسان کی حدِ تام کہنا کچھ زیادہ قرینِ عقل نظر آتا ہے۔

(مقالات حکیم الاسلام، ص: ۶۶ تا ۶۸، ادارۃ المعارف: کراچی)

انسان حیوان عاشق

☆ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قَدَّسَ اللہ سِرَّہٗ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) فرماتے ہیں:

جب میں کانپور میں پڑھاتا تھا، تو معقولات بھی پڑھاتا تھا، اس وقت میں نے کہا تھا، کہ اہلِ معقول انسان کی حقیقت ’’حیوان ناطق‘‘ بتلاتے ہیں؛ لیکن میرے نزدیک ’’حیوان عاشق‘‘ کہنا زیادہ مناسب ہے؛ کیوں کہ فصل ایسا ہونا چاہیے، جو دوسری انواع سے مُمَیِّز ہو، تو نطق تو انسان کے لیے اتنا ممیّز نہیں، جتنا عاشق؛ کیوں کہ یہ تو ملائکہ اور جنّات میں بھی مشترک ہے اور عشق کا مادہ بجز انسان کے کسی میں نہیں۔

یہ مادۂ عشق ہی تو تھا، جس سے امانت پیش ہونے کے واسطے جو اس سے خطاب کیا گیا، (جس کا ذکر إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ الآیۃ میں ہے) اس خطاب میں ایسا خاص حظ اور کچھ ایسی عجیب لذّت ہوئی، کہ فوراً لینے کے لیے مستعد ہو گیا؛ کیوں کہ اس میں عشق بھی تھا اور عقل بھی۔ عشق سے تو لذتِ خطاب کا ادراک ہوا اور یہ سوچا کہ ایک بار کے کلام میں جب ایسا حظ ہے، تو حملِ امانت سے تو بار بار کے کلام کا

موقع ملے گا، اس میں کتنا حظ ہوگا؟ بس امانت یعنی احکامِ شرعیہ کی تکلیف کو قبول کرلیا، گواس کا انجام یہ بھی ہوا کہ لِيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ إلیٰ آخرہ، مگرعشق کی وجہ سے اس کی پروانہ کی، کہ عذاب بھی بھگتنا پڑے گا، اس کو لے ہی لیا۔

(خطبات حکیم الامت، ص:۱۸۴، ج:۷)

قرآن سمجھنے کے لیے ضروری علوم

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) نے فرمایا:

قواعد صرف ونحو سمجھ کر پڑھنے کے بعد قرآن شریف پڑھا جائے، اس کے بعد صرف ایک کتاب فقہ کی پڑھ لی جائے، تو بس کافی ہے اور جو خود عالم متبحر ومحقق نہ ہو، اس کو تو دوسرے کی تقلید واتباع کرنی چاہیے۔

زمخشری نے لکھا ہے کہ چودہ علم پڑھنے کے بعد یعنی تمام علوم سے فارغ ہونے کے بعد قرآن پاک پڑھا جائے۔ یہ اس کی رائے ہے۔

(حضرت تھانوی قدس سرہ نے) فرمایا:

میری رائے تو یہ ہے، کہ قرآن وفقہ واحادیث کا سمجھنا منطق کے بغیر مشکل ہے؛ اس لیے منطق پڑھنی ضروری ہے۔

(حضرت تھانوی قدس سرہ نے) فرمایا:

اوامر ونواہی کا سمجھنا تو آسان ہے؛ لیکن استنباط مسائل اور تحقیق کے لحاظ

سے قرآن کا سمجھنا بدون منطق اور علوم آلیہ کے دشوار ہے ؛ اس لیے علومِ عالیہ کے لیے علومِ آلیہ کی ضرورت ہے ۔ بعدہٗ اصطلاحات منطق کے ماتحت حضرت والا نے چند آیاتِ قرآن سے اس کی توضیح فرمائی :

مثلاً آیت کریمہ : وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَّأَسْمَعَهُمْ ۖ وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوا وَّهُمْ مُّعْرِضُونَ ۝ . [الأنفال : ۲۳]

(اور اگر اللہ ان میں کوئی خوبی دیکھتے ، تو ان کو سننے کی توفیق دیتے اور اگر اُن کو اب سُنا دیں ، تو ضرور روگردانی کریں گے بے رُخی کرتے ہوئے ۔)

اس میں شبہ ہوتا ہے کہ یہ قیاس منطقی کی ایک شکل ہے اور حدِ اوسط حذف ہونے کے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے : ولو علم اللّٰہ فیھم خیرا لتولوا ؛ لیکن ظاہر ہے کہ یہ نتیجہ بالکل غلط ہے ، تو اب اشکال یہ ہے کہ نتیجہ غلط کیوں نکلا ؟

پھر فرمایا کہ ذرا غور کیا جائے ، تو معلوم ہو جائے گا کہ حد اوسط کا مکرر ہونا جو شرطِ انتاج ہے ، وہ اس شکل میں موجود نہیں ؛ کیوں کہ پہلا اسمعھم سماع بمعنی القبول سے مشتق ہے اور دوسرا اسمعھم سماع حاسّہ کے معنی میں ہے ؛ اس لیے دو جگہ اسمعھم کا لفظ اگر چہ مکرر ہے ؛ مگر معنی الگ الگ ہیں ؛ اس لیے حقیقتاً تکرارِ اوسط نہیں ہوا ؛ اس لیے نتیجہ غلط نکلا ۔ اب اگر کسی کو منطق نہ آتی ہو ، تو اشکال کا حل سمجھنا اس کو دشوار ہے ۔

آیت : وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ۝ . [الانبیاء : ۱۰۵]

(اور ہم لوح محفوظ کے بعد کتابوں میں لکھ چکے ہیں ، کہ اس زمین کے مالک میرے نیک بندے ہوں گے ۔)

کے متعلق ایک صاحب نے مجھ سے سوال کیا کہ آج کل یہ واقعہ اور مشاہدہ کے خلاف ہے ؛ کیوں کہ عموماً زمین پر کفار و فجار کا تسلط ہے ۔سوال کرنے والے ایک مولوی صاحب تھے ۔ میں نے ان سے پوچھا کہ یہ کون سا قضیہ ہے ، محصورہ یا مہملہ؟ کہنے لگے : مہملہ ہے ۔ میں نے کہا کہ قضیہ مہملہ حکم میں جزئیہ کے ہوتا ہے ، کلیہ نہیں ہوتا ؛ اس لیے اس آیت کا یہ مفہوم ہی نہیں کہ ہمیشہ اور ہر وقت اور ہر زمانہ میں یہی حال رہے گا ، کہ صالحین زمین کے وارث ہوں ؛ بل کہ بعض مرتبہ ایسا ہونا اس قضیہ کے صدق کے لیے کافی ہے ۔اب منطق کی وجہ سے اس کا جواب کس قدر سہل اور مختصر ہو گیا ۔

(ملفوظات حکیم الامت ، ص : ۱۹۴ تا ۱۹۶ ، ج : ۱۵)

قلب آنِ واحد میں دو طرف متوجہ نہیں ہوسکتا ، امر عادی غالب ہے

☆ خواجہ عزیز الحسن (مجذوب) صاحب (۱۳۰۱ - ۱۳۶۳ھ) کے سوال کے جواب میں (حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰ -۱۳۶۲ھ) نے) فرمایا :

یہ مسئلہ کہ (النفْسُ لَا تَتَوَجَّهُ إِلىٰ شَيْئَيْنِ فِي آن وَاحِدٍ :) قلب آنِ واحد میں دو طرف متوجہ نہیں ہوسکتا ، میرے نزدیک قطعی عقلی دلیل سے ثابت نہیں ؛ البتہ امر عادی غالب یہی ہے ۔

(ملفوظاتِ حکیم الامت ، ص : ۵۷ ، ج : ۱۳)

مزاج پرسی کے لیے عربی تعبیر کون سی، " کَیفَ حَالُکَ " یا " کَیفَ اَنتَ " ؟

☆ شیخ عبدالفتاح ابو غُدَّہ رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۳۶ - ۱۴۱۷ھ) کے حلب (شام) کے بڑے شیوخ میں سے ایک شیخ علامہ محمد الناشد رحمۃ اللہ علیہ تھے، جو فقیہِ حنفی، نحوی، لغوی اور محقّق تھے، وہ طلبہ کو آپس میں ایک دوسرے کی خیر خیریت معلوم کرتے اور مزاج پرسی کرتے ہوئے " کَیفَ حَالُكَ ؟ " کا جملہ استعمال کرتے ہوئے سنتے، تو اس تعبیر کے عربی ہونے پر نکیر کرتے ہوئے فرماتے تھے، کہ " کَیفَ اَنتَ ؟ " کہنا چاہیے، " کَیفَ حَالُكَ ؟ " نہیں؛ کیوں کہ " کَیفَ " خود حال کے لیے ہے، اس کے ذریعہ حال کے متعلق سوال نہیں کیا جاتا۔

شیخ عبدالفتاح ابو غُدّہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کہ میں سمجھتا تھا کہ امام ابن فارس: امام ابوالحسین احمد بن فارس بن زکریا الرازی (۳۲۹ - ۳۹۵ھ) جو فقیہ واصولی ہونے کے ساتھ ساتھ لغوی ونحوی بھی ہیں، کے ایک شعر میں " کَیفَ حَالُكَ ؟ کی تعبیر کا آنا اس استعمال کے عربی ہونے کی صحت کو بتلاتا ہے۔ وہ شعر یہ ہے:

وَقَالُوا کَیفَ حَالُكَ ؟ قُلتُ خَیرٌ ☆ تَقَضیّٰ حَاجَةٌ وَتَفُوتُ حَاجُ

"لوگوں نے کہا: پوچھا، تمہارا حال کیسا ہے؟ میں نے کہا: اچھا ہے
ایک حاجت برآئی اور کئی ضرورتیں پوری ہونے سے رہ گئیں۔"

چالیس سال سے زیادہ عرصہ میں نے نحو ولغت کی کتابوں کی مراجعت کی، لیکن اس میں ہمارے شیخ: علامہ محمد الناشد رحمہٗ اللہ کے قول کی تائید یا تردید میں کچھ

نہیں پایا، پھر میں نے ایک دن زَبِیْدِی کی 'تاج العروس' میں " کَیْفَ حَالُكَ؟ " کی تعبیر کی صحت پر دال چیز پائی، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کلام میں " کَیْفَ حَالُكَ ؟ " کا استعمال پایا؛ چناں چہ:

(۱) زَبِیْدِیْ رحمہٗ اللہ نے 'تاج العروس' میں " حوذ" کے مادّہ کے تحت (ص:۵۶۰، ج:۲) حدیث: اَلْمُؤْمِنُ خَفِیْفُ الْحَاذِ کے معنی بیان کرتے ہوئے ذکر کیا ہے:

خَفِیْفُ الْحَاذِ أی الحالِ مِنَ الْمالِ، یُقَالُ : کَیْفَ حَالُكَ وَ حَاذُكَ ؟

اس نصِّ لغوی سے جو ((کَیْف)) کے مادہ کے علاوہ میں وارد ہے، ہمارے قول " کَیْفَ حَالُكَ ؟ " کی صحت مؤکّد ہوگئی۔

(۲) پھر میں نے 'المستدرك للحاكم' کی ایک صحیح حدیث پر آگہی پائی، جوام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، جس میں رسول اللہ ﷺ کا قول " کَیْفَ حَالُكَ ؟ " وارد ہے، اس سے اس استعمال کی صحت مزید مؤکد و ثابت ہوگئی۔ مکمل روایت حسبِ ذیل ہے:

((قالت : جَاءَ تْ إلیٰ النبیِّ ﷺ عَجُوز، فقالَ : مَنْ أنتِ ؟ قالت : جَثَّامَةُ الْمُزَنِیَّةُ، قال: بَلْ أنتِ حَسَّانَةُ الْمُزَنِیَّةُ، کَیْفَ انتُم ؟ کیف حالُکم ؟ کیف کنتم بَعْدَنا ؟ قالت: بِخیرٍ بأبی أنتَ و أُمِّی یا رسول اللّٰه.

فلماَّ خرجَتُ قلتُ : تُقْبِلُ علیٰ هذه العجوزِ هذا الإقبالَ ؟ فقال : إنها کانت تأتینا زمَنَ خدیجة، و إنَّ حُسْنَ العَهْدِ — أی تَعَهُّدِ المعرفةِ

المتقدِّمة — مِنَ الإيمان » قال الحاكم : علىٰ شرطِ الشيخين ، ولا عِلّةَ له، وأقَرَّه الذهبي.

(المستدرك ، ص: ١٦، ج : ١)

''ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: نبی ﷺ کے پاس ایک بڑی بی آئیں، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: تم کون ہو؟ عرض کیا: جَثّامَةالـمُزَنِيّة، آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں؛ بل کہ تم حَسَّانة الـمُزنِيّة ہو، تم کیسی ہو؟ تمہارا حال کیسا ہے؟ ہمارے بعد تم کیسی رہی؟ عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے والدین آپ پر قربان ہوں، خیریت کے ساتھ۔

جب وہ بڑی بی چلی گئیں، تو میں نے عرض کیا: آپ اس بڑی بی کی طرف اس قدر توجہ فرما رہے تھے (کیا بات ہے)؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ بڑی بی (حضرت) خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کے زمانے میں ہمارے پاس آتی تھیں اور حُسنِ عَہد یعنی سابقہ شناسائی اور جان پہچان کی رعایت کرنا ایمان کے تقاضوں میں سے ہے۔''

(۳) پھر میں عمر کحّالہ کی کتاب 'أعلام النساء' ص: ۳۳، ج: ۲ میں زَرْقاء بنت عَدِیّ کے ترجمہ: حالات، میں سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے قول پر واقف ہوا، جب انھوں نے زَرْقاء بنت عَدِیّ کُوفیّہ کا استقبال کرتے ہوئے فرمایا تھا:

مَرْحَباً و أهْلاً ، خَيْرَ مَقْدَمٍ قَدِمَه وافِد، كيف حالُكِ يا خَالَة ؟.......

''خوش آمدید! آنے والی کو خوش آمدید! اے خالہ! آپ کا حال کیا ہے؟......''

(۴) ' نُزُهَة الألِبـاّء ' لـلأنباری ص: ۳۷، اور ' مـعـجـم الأدباء ' لِيَاقُوت ص: ٢٦٢ ج: ١٠ وغیرہ کتابوں میں حَمّاد الرَّاوِيَة کے ترجمہ: حالات، میں ہشام بن عبدالملِک (۷۱-۱۲۵ھ) کا حَمّاد الرَّاوِيَة کو " كيف حـالُك " ؟ کہنا مذکور ہے۔"

(صفحات من صبر العلماء ، حاشيه ، ص : ٢٥٧، ٢٥٨، دارالبشائر الإسلامية : بيروت)

" ابن " کا الف کن مواقع میں حذف نہیں کر سکتے ؟

☆ شیخ علی بن بالی القسطنطینی رحمہ اللہ (۹۳۴-۹۹۲ھ) فرماتے ہیں:

(صاحب مقامات ابو محمد قاسم بن علی) الحریری (۴۴۶ - ۵۱۵ یا ۵۱۶ھ) نے ' درة الغواص ' میں کہا ہے کہ لوگ اسم یا لقب یا کنیت کے بعد ہر جگہ « ابن » سے الف حذف کر دیتے ہیں، حالاں کہ الف کا حذف عام نہیں ہے ؛ بل کہ پانچ مواقع میں الف کو باقی رکھنا لازم ہے:

(۱) جب « ابن » کی اضافت ضمیر کی طرف ہو، جیسے هذا زيدٌ ابنُك.

(۲) جب أب کے علاوہ کی طرف مضاف ہو، جیسے الـمـعتضد بالله ابنُ أخى المعتمد على الله .

(۳) جب اب اعلیٰ: جَد کی طرف مضاف ہو، جیسے الـــحســـنُ ابـــنُ

المهتدى بالله. (غزوۂ حنین میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد: أنا ابنُ عبد المطلب)

(۴) جب صفت سے استفہام کی طرف عدول ہو، جیسے هل تميمٌ ابنُ مُرٍّ؟

(۵) جب صفت سے خبر کی طرف عدول ہو، جیسے إنّ كعباً ابنُ لؤيٍّ.

صلاح الدین خلیل بن اَیبک صفدی (وفات: ۷۶۴ھ) نے ('تصحيح التصحيف و تحرير التحريف' میں) ان میں مزید دو مقام شامل کیے ہیں:

(۱) «ابن» شروع سطر میں واقع ہو۔

(۲) «ابن» دو وصفوں کے درمیان واقع ہو، دو عَلَم کے درمیان واقع نہ ہو، جیسے الفاضلُ ابنُ الفاضل.

(خير الكلام فى التفصى عن أغلاط العوام، ص: ۱۳، ۱۴، عالَم الكتب: بيروت)

لفظ مكة پر " ال " نہیں آتا، مدينة پر آتا ہے

☆ علامہ الشیخ محمد بہجۃ البیطار دِمَشْقی رحمۃ اللہ علیہ (وفات: ۱۳۹۶ھ) فرماتے ہیں:

شہروں اور ملکوں کے نام پر " ال " داخل کرنے میں غیر عرب علماء بڑی غلطی کرتے ہیں..........اس پر (شیخ محمد بہجہ رحمہٗ اللہ نے) لطیفہ سنایا:

ایک ہندوستانی عالم نے مکہ مکرمہ میں اپنے کسی عرب دوست سے کہا، کہ

أَنَـا أَذْهَـبُ مِنَ الْمَكَّةِ إِلىٰ مَدِيْنَة ، فَهَلْ لَكَ حَاجَةٌ ؟ (أو كما قال) انھوں نے " مـدينة " پر " ال "داخل کرنے کی بجائے " مكة " پر داخل کر دیا......ان عرب فاضل نے جواب دیا، کہ میرا صرف اتنا کام ہے کہ آپ " مكة " کے سر سے " ال " اٹھا کر لے جائیں اور " مدينة "چھوڑ آئیں۔

(پرانے چراغ،ص:۲۳۲، ج:۲)

ٹِڈّی دَل کے آدھمکنے پر بدّو کی شعر گوئی

☆ عربی لغت کے شہرۂ آفاق ادیب امام ابوسعید عبدالملک بن قُرَیْب بن عبد الملک بن علی بن اصمع الباھلی البصری (۱۲۲-۲۱۶ھ)،جنھیں چوتھی پُشت میں واقع جدِّ اعلیٰ ''اصمع'' کی طرف نسبت کرکے امام ''اصمعی'' کہا جاتا ہے،فرماتے ہیں:

میں جنگل میں آیا، وہاں ایک بدّو کو پایا، جس نے گیہوں کی کاشت کی تھی، جب وہ کھیتی اپنے تنہ پر کھڑی ہوگئی اور اس کی بالیاں عمدہ ہوگئیں،تو اس پر ٹِڈّی دَل آدھمکا، بدّو اسے دیکھنے لگا، اُس کو اِس اُفتاد سے نمٹنے کی کوئی تدبیر سُجھائی نہیں دی،تو حسب ذیل اشعار کہے ؎

مـرّ الـجرادُ علىٰ زرعى فقلتُ له   لا تـأكُلَنَ و لا تَشَغَّلُ بإفساد

فَـقَـامَ منهم خطيبٌ فوق سُنبلِه   إنـا عـلـىٰ سفرٍ لا بُدَّ مِنُ زادِ

(إرشاد السارى ، ص : ۲۵۵ ، ج : ۱۲ ، العلمية : بيروت)

''ٹڈیوں کا گزر میرے کھیت پر ہوا، تو میں نے ان سے کہا: تم (فصل)

مت کھاؤ اور (فصل) بگاڑنے میں مت لگو۔ ان میں سے ایک مقرّر اس کے خوشہ :
بالی، پر کھڑا ہوا (اور بولا:) ہم سفر میں ہیں؛ لہذا توشہ ضروری ہے۔''

کھجور کے مراحل اور چھوہارا

☆ صاحبِ صحاح اسماعیل بن حمّاد جوہری (وفات: ۳۹۳ھ) وغیرہ نے کھجور کے چھ مراحل ذکر کیے ہیں:

(۱) طَلْعٌ
(۲) خَلَالٌ
(۳) بَلَحٌ : کچھ زردی مائل کچّی کھجور
(۴) بُسْرٌ : گدرائی ہوئی ادھ پکی کھجور
(۵) رُطَبٌ : پختہ تازہ کھجور
(۶) تَمْرٌ : کھجور: خرما

(الصحاح للجوهری ، ماده : بلح ، ص : ٣٥٦، ج : ١ نیز ماده : بسر ، ص : ٥٨٩، ج : ٢، القاهرة ، المنجد، ماده : بلح، ص : ٩٩، مصباح اللغات ، ماده : بلح، ص: ٧٠)

علامہ محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۲۶ - ۱۳۹۷ھ) محدث العصر علامہ انور شاہ کشمیری قدّس اللہ سرّہ (۱۲۹۲-۱۳۵۲ھ) کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

''خشک کھجور کے لیے عربی زبان میں کوئی خاص نام نہیں ہے، مگر یہ کہ وہ

" بُسُر" کے زیادہ قریب ہے اور " بُسُر" وہ ہے، جو سرخ ہونے سے قبل زرد ہونے کی حالت میں توڑی جائے اور خشک کھجور زرد ہونے کی حالت میں توڑی جاتی ہے، پھر اس کو آگ پر آنچ سے سُکھایا جاتا ہے ؛ اس لیے اس کی اول حالت پر نظر کرتے ہوئے اسے " بُسُر "کہا جاتا ہے۔"

و اعلم : أنـه إذ جذ ثمر النخل فيسمى — قبل أن يجف — رطباً ، — و بعد الجفاف بحيث يدخر — تمرا بسكون الميم ، و التى تباع فى بلادنا فى الأسواق من التمرات اليابسة فليس لها اسم فى اللغة العربية عندهم إلا أنها أقرب إلى البسر ، و البسر : ما يقطع وهو أصفر قبل أن يحمر ، وهذه تقطع أصفر ثم تجفف على النار ، فيطلق عليها : " البسر " نظراً إلى أول حالتها ، قاله الشيخ .

(معارف السنن شرح سنن الترمذى ،ص : ٣٥٥ ، ج : ٥ ، الرشيدية : كراتشى)

بندہ کہتا ہے:

بعض حضرات یہ خیال کرتے ہوئے کہ " رُطَب " کے معنی تازہ کھجور کے ہیں تو " تَمُر " کے معنی خشک کھجور کے ہوں گے، گجراتی زبان میں " تَمُر " کا ترجمہ ^^%6tthfu کرتے ہیں ؛ کیوں کہ ^^%6tthfu خشک ہوتی ہے ؛ لیکن یہ درست نہیں ہے۔ " تَمُر " کے معنی خرما و کھجور کے آتے ہیں ؛ خشک کھجور کے نہیں۔ خشک کھجور کے لیے عربی میں کوئی خاص نام نہیں ہے، توسّعاً " بُسُر " کہا جاتا ہے، جیسا کہ ماقبل میں مذکور ہوا ؛ لہذا تحنیک والی روایات میں " تَمُر " کا ترجمہ ^^%6tthfu سے کرنا صحیح

نہیں، جیسا کہ بعض گجراتی فتاوی میں واقع ہوا ہے۔ %#&ffth fU ^^ سے تحنیک نو مولود کے لیے تکلیف دہ؛ بل کہ بعض مرتبہ جان لیوا ثابت ہوسکتی ہے۔

المُسَیّب بفتح الیاء یا بکسر الیاء؟

☆ حضرت سعید بن المُسَیَّب رحمۃ اللہ علیہ کے والد حضرت مُسَیّب رضی اللہ عنہ کا نام بفتح الیاء: المُسیَّب ہے یا بکسر الیاء: المُسَیِّب ہے؟

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ (۶۳۱-۶۷۶ھ) فرماتے ہیں کہ:

مشہور بفتح الیاء: المُسَیَّب ہے۔ صاحب مطالع الانوار علی صحاح الآثار: ابن قرقول (وفات: ۵۶۹ھ) نے علی بن المدینی (۱۶۱ و قیل ۱۶۲-۲۳۴ھ) رحمہما اللہ سے نقل کیا ہے کہ اہلِ عراق یاء کو فتحہ دیتے ہیں اور اہلِ مدینہ کسرہ دیتے ہیں۔

منقول ہے کہ سعید یاء کے فتحہ کے ساتھ مُسیَّب بولا جانا ناپسند کرتے تھے۔

(صحیح مسلم بشرح النووی، ص: ۹۷، ج: ۱، العلمیۃ: بیروت)

توریہ کی ایک مثال

☆ شیخ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ (۶۹۱-۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

فقیہ کوفہ عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہ کو ایک مرتبہ جمعہ کی نماز کے بعد ایک چبوترے پر کھڑا کیا گیا، انھوں نے چبوترے پر کھڑے ہو کر فرمایا:

إِنَّ الْأُمِيرَ اَمَرَنِیُ أَنُ أَلْعَنَ عَلِیَّ بُنَ أَبِیُ طَالِبٍ ، فَالُعَنُوهُ ، لَعَنَهُ اللّٰهُ.

(الطرق الحكميه، ص : ٣٦ ، العلمية : بيروت)

’’ گورنر صاحب نے مجھے (حضرت) علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) پر لعنت کرنے کا حکم دیا ہے، تم ان پر لعنت کرو، اللہ کی لعنت ہو ان پر۔‘‘

گورنر کے اہل کار سمجھ رہے تھے، کہ فَا لْعَنُوهُ اور لَعَنَهٗ کی منصوب ضمیریں ’’ علی بن أبی طالب ‘‘ کی طرف راجع ہیں اور مطلب یہ ہے، کہ تم علی بن ابی طالب پر لعنت کرو، علی بن ابی طالب پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، (نعوذ باللہ) جب کہ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہ ان ضمائر کو ’’ الأمیر ‘‘ کی طرف لوٹا رہے تھے اور مراد یہ لے رہے تھے، کہ تم حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابیٔ رسول ﷺ پر لعنت کرنے کا حکم دینے والے گورنر پر لعنت کرو، گورنر پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔

مثل مشہور ہے: مَنُ حَفَرَ لِأَخِيهِ جُبًّا ، وَقَعَ فِيهِ مُنُكَبًّا . چاہ کن را چاہ در پیش۔ قرآن مجید کی اعجازی تعبیر سے بڑھ کر کس کی تعبیر ہو سکتی ہے؟ ارشاد ہے:

وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ [فاطر : ٤٣]

’’بری تدبیروں کا وبال ان تدبیر والوں ہی پر پڑتا ہے۔‘‘

☆☆☆☆☆

توریہ کی دوسری مثال

شیعہ کے غلبہ کے زمانے میں کسی نے علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ (تقریباً ۵۱۰ یا اس سے قبل-۵۹۷ھ) سے پوچھا:

أيُّما أفْضَلُ ، أبو بكرٍ أوْ عَلِيٌّ ؟

کون افضل ہے، ابوبکر یا علی؟ رضی اللہ عنہما

ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

أفْضَلُهُمَا مَنْ كَانَتْ بِنْتُهُ تَحْتَهُ .

(الحث على حفظ العلم وذكر كبار الحفاظ لابن الجوزى، مع الحث على طلب العلم و الاجتهاد فى جمعه لأبى الهلال العسكرى، تحت عنوان "مقدمة"، ص: ۱۲، دارالفاروق: مصر— المنصورة)

شیعہ نے بِنْتُهُ کی ضمیر مجرور کا مصداق "رسول اللّٰه ﷺ" کو ٹھہرایا اور تَحْتَهُ کی ضمیر مجرور کا مرجع مَنْ کو قرار دے کر مَنْ سے "حضرت علی رضی اللہ عنہ" کو مراد لیا اور یہ سمجھا، کہ جن کے نکاح میں رسول اللہ ﷺ کی بیٹی (: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا) تھیں، یعنی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ وہ افضل ہیں۔

علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ بِنْتُهُ کی ضمیر مجرور کا مرجع مَنْ کو قرار دے کر مَنْ سے "حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ" کو مراد لے رہے تھے اور تَحْتَهُ کی ضمیر مجرور کا مصداق "رسول اللہ ﷺ" کو قرار دے رہے تھے اور معنی یہ لے رہے تھے، کہ جن کی بیٹی (: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں تھیں،

یعنی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، وہ افضل ہیں۔

وجہ تسمیہ:

آدم (علیہ السلام)

☆ " آدم " کون سی زبان کا لفظ ہے؟ اس میں مختلف اقوال ہیں:

(۱) سریانی زبان کا لفظ ہے۔

(۲) عِبرانی زبان کا لفظ ہے۔ ثعلبی فرماتے ہیں کہ عبرانی زبان میں مٹی کو " آدام " کہا جاتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق مٹی سے عمل میں آئی؛ اس لیے دوسرے الف کے حذف کے ساتھ آپ کا نام " آدم " رکھا گیا۔

(۳) عربی لفظ ہے۔ اسمٰعیل بن حمّاد جوہری (وفات: ۳۹۳ھ) اور ابومنصور بن جوالیقی (۴۶۵—۵۳۹ وقیل: ۵۴۰ھ اختارہ العلامة الذهبى فى العبرفى خبر من غبر) نے اسی پر جزم کیا ہے۔

عربی نام ہونے کی صورت میں اس کا ماخذ کیا ہے؟ اس میں چند اقوال ہیں:

(۱) أُدْمَة بمعنی گندم گونی۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بہت زیادہ گندم گوں ہونے کی وجہ سے أَفْعل کے وزن پر " آدم " نام رکھا گیا۔

(۲) أَدِیْم بمعنی ظاہری حصّہ۔ حضرت آدم علیہ السلام کو أدِیْمُ الأرض یعنی زمین کے ظاہری حصّہ: سطحِ زمین سے پیدا کیے جانے کی وجہ سے آپ کا نام " آدم " تجویز ہوا۔ یہ بات حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

(۳) أَدَمْت بَيْنَ الشَّيْئَيْنِ سے ماخوذ ہے۔ یہ اس وقت بولا جاتا ہے، جب دو چیزوں کی آمیزش کرے: ملائے۔ چوں کہ پانی اور مٹی کو ملا کر حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا؛ اس لیے آپ کو "آدم" کہا گیا۔

(ماخوذ از فتح الباری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب خلق آدم و ذریته، ص: ٤١٩، ج: ٦، دار الریان: القاهرة)

إمُرَأَة

☆ إمُرَأَة: علامہ سیّد محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (وفات: ۱۲۷۰ھ) تفسیر 'روح المعانی' میں حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ:

جب حضرت حواء رضی اللہ عنہا کو حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا کیا گیا، تو فرشتوں نے ان کے متعلق حضرت آدم علیہ السلام سے پوچھا:

مَنْ هذه ؟ "یہ کون ہے؟"

حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: إمرأة. "عورت۔"

پوچھا: لِمَ سُمِّيَتْ امرأةً ؟ "انھیں "إمرأة" سے موسوم کیوں کیا گیا؟"

فرمایا: لِأَنَّها خُلِقَتْ مِنَ الْمَرْءِ. "اس لیے کہ یہ "مَرْء": مرد سے پیدا کی گئی ہیں۔"

(روح المعانی، ص: ٢٣٣، ٢٣٤، ج: ١، دار إحیاء التراث العربی: بیروت)

حواء (رضی اللّٰہ عنہا)

☆ حواء :

فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت حواء رضی اللہ عنہا کے متعلق پوچھا:

ما اسمُها ؟ ''ان کا نام کیا ہے؟''

فرمایا: حواء.

پوچھا: لِمَ سُمِّيَتُ حواء ؟

فرمایا: لِأَنَّها خُلِقَتُ مِنُ شيءٍ حيٍّ .''اس لیے کہ یہ شئ حیّ : زندہ شئ سے پیدا کی گئی ہیں۔''

(روح المعانی ، ص : ۲۳٤ ، ج : ۱ ، دارإحیاء التراث العربی : بیروت)

إبلیس

☆ '' إبـلیــس '' نام اکثر علماء کے نزدیک عجمی ہے۔بعضوں نے کہا کہ عربی ہے اور أَبْلَسَ بمعنی ناامید ہونا سے مشتق ہے۔

اس پر اشکال یہ ہے کہ اگر یہ عربی ہوتا اور أبْـلَسَ بمعنی ناامید ہونا سے ماخوذ ہوتا، تو اس کے ملعون و راندۂ بارگاہ ہونے کی وجہ سے رحمتِ الٰہیہ سے مایوس و ناامید ہونے کے بعد '' إبـلیـس '' نام ہوتا ؛ حالاں کہ ظاہرِ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس

کے ملعون وراندۂ بارگاہ ہونے سے قبل بھی اس کا یہ نام تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے، آئندہ یہ چیز پیش آنے والی تھی؛ اس لیے یہ نام رکھا گیا ہو۔

طبری اور ابن ابی الدنیا رحمہما اللہ نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت نقل کی ہے کہ ’’ ابلیس جب ملائکہ کے ساتھ تھا، تو اس کا نام ’’عزازیل ‘‘ تھا، اس کے بعد ’’إبليس ‘‘ نام ہوا۔‘‘ اس سے لفظ ’’ إبليس ‘‘ کے عربی ہونے اور أَبْلَسَ سے مشتق ہونے کے قول کی تائید ہوتی ہے۔

(ماخوذاز فتح الباری، کتاب بدء الخلق، باب صفة ابليس و جنوده، ص : ۳۹۱، ج : ٦، دار الريان : القاهرة)

آسمان

☆ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) فرماتے ہیں:

’’ ’’آسمان‘‘ لفظ مفرد نہیں ہے؛ بل کہ ’’آس‘‘ اور ’’مان‘‘ سے مرکب ہے۔ ’’آس‘‘ بمعنی ’’آسیا‘‘ چکّی کو کہتے ہیں اور ’’مان‘‘ بمعنی مانند ہے، تو یہ لفظ اصل میں ’’آسیامان‘‘ تھا، کثرتِ استعمال سے تخفیف کر کے ’’آسیا‘‘ کو ’’آس‘‘ بنا لیا گیا، ’’آسمان‘‘ ہو گیا۔ آسمان کو آسمان اس لیے کہتے ہیں، کہ ان اہلِ لغت کے نزدیک چکّی کی طرح اس میں حرکتِ دوریہ ہے۔‘‘

(خطباتِ حکیم الامت، ص:۵۴، ج:۲۹)

أَنْف

☆ أَنْف : ناک۔ ہر چیز کا اول، آگے کو بڑھا ہوا اور نمایاں حصہ " أَنْف " کہلاتا ہے۔ ناک کو " أَنْف " اسی لیے کہا جاتا ہے، کہ وہ چہرے پر سب سے نمایاں اور آگے بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ سُمِّیَ أنْفاً لِتَقَدُّمِہٖ . (عمدة القاری، ص : ٢٠١، ج : ١٤) قَالَ الْخلِیْلُ : أنْفُ کُلِّ شَیْءٍ أوَّلُہٗ ...... وَ أَنْفُ الْجَبَلِ أوَّلُہٗ وَ مَا بَدَا لَكَ مِنْہُ .

(مقایس اللغة، مادة " أنف "، ص : ١٤٧، ح : ١)

جدّہ

☆ ایک صاحب نے (حکیم الامت حصرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) سے) دریافت کیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی قبر کہاں ہے؟

فرمایا کہ ابوقُبیس جو ایک پہاڑ ہے مکہ معظّمہ میں، وہاں بتلائی جاتی ہے اور حضرت حوّا کی جدّہ میں بتلاتے ہیں۔

اس (جدّہ) کی وجہ تسمیہ یہ بیان کرتے ہیں کہ وہاں ہماری جَدّہ (دادی: حضرت حواء رضی اللہ عنہا) ہیں؛ مگر یہ بالکل غلط ہے، یہ لفظ جَدّہ ہے ہی نہیں؛ بل کہ جُدّہ بِالضّم ہے۔ دو پہاڑیوں کے درمیان کا جو راستہ جاتا ہے، اس کو جُدّہ

کہتے ہیں۔

(ملفوظات حکیم الامت، ص: ۲۹۶، ۲۹۷، ج: ۲ نیز ص: ۲۲۹، ج: ۲۶، ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ: ملتان)

جَرَاد

☆ جَرَاد: ٹِڈّی۔ ٹِڈّی کو عربی میں جَرَاد کہا جاتا ہے، جو جَرْدٌ بمعنی صفایا کردینا سے ماخوذ ہے، لأنّہ لَا یَنْزِلُ علیٰ شیءٍ إلّا جَرَدَہُ. چوں کہ ٹِڈّی جس چیز: درخت، پودے یا فصل پر اترتی ہے، اس کا صفایا کردیتی ہے؛ اس لیے اسے "جَرَاد" کہا جاتا ہے۔

خانقاہ

☆ (حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) نے) فرمایا:

ایک خط آیا ہے، پتہ پر لکھا ہے: خانگاہ امدادیہ؛ مگر صحیح اور اصل لفظ یہی ہے، خانقاہ اس کا معرب ہے، خانگاہ: جہاں پر بہت سے خانے اور حجرے بنے ہوں۔

(ملفوظات حکیم الامت، ملفوظ: ۱۱۵، ص: ۸۷، ج: ۳، ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ: ملتان)

خِوَان

☆ خِــوَان : جس چوکی : میز پر کھانا کھایا جاتا ہے،اس کوعربی میں خِــوَان، خُـوَان اور إخـوَان کہا جاتا ہے،ان میں مشہور" خِـوَان "ہے۔ یہ لفظ مُعَرَّ ب ہے کہ پہلے عجمی تھا ، پھرعربی بنایا گیا یا اُصالتاً ہی عربی ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ صحیح یہ ہے، کہ مُعَرّ ب ہے۔

ابتداء ہی سے عربی ماننے والوں کے اعتبار سے چوکی : میز یا دسترخوان کو خِوَان کیوں کہا جاتا ہے؟

لِأَنَّه يَتَخَوَّنُ مَا عَلَيْهِ .

" تَخَوُّن " کے معنی ہیں : کم ہونا یا تھوڑا تھوڑا کرکے کم ہونا،کم کرنا اور چوکی: میز پر کھانے وغیرہ کی جو چیز ہوتی ہے، وہ تھوڑا تھوڑا کرکے کم ہوتی ہے،کم کی جاتی ہے؛اس لیے اسے"خِوَان " کہا جاتا ہے۔

یہ ملحوظ رہے، کہ بعض مرتبہ مطلقاً دسترخوان پر بھی"خِــوَان " کا لفظ بول دیا جاتا ہے۔

دِ دُجَاج

☆ دُجَاج : عربی میں مرغ،مرغی کو " دِجَاج "(مثلثة الدال) کہا جاتا ہے۔حافظ ابن حجرعسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (۷۷۳-۸۵۲ ھ) ' غريب الحديث '

لإبراهيم الحربی کے حوالے سے وجہ تسمیہ ذکر کرتے ہوئے 'فتح الباری' میں تحریر فرماتے ہیں:

دجّ یدجّ اس وقت بولا جاتا ہے، جب جلدی کرے اور مرغ، مرغی آگے پیچھے ہونے میں جلدی کرتی ہے، یعنی بہت جلد آگے پیچھے ہوتی ہے؛ اس لیے اسے " دُجَاج " کہا جاتا ہے۔

(فتح الباری، کتاب الذبائح و الصید، باب لحم الدجاج، ص: ٥٦٢، ج: ٩، دارالریان: القاهرة)

ذُبَاب

☆ ذُبَاب : مکّھی کو عربی میں " ذُبَاب " کہا جاتا ہے، لِأَنّہٗ کُلَّما ذُبَّ آبَ أَیْ کُلَّمَا طُرِدَ رَجَعَ .

ذَبَّ (ن) ذَبّاً کے معنی ہیں: دور کرنا: ہٹانا اور آب (ن) اَوباً کے معنی ہیں: لوٹنا مکّھی کو جب کبھی ہٹایا جاتا ہے، تو وہ لوٹ آتی ہے؛ اس لیے اسے " ذُبَاب " کہا جاتا ہے۔

الرَافِضَة

☆ الرَافِضَة : (۱) جنگ وغیرہ میں اپنے قائد و رہنما کو چھوڑ دینے والی

جماعت (۲) شیعوں کی ایک جماعت (ج) رَوَافِــــض . نسبت کے لیے رَافِضیّ کہا جاتا ہے۔

رَفْــض بمعنی ترک: چھوڑنے سے ماخوذ ہے۔امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ (۲۷۰ وقیل: ۲۶۰ -۳۲۴ وقیل: ۳۳۰ ھ) فرماتے ہیں کہ رَافِضَة کورَافِضَہ اس لیے کہا جاتا ہے، کہ انھوں نے حضرات شیخین: ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کوچھوڑ دیا یعنی تسلیم نہیں کیا۔

' العِقد الفريد ' لعبد ربه الاندلسی میں ہے:

الرافضة : إنـمـا قيـل لهـم رافضة ؛ لأنهم رفضوا أبابكر و عمر ولم يَرْفُضهما أحدٌ من أهل الأهواء غيرهم .

(العقد الفريد ، ص : ٤٠٤ ، : ٢ ، دارالكتاب العربى : بيروت)

امام اصمعی (۱۲۲-۲۱۶ھ) وغیرہ فرماتے ہیں کہ رافــضة کی وجہ تسمیہ یہ ہے، کہ انھوں نے حضرت زید بن علی رحمہما اللہ (۸۰-۱۲۲ھ) کو چھوڑ دیا تھا۔ زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب رحمہم اللہ کے ہاتھ پر بیعت ہونے کے بعد انھوں نے حضرت زید رحمۃ اللہ سے کہا کہ آپ حضرات شیخین: ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے برائت کا اظہار کریں، تو ہم آپ کی معیت میں قتال کریں گے۔ حضرت زید رحمۃ اللہ نے اس سے انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ دونوں میرے نانا: رسولِ اکرم ﷺ کے وزیر تھے؛ لہذا میں ان دونوں حضرات سے براءت نہیں کرسکتا۔ یہ سُن کر انھوں نے حضرت زید رحمۃ اللہ کو چھوڑ دیا۔

' فوات الوفيات ' لمحمد بن شاكر الكتبى میں زید بن زین العابدین

رحمہما اللہ کے ترجمہ میں ہے:

و سئل عيسى بن يونس عن الرافضة (و الزيدية) ، فقال : أما الرافضة فأول ما ترفضت جاء وا إلى زيد بن على حين خرج ، وقالوا له : تبرأ من أبى بكر و عمر حتى نكون معك ، قال : بل أتولّاهما ، قالوا : إذن نرفضك ، فسميت الرافضة . والزيدية قالوا : نتولّاهما و نتبرأ ممن تبرأ منهما، وخرجوا مع زيد ، فسميت الزيدية .

(فوات الوفيات ، ص : ٣٦ ، ج : ٣ ، دارالثقافة : بيروت)

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (۶۷۳- ۷۴۸ھ) سن ہجری ۱۲۱ کے واقعات میں حضرت زید بن علی بن حسین بن علی رحمہم اللہ کی شہادت کے ذکر کے ضمن میں فرماتے ہیں:

ولما خرج أتاه طائفة كبيرة ، و قالوا تبرأْ من أبى بكر و عمر حتى نبايعك ، فأبى ، فقالوا : إذاً نرفضك ، فمن ذلك الوقت سموا الرافضة ، و سميت شيعتُه الزيْديّه .

(العبر فى خبر من غبر ، ص : ١١٨ ، ج : ١ ، العلمية : بيروت)

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی رحمۃ اللہ علیہ (۵۴۳ یا ۵۴۴ یا ۵۴۵ - ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں کہ حضرت زید بن علی رحمہما اللہ نے ھشام بن عبد الملک کے خلاف خروج کیا، ان کے ہم راہی فوجیوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر طعن و تشنیع کی ، حضرت زید رحمہٗ اللہ نے ان کو اس حرکت سے روکا ،تو سوائے دوسوسواروں کے سب نے حضرت زید رحمہٗ اللہ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ زید بن علی رحمہما اللہ نے ان سے

فرمایا: رَفَضْتُمُوْنِیْ ؟ تم نے مجھے چھوڑ دیا؟ انھوں نے کہا: نَعَمْ ! ہاں ! تو ان پر یہ نام: رافضہ، چسپاں ہوگیا۔

(إعتقادات فِرق المسلمين و المشركين ، ص : ٥٩ ، ٦٠ ، دارالكتاب العربى : بيروت)

رِمَّة

☆ رِمَّة : بوسیدہ ہڈی۔ رَمّ (ن۔ض) رَماً — البهيمةُ کے معنی ہیں: چوپائے کا منھ سے پکڑنا اور کھانا۔ امام خطّابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

سُمِّيَتِ العِظامُ البَالِيَةُ رِمَّةً، لِأَنَّ الإبلَ تَرُمُّها أى تَأْكُلُها.

" بوسیدہ ہڈیوں کو "رِمَّة" اس لیے کہا جاتا ہے، کہ اونٹ انھیں کھاتا ہے۔"

زَبِيْل (زِنْبِيْل)

☆ زَبِيْل : ٹوکرا۔ ٹوکرے کو بقول ابن دُرید " زَبِيْل " — جسے " زِبِّيْل " اور نون کے زیادتی کے ساتھ " زِنْبِيْل " بھی کہا جاتا ہے — اس لیے کہا جاتا ہے، کہ اس میں زِبْل یعنی کھاد اور گوبر اٹھایا جاتا ہے۔ قال ابن دريد : سُمِّيَ زَبِيْلاً ؛ لِأَنَّهُ يُحْمَلُ فِيْهِ الزِّبْلُ .

سَحَاب

☆ سَحَاب : سحب (ن) سَحُباً بمعنی کھینچنا۔ بادل کو " سحاب " اس لیے کہتے ہیں، کہ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف کھینچے جاتے ہیں۔

طَرِیُق

☆ طَرِیُق : راستہ۔ بعض اہل لغت کہتے ہیں کہ طَرَقَ (ن) طُرُوْقاً کے معنی ہیں: کوٹنا۔ راستہ کو " طریق " اس لیے کہا جاتا ہے کہ راہ گیر اس کو اپنے پاؤں سے کوٹتے ہیں۔ اس صورت میں فَعِیُلٌ مفعول کے معنی میں ہے، یعنی طَرِیُق بمعنی مَطْرُوُق : مَدُقُوُق (جس کو کوٹا گیا ہو) ہے۔

عَذَاب

☆ عَذَاب : سزا۔ " عَذَاب " عَذْب سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں: منع کرنا، روکنا۔ عَذَبْتُہٗ عَذْباً اس وقت بولا جاتا ہے، جب متکلم اسے منع کرے: روکے۔ پانی کو " عَذْبٌ " اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ پیاس کو روکتا ہے۔ سزا کو " عَذَاب " اس لیے کہتے ہیں کہ سزا مجرم کو دوبارہ اس جُرم کے ارتکاب سے روکتی ہے، اسی طرح دوسروں کے لیے بھی مجرم جیسا فعل کرنے سے مانع: روکنے والی ہے۔

عَسِیُف

☆ عَسِیُف : اَجِیُر و مزدور ۔ مزدور و نوکر کو عربی میں " عَسِیُفٌ " کہا جاتا ہے۔ عَسُفٌ کے معنیٰ ظلم وجوٗ ر کے ہیں ،و الـمُسُتأُجِرُ یَعُسِفُہٗ فی العمل . کرایہ پر لینے والا (عاماً) مزدور پر کام لینے میں ظلم کرتا ہے ؛ اس لیے مزدور کو "عَسِیُف" کہا جاتا ہے۔اس صورت میں عَسِیُف بروزن فَعِیُل اسم مفعول کے معنیٰ میں ہے۔

عَسِیُف بروزن فَـعِیـل اسم فاعل کے معنیٰ میں بھی ہوسکتا ہے، لِـکَـوُنِـہٖ یَـعُسِفُ الأرضَ بِالتَّرَدُّدِ فیھا. مزدور کام کے لیے بار بار یہاں وہاں آمد و رفت اور چلنے پھرنے کے ذریعہ زمین پر ظلم کرتا ہے؛ اس لیے اس کو " عَسِیُف "کہا جاتا ہے۔

عَسُفٌ کا اطلاق " کِـفَـایَة " پر بھی ہوتا ہے۔اس معنیٰ کے لحاظ سے اَجیر کو عَسِیُف بمعنیٰ کافی اس لیے کہا جاتا ہے، کہ اجیر مُفَوَّضہ امور میں مستاٗجِر کی کفایت کرتا ہے۔

فَرَس

☆ فَرَس : گھوڑا۔ یہ " افتراس " بمعنیٰ پھاڑنا سے ماخوذ ہے، گھوڑا اپنی تیز رفتاری کے ذریعہ زمین پھاڑتا ہے؛ اس لیے اس کو " فَرَس "کہتے ہیں۔

قمری مہینوں کی وجوہ تسمیہ

☆ مُحَرَّم : سُمِّی به ؛ لأنهم کانوا یُحَرِّمون القتالَ فیه. **لوگ اس مہینے میں قتل وقتال (اور ڈاکہ زنی) کو اپنے اوپر حرام ٹھہراتے تھے؛ اس لیے اسے " مُحَرَّم " کہتے تھے۔**

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ "بعض" کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

إذا رأیتَ العربَ السادات، فقد تَرکوا العادات، و حَرّموا الغَارات، قالوا: محرم.

"جب تو عرب سرداروں کو دیکھے، کہ انھوں نے عادتوں کو چھوڑ دیا اور اپنے اوپر لوٹ کو حرام ٹھہرایا، تو انھوں نے اس مہینے کو " مُحَرّم " کہا، یعنی "محرم" نام رکھا۔"

☆ صفر : و إذا ضَعُفَتْ أبدانُهم، وَاصفَرَّتْ أَلْوَانُهم، قالوا: صفر.

"(محرم میں ڈاکہ زنی نہ کرنے کی وجہ سے فقر وفاقہ کے نتیجے میں) جب ان کے بدن کمزور اور رنگ زرد ہوگئے، تو انھوں نے اس مہینے کا نام " صفر" رکھا۔"

☆ ربیع الأول ، ربیع الأخر : وإذا زَهَتِ البَسَاتِین، وظَهَرَتِ الرَّیاحِیْن، قالوا: ربیعان.

"جب باغات لہلہانے لگے اور خوشبودار پودے ظاہر ہوئے، تو انھوں نے ان دو مہینوں کا نام " ربیعان " (یعنی پہلے مہینے کا نام "ربیع الأول" اور دوسرے کا

" ربيع الأخر") رکھا۔"

☆ جُمَادَى الْأُوْلَىٰ ، جُمَادَى الْأُخْرَىٰ : جُمَادَى الثَّانِيَة : و إذا قلّت الثِّمار، و جَمَدَ الماء، قالوا : جُمَادَان.

"جب پھل کم ہو گئے اور پانی جم گیا، تو ان دو مہینوں کا نام " جُمَادَان " (یعنی پہلے مہینے کا نام " جُمادَى الْأُوْلى " اور دوسرے کا نام " جُمَادَى الْأُخْرى " یا " جُمَادَى الثَّانِيَة ") رکھا۔"

☆ رجب : و إذا هاجتِ الرِّياح، و جَرَتِ الأنهار، و تَرَجَّبَتِ الْأَشْجار، قالوا : رجب.

"جب تیز ہوائیں چلنے لگیں، نہریں جاری ہو گئیں اور درختوں کو تھونی لگا دی گئیں، تو لوگوں نے اس مہینے کا نام " رجب " رکھا۔"

☆ شعبان : و إذا بَانَتِ الْفَصَائِل ، و تَشَعَّبَتِ الْقَبَائِل، قالوا : شعبان .

"جب کنبے اور قبیلے (کے افراد) ایک دوسرے سے الگ ہوئے اور پھیل گئے، تو انھوں نے اس مہینے کا نام " شعبان " رکھا۔"

☆ رمضان : و إذا حَمِيَ الفَضا و طَغىٰ جَمُرُ الغَضا، قالوا : رمضان .

"جب فضاء گرم ہو گئی اور جھاؤ کے درخت کی آگ تیز ہو گئی، تو لوگوں نے اس مہینے کا نام " رمضان " رکھا (کیوں کہ رمضان کے معنی سخت گرم کے ہیں)۔"

☆ شوال : و إذا قَلَّ السحاب، و كَثُرَ الذُّباب ، و شالتِ الْأَذْنَاب، قالوا:

شوال .

”جب بادل کم ہو گئے ، مکّھیاں زیادہ ہو گئیں اور (بغیر دودھ کے) جانوروں کی دُم (مستی کے وقت) اٹھنے لگیں ،تو انھوں نے اس مہینے کا نام ” شوال“ رکھا۔“

بعض نے ذکر کیا:

سُمِّی بذلك لِشَوُلانِ الإبلِ بِأذُنَابِها عِنُدَ اللِّقاحِ .

”(عامّتاً اس مہینے میں اونٹنیاں جُفتی کراتی ہیں ،تو) جُفتی کے وقت اونٹنیوں کے اپنی دُم اٹھانے کی وجہ سے اس مہینے کا نام ” شوال “ رکھا گیا۔“

☆ ذوالقعدة : و إذا قَعَدَ التُّجّارُ عنِ الأسُفار ، قالوا : ذوالقعدة .

”جب تاجرلوگ سفروں سے بیٹھ گئے : رُک گئے،تو لوگوں نے اس مہینے کا نام ” ذوالقعدة “رکھا۔“

☆ ذوالحجة : وإذا قَصَدُوا الحج مِنُ كُلِّ فَجّ، وأَظُهَرُوا العَجّ وَالثجّ، قالوا : ذوالحجة.

”اور جب لوگوں نے ہر دَرَّہ و ہر راستے سے حج کا ارادہ کیا،تلبیہ اور ہدی کے خون بہانے کا اظہار کیا،تو انھوں نے اس مہینے کا نام ” ذو الحجة “رکھا۔“

(إرشاد السارى ، ص : ۲۵۷ ، ج : ۱۰ ، العلمية : بيروت)

علامہ مرزوقی رحمہٗ اللہ (وفات :۴۲۱ھ) نے ’کتاب الأزمنة و الأمكنة‘ ص : ۲۰۵ تا ص : ۲۱۰ میں قمری مہینوں کی دوسری وجوہ تسمیہ اور ان کے دوسرے

نام وغیرہ ذکر فرمائے ہیں۔

فائدہ:

مذکورہ قمری مہینوں میں کچھ منصرف ہیں اور کچھ غیر منصرف۔ تفصیل حسب ذیل ہے:

محرم : منصرف

صفر : جمہور علماء کے نزدیک منصرف ہے۔ ابو عبیدہ بتاویل سَاعَة، تانیث اور معرفہ کی وجہ سے غیر منصرف قرار دیتے ہیں۔

ربیع الأول ، ربیع الأخر : منصرف۔

جُمادَی الْأُوْلیٰ ، جُمَادَی الْأُخْریٰ : غیر منصرف۔

رجب : منصرف۔

شعبان ، رمضان : غیر منصرف۔

شوال ، ذو القعدة ، ذو الحجة : منصرف۔

کھٹمل

☆ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) نے فرمایا:

(حضرت) مولانا محمد یعقوب صاحب (نانوتوی) رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۴۹-۱۳۰۲ھ) فرماتے تھے، کہ ''کھٹمل'' کے معنی ہیں: چارپائی کے پہلوان۔ ''مَل'' کے

معنی پہلوان کے ہیں اور ’’ کھٹ‘‘ ہندی میں کھاٹ کا مخفف ہے ، جس کے معنی چار پائی کے ہیں۔

(ملفوظات حکیم الامت ، ملفوظ : ۲۹۲، ص: ۱۳۳، ج: ۱۸)

مِحُراب

☆ مِـحُـراب : محراب کے لغوی معنی ہیں: لڑائی کا آلہ۔ یہ لفظ حَـرُبٌ بمعنی لڑائی سے ماخوذ ہے۔ مسجد میں امام کے کھڑے ہونے کی جگہ کو یا قبلہ کو ’’مِـحُـراب‘‘ کیوں کہا جاتا ہے؟ لِأنّـهٗ يُـحَارِبُ النفسَ و الشيطانَ بِا لقيامِ اليه. ’’اس لیے کہ اس کی طرف کھڑے ہو کر مُصلّی نفس و شیطان (کی مخالفت کر کے ان) کے ساتھ لڑائی کرتا ہے۔‘‘

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ (وفات : ۱۲۷۰ھ) نے اپنی تفسیر میں آیت کریمہ ’’ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ‘‘[آل عمران : ۳۷] میں واقع ’’ الْمِحْرَابَ ‘‘ کے دوسرے معانی و وجوہ تسمیہ ذکر فرمائی ہیں۔ ملاحظہ ہو: روح المعانی ، ص : ۱۳۹ ، ج: ۳

مِغْفَر

☆ مِـغْفَر : خود۔ وہ لوہے کی ٹوپی جو لڑائی میں سر پر پہنتے ہیں۔ یہ غَـفَـرَ (ض) غَفْراً بمعنی ڈھانپنا، چھپانا سے ماخوذ ہے، چوں کہ خود بھی سر کو ڈھانپتا اور چھپاتا ہے؛

اس لیے اسے "مِغفَر" کہا جاتا ہے۔

مَفَازَة

☆ مَفَازَة : بیابان، ریگستان

(۱) اس کے طے کرنے والے کی سلامتی کی نیک فالی کے لیے اسے "مَفَازَة": فَوْز وکامیابی کی جگہ کہا جاتا ہے، جیسے لَدِیْغ : مارگزیدہ یا سانپ اور بچھو کے ڈسے ہوئے کو شگونِ نیک کے لیے "سَلِیْم": سلامت رہنے والا کہا جاتا ہے۔

(۲) جو اسے طے کر لیتا ہے، وہ نجات پانے والا اور کامیاب ہے؛ اس لیے اس کو "مَفَازَة" کہا جاتا ہے۔

مذکورہ دونوں اقوال کے اعتبار سے "مَفَازَة": فَوْز بمعنی کامیاب ہونے سے ماخوذ ہے۔

(۳) وہ اس کے طے کرنے والے کو خود کے بے آب و گیاہ ہونے کی وجہ سے ہلاک کر دیتا ہے؛ اس لیے اسے "مَفَازَة" کہا جاتا ہے۔

اس قول کے اعتبار سے "مَفَازَة" فَوْز بمعنی ہلاک ہونا سے ماخوذ ہے، جب آدمی ہلاک ہو جائے: مر جائے تو کہا جاتا ہے: فُوِزَ الرَّجُلُ .

مِنُبر

☆ مِنُبر : ''منبر'' کا لفظ نَبرَ (ض) نَبراً سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں: بلند

کرنا۔منبر کے معنی ہوئے : بلند کرنے کا آلہ۔منبر چوں کہ خطیب یا واعظ کو سامعین سے بلند کرتا ہے؛اس لیے اسے ''منبر'' کہا جاتا ہے۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ (۷۶۲-۸۵۵ھ) نے لفظ ''مِنْبر'' کو بجائے اسم آلہ کے ظرف مکان قرار دیا ہے۔موصوف رحمہٗ اللہ فرماتے ہیں:

''مِنْبر'' کو مِنبر اس لیے کہتے ہیں کہ وہ بلند ہوتا ہے اور اس پر آواز بلند کی جاتی ہے۔

بلند ہونے کا محل وظرف ہونے کی وجہ سے قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ میم کے فتحہ کے ساتھ ہوتا؛لیکن یہاں خلاف قیاس میم کے کسرہ کے ساتھ اسم آلہ کے وزن پر ہے۔

(ماخوذ از: عمدة القاری، ص: ۲۳، ج: ۱، دار إحياء التراث العربی: بيروت)

'مصباح اللغات' میں ہے:

المِنُبر : بلند جگہ۔ جہاں سے واعظ یا خطیب لوگوں کو خطاب کرتا ہے۔ بلند ہونے کی وجہ سے ''منبر'' کہا جاتا ہے اور آلہ کی تشبیہ کی بنا پر میم کو کسرہ دیا جاتا ہے۔

(مصباح اللغات، مادہ: نبر، ص: ۸۴۸، ۸۴۹، قدیمی: کراچی)

نَمْلَةٌ

☆ نَمْلَةٌ : چیونٹی۔چیونٹی کو اس کے تَنَمُّل یعنی کثرتِ حرکت اور بعض کے بعض

میں داخل ہونے کی وجہ سے" نَـمُـلَة " کہا جاتا ہے۔علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

سُمِّيتْ نَملة لِتَنَمُّلِها و هو كثرةُ حركتِها و قلةِ قوائمها.

(إرشاد السارى، ص: ٢٢٥، ج: ٧)

" چیونٹی کا اس کے تَنَمُّل یعنی کثرتِ حرکت اور ٹانگوں کی کمی کی وجہ سے " نَمُلة " نام رکھا گیا۔"

واسط

☆ واسِط : شہر واسِط ـــــ جس کو" واسط الحجاج" کہا جاتا ہے اور جس کو امام محمد بن الحسن الشیبانی رحمۃ اللہ علیہ کی جائے پیدائش ہونے کا شرف حاصل ہے ـــــ کو واسِط اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ بصرہ اور کوفہ کے وسط: درمیان میں واقع ہے۔بصرہ اور کوفہ میں سے ہر ایک شہر واسط سے پچاس فرسخ یعنی ایک سو پچاس میل کے فاصلے پر ہے۔علامہ یاقوت الحموی (وفات:۶۲۶ھ) 'معجم البلدان' میں واسِط کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فأما تسميتها فلأنها متوسطة بين البصرة و الكوفة؛ لأن منها إلى كل واحدة منها خمسين فرسخاً.

(معجم البلدان، ص: ٤٣٥، ج: ٤، دار إحياء التراث العربى: بيروت)

☆☆☆☆☆

ما يتعلق بالامتيازات والأوليات

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی حیات کی قسم کھائی

☆ " سورة الحجر " میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝ [الحجر : ۷۲]

’’آپ کی حیات کی قسم! وہ اپنی مستی میں مدہوش تھے۔‘‘

اس آیت کریمہ میں رسول اللہ ﷺ کا بہت بڑا اعزاز ہے؛ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی حیات کی قسم کھائی ہے، آپ ﷺ کی حیات کے سوا کسی دوسرے کی حیات کی قسم نہیں کھائی ہے۔

و فی هذه الآية شرف نبيّنا محمد ، لأن اللّٰه تعالیٰ أقسم بحياته ، ولم يفعل ذلك لبشر سواه علیٰ ما نقل عن ابن عباس .

(إرشاد الساری ، کتاب التفسير ، سورة الحجر ، ص : ۳۲۹ ، ج : ۱۰ ، العلمية : بيروت)

قال البغوی : روی عن أبی الجوزاء عن ابن عباس قال : ما خلق اللّٰه نفسا اكرم عليه من محمد ﷺ ، و ما اقسم بحياة أحد إلا بحياته .

(التفسير المظهری ، ص : ۳۱۰ ، ج : ۵ ، رشيديه ، کوئٹه)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

’’اللہ تعالیٰ نے کوئی جان محمد ﷺ کی جان سے زیادہ اکرم و اشرف پیدا نہیں کی۔ اس نے آپ ﷺ کی حیات کے سوا کسی کی حیات کی قسم نہیں کھائی۔‘‘

☆☆☆☆☆

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ الخ کے یومِ نزول کی خصوصیت

☆ جس دن " اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا " [المائدة : ۳] کا نزول ہوا، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس دن پانچ عیدیں تھیں :

(۱) جمعہ کا دن تھا، جو ہفتہ کی عید ہے (۲) عرفہ کا دن تھا، جسے عید الاضحیٰ کے دن سے قرب کی وجہ سے روزِ عید کہا گیا (۳) یہود کی عید (۴) نصاریٰ کی عید (۵) مجوس کی عید۔ نہ اس دن سے قبل ان ملت والوں کی عیدیں اکٹھی ہوئی تھیں، نہ اس دن کے بعد اکٹھی ہوں گی۔

قال ابن عباس : كان ذلك يوم الجمعة خمسة أعياد : جمعة ، و عرفه ، و عيد اليهود ، و عيد النصارى ، و المجوس ، و لم تجتمع أعياد أهل الملل في يوم قبله و لا بعده .

(حجة الوداع و جزء عمرات النبى ﷺ ، ص : ۱۰۶ ، المجلس العلمى : ڈابھیل)

چار نسلیں صحابی

☆ حافظ ابوحاتم محمد بن حبّان البُستی رحمۃ اللہ علیہ (وفات : ۳۵۴ھ) حضرت ابوعتیق محمد بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہما کے ترجمہ میں فرماتے ہیں :

سلسلۂ نسب کی ایک لڑی میں منسلک چار اشخاص : ابوقُحافہ، ان کے صاحب

زادے ابو بکر الصدیق ، ان کے صاحب زادے عبد الرحمٰن بن ابی بکر اور ان کے صاحب زادے ابو عتیق محمد بن عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہم کو نبیٔ اکرم ﷺ کی رؤیت کا شرف حاصل ہے ، یعنی چار نسلیں صحابی ہیں ۔ یہ شرف ان کے علاوہ اس امّت میں یا دوسری امّت میں کسی کو حاصل نہیں ۔

و هؤلاء الأربعة فی نسق واحد لهم من النبی ﷺ رؤية ، أبو قحافة و ابنه أبوبكر و ابنه عبد الرحمن بن أبی بكر و ابنه أبو عتيق محمد بن عبد الرحمن ، و ليس هذا لأحد من هذه الأمة و غيرهم .

(تاريخ الصحابة الذين روى عنهم الأخبار ، ص : ۲۲۸ ، العلمية : بيروت)

علامہ ابن عبد البرّ مالکی رحمۃ اللہ علیہ (اصح قول کے مطابق ۳۶۸ - ۴۶۳ھ) حضرت خُفاف بن اِیماء رضی اللہ عنہما کے ترجمہ میں فرماتے ہیں کہ کہا جاتا ہے : خُفاف ، ان کے والد اِیماء اور دادا رَحَضَہ رضی اللہ عنہم کو نبیٔ کریم ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل ہے ۔

و يقال : إن لخفاف هذا و لأبيه إيماء و لجدّه رحضة صحبة ، كلّهم صحب النبیّ ﷺ .

(الاستيعاب ، ص : ۳۳ ، ج : ۲ ، العلمية : بيروت)

’ صحيح بخاری ‘ میں حضرت خُفاف رضی اللہ عنہ کی صاحب زادی ـــــ حمراء بنت خُفاف ، کما فی ’ الإصابة فی تمييز الصحابة ‘ فی ترجمة خُفاف ، ص : ٤٥٢ ، ج : ١ ـــــ کے متعلق ایک قصّہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد منقول ہے :

و اللّٰہ إنّی لأری أبا ھذہ و أخاھا قد حاصرا حِصناً زمانا ، فافتتحاہ ......

(صحیح بخاری ، کتاب المغازی ، باب غزوۃ الحدیبیۃ ، ص : ۵۹۹ ، ج : ۲ ، قدیمی: کراچی)

’’ اللہ کی قسم ! بلا شبہ وہ منظر میرے سامنے ہے کہ اس خاتون کے والد اور بھائی نے ایک مدت تک ایک قلعہ کا محاصرہ کیا ، پس اس کو فتح کرلیا......‘‘

حضرت خُفاف رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے — جو قلعہ کا محاصرہ کرنے اور اسے فتح کرنے میں اپنے والد صاحب کے ساتھ تھے — کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (۷۷۳-۸۵۲ ھ) فرماتے ہیں کہ اس قصّہ کا سیاق تقاضا کرتا ہے کہ وہ صحابی ہیں ۔ اب اگر علامہ ابن عبد البرّ مالکی رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا بات ثابت ہو، تو یہاں بھی چار نسلیں صحابی ہوں گی : رَحضَہ ، ان کے صاحب زادے اِیماء، ان کے صاحب زادے خُفاف اور ان کے حدیثِ بخاری میں مذکور صاحب زادے۔

اس صورت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کے خاندان میں چار نسلوں کے صحابی ہونے کا حافظ ابوحاتم ابن حبّان البُستی رحمۃ اللہ علیہ کا دعوی ٹوٹ جائے گا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہٗ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایسے حضرات ، جن کی چار نسلیں صحابی ہوں ، کا ذکر چاہے اس کا ثبوت ضعیف طریق سے ہو، جمع کیا ، تو دس مثالیں ہوگئیں ، ان میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما ہیں ، ان کے والد صاحب صحابی ہیں ، اس اعتبار سے حارثہ ، ان کے صاحب زادے زید ، ان کے

صاحب زادے اُسامہ اور ان کے صاحب زادے صحابی ہیں ؛ کیوں کہ واقدی نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ذکر کیا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں نکاح کیا اور آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں ان کے ہاں بچہ بھی پیدا ہوا۔

و قد جمعت من وقع له ذلك و لو من طريق ضعيف فبلغوا عشرة أمثلة ، منهم زيد بن حارثة و أبوه و ولده أسامة و ولد أسامة ، لأن الواقدى وصف أسامة بأنه تزوج فى عهد النبى ﷺ و ولد له .

(فتح البارى ، كتاب المغازى ، باب غزوة الحديبية ، ص : ٢٦٧ ، ج : ٩ ، دار طيبة : الرياض)

حضرت ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی خصوصیت

☆ مہلب بن ابی صفرہ رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے دریافت کیا کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو ''ذوالنورین'' کیوں کہا جاتا ہے؟

انھوں نے جواب دیا کہ ہماری معلومات کے مطابق کسی نبی کی دو بیٹیاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی کے نکاح میں نہیں آئیں ۔

یہی بات علامہ قسطلانی نے زین الدین العراقی رحمہما اللہ کے حوالے سے ذکر فرمائی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی دو صاحب زادیاں : دونور : حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہما یکے بعد دیگرے آپ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں ؛ اس لیے

آپ کو ''ذوالنورین'' کہا جاتا ہے۔

اس لحاظ سے نبی کی دو بیٹیوں کا یکے بعد دیگرے نکاح میں آنا یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خصوصیت ہے۔

وقيل للمهلب بن أبي صفرة : لم قيل لعثمان ذوالنورين ؟ قال : لأنه لم نعلم أحدا أسبل سترا على ابنتي نبي غيره .

(عمدة القاري ، كتاب فضائل الصحابة ، باب مناقب عثمان بن عفان أبي عمرو القرشي رضي الله عنه ، ص : ۲۰۱ ، ج : ۱٦ ، دار إحياء التراث العربي : بيروت)

'إرشاد الساري' میں ہے:

(**عثمان بن عفان**) بن أبي العاص بن أمية أمير المؤمنين الملقب بذي النورين ولا نعلم أن أحدا أرخى سترا على ابنتي نبي غيره قاله الحافظ الزين العراقي.

(إرشاد الساري ، كتاب الوضوء ، باب الوضوء ثلا ثا ثلا ثا ، ص : ۳۷۱ ، ج : ۱ ، العلمية : بيروت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا امتیاز

☆ مشہور صحابی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کوئی ''ابو ہریرہ'' کنیت والا نہیں۔

(عمدة القاري ، كتاب الإيمان ، باب الإيمان وقول النبي ﷺ بني الاسلام على

خمس، ص : ١٢٤ ، ج : ١)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا دوسرا امتیاز

☆ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ (۱۹۴ - ۲۵۶ ھ) نے ذکر فرمایا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے آٹھ سو (۸۰۰) تابعین نے روایات لی ہیں، تابعین کی اتنی بڑی تعداد نے کسی اور سے روایات نہیں لیں۔

(فتح الباری ، کتاب العلم ، باب کتابة العلم ، ص : ٢٥٠ ، ج : ١ ، دارالريان : القاهرة)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ ایک بلند آواز صحابی

☆ غزوۂ حُنَین کے موقع پر اسلامی فوج جب پسپا ہونے لگی، تو رسول اللہ ﷺ نے عمّ محترم حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”اے عباس! اصحابِ شجرہ کو آواز دو“۔ ’صحیح مسلم‘ کی روایت میں ہے:

و كان رَجُلاً صَيِّتاً.

(صحيح مسلم ، كتاب الجهاد و السِّيَر، باب غزوة حنين ، ص : ١٠٠ ، ج : ٢ ، قديمى : كراچى)

”آپ رضی اللہ عنہ بہت بلند آواز والے تھے۔“

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ (٦٣١ - ٦٧٦ ھ) فرماتے ہیں:

''حازمی نے 'المؤتلف' میں ذکر کیا ہے، کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ آخراللیل میں کوہِ '' سَلَع '' پر کھڑے ہوکر اپنے غلاموں کو پکارتے تھے، جو '' غَابَۃ '' میں ہوتے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی پُکار وہ غلام غابۃ میں سُن لیتے تھے، حالاں کہ جبلِ سَلَع اور غَابۃ کے درمیان آٹھ میل کا فاصلہ ہے۔''

(صحیح مسلم بشرح النووی ، ص : ۹۸ ، ج : ۱۲، العلمیۃ : بیروت ، تهذیب الأسماء واللغات ، ص : ۲۵۸ ، ج : ۱ ، العلمیۃ : بیروت نیز المغانم المطابۃ فی معالم طابۃ ، باب الغین ، ص : ۲۹۹ ، دارالیمامۃ : الریاض)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم فرماتے ہیں:

''شیخ محمد ذھنی رحمۃ اللہ علیہ اپنی ''تعلیق'' میں فرماتے ہیں، کہ کسی کتاب میں میری نظر سے گزرا، کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ درندے کو بکری پر حملہ سے روکنے کے لیے آواز لگاتے تھے، تو ان کی آواز سے درندے کا پِتّا پھٹ جاتا تھا۔''

(تکملۃ فتح الملهم ، ص : ۱۵۵ ، ج : ۳ ، مکتبۃ دارالعلوم : کراتشی)

حضرت عَفْراء رضی اللہ عنہا کی ایک خصوصیت

☆ مشہور صحابیہ حضرت عَفْراء بنت عُبید بن ثَعْلَبَہ النجّاریہ رضی اللہ عنہا کی یہ خصوصیت ہے کہ پہلے شوہر حارث سے ان کے پیدا ہونے والے تین بیٹے: مُعاذ، مُعَوِّذ، عَوْف اور حارث کے انتقال کے بعد بُکَیْر بن یَالِیْل اللیثی سے ان کے پیدا ہونے والے چار بیٹے: اِیاس، عاقل، خالد اور عامر رضی اللہ عنہم یہ ساتوں بیٹے غزوۂ

بدر میں شریک ہوئے۔ سات بیٹوں کی غزوۂ بدر میں شرکت کا شرف ان کے علاوہ کسی اور صحابیہ کو حاصل نہیں۔

(الإصابة فی تمییز الصحابة ، ص : ٣٦٤ ، ج : ٤ ، دارالفکر : بیروت)

ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا ایک اعزاز

☆ ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے اعزازات میں ہے کہ ان کے گھر کے سات افراد غزوۂ بدر میں شریک تھے:

(۱) ان کے والد حضرت عمر بن الخطاب

(۲) چچا حضرت زید بن الخطاب

(۳) شوہر حضرت خُنَیْس بن حُذافہ السہمی

(۴) ماموں حضرت عثمان بن مَظْعُون

(۵) ماموں حضرت عبداللہ بن مظعون

(۶) ماموں حضرت قُدامہ بن مظعون

(۷) ماموں زاد بھائی حضرت سائب بن عثمان بن مظعون

رضی اللہ عنہم وارضاھم

رسول اللہ ﷺ کے ردیف بننے والے حضرات

☆ ابن مندہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے تیں حضرات کے اسماء ذکر فرمائے ہیں، جن کو رسول اللہ نے سفر یا حضر میں ردیف بنایا: سواری پر پیچھے سوار فرمایا۔ 'فتح الباری بشرح صحیح البخاری' للحافظ ابن حجر رحمۃ اللہ میں ہے:

وقد أفرد ابن منده أسماء من أردفه النبی ﷺ خلفه، فبلغوا ثلاثین نفساً.

(فتح الباری، کتاب اللباس، باب إرداف الرجل خلف الرجل، ص: ٤٨٨، ج: ١٣، دار طیبة: الریاض)

علامہ شہاب الدین احمد بن محمد بن عمر خَفاجی حنفی رحمہٗ اللہ (وفات: ۱۰۶۹ھ) کی نقل کے مطابق ان کی تعداد چالیس اور بقول ملّا علی قاری رحمہٗ اللہ پینتالیس ہے۔ 'نسیم الریاض فی شرح الشفاء' للقاضی عیاض میں مذکور ردیف حضرات کے اسماء حسبِ ذیل ہیں:

(۱) ابوبکر الصدیق

(۲) ابو اِیاس

(۳) ابوالدرداء

(۴) ابوذر غِفَاری

(۵) ابوطلحہ زید بن سہل الانصاری

(۶) ابوھریرہ

(۷) اسامہ بن زید

(۸) اسامہ بن عمیر

(۹) آمنہ بنت ابی الصلت

(۱۰) ام حبیبہ الجُھنیہ

(۱۱) ثابت بن ضحاک

(۱۲) لیلۃ الاسراء میں بُراق پر جبریل علیہ السلام

(۱۳) حسن بن علی بن ابی طالب

(۱۴) حسین بن علی بن ابی طالب

(۱۵) خَوّات بن جُبیر

(۱۶) خولہ بنت قیس

(۱۷) زید بن حارثہ

(۱۸) زید بن ارقم

(۱۹) سلمہ بن الاکوَع

(۲۰) سُہیل بن بیضاء

(۲۱) شَرِید بن سُوید

(۲۲) صفیہ بنت حُیَیّ امّ المؤمنین

(۲۳) عثمان بن عفان

(۲۴) علی بن ابی طالب

(۲۵) عبداللہ بن جعفر

(۲۶) عبداللہ بن زبیر

(۲۷) عبد اللہ بن عباس

(۲۸) عقبہ

(۲۹) رسول اللہ ﷺ کے نواسے: حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے صاحب زادے علی

(۳۰-۳۱) غُلامَین مِن بنی هاشم

(۳۲) غلام مُطّلبی

(۳۳) فضل بن عباس بن عبد المطلب

(۳۴) قُثَم بن عباس بن عبد المطلب

(۳۵) قیس بن سعد

(۳۶) معاذ بن جبل

(۳۷) معاویہ

رضی اللہ عنہم وعن سائر الصحابۃ اجمعین

(نسیم الریاض ، ص : ۹۷ ، ج : ۲ ، اداره تالیفات اشرفیه : ملتان)

ملحوظہ:

'نسیم الریاض' کے مذکورہ نسخہ میں واقع ہوا ہے:

...... و زيد بن سهل رضى اللّٰه تعالىٰ عنه ☆ و أبو طلحة الأنصارى رضى اللّٰه تعالىٰ عنه ☆ .....

اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو الگ الگ صحابی ہیں، حالاں کہ یہ ایک ہی صحابی ہیں؛ لہذا عبارت اس طرح ہونی چاہیے تھی:

...... ☆ و زید بن سهل أبو طلحة الأنصاری رضی اللّٰه تعالیٰ عنه ☆......

اسلام میں سب سے پہلا لقب کس کا ہے؟

☆ حاکم ابوعبداللہ نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اسلام میں سب سے پہلا لقب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا گیا ہے (اور وہ لقب ''عتیق'' ہے)۔''

(معرفة علوم الحدیث، ص: ٦٠٠، مکتبة المعارف: الریاض)

منارہ نصب کرنے کی ابتداء کس نے کی؟

☆ منارہ نصب کرنے کی ابتداء ''ابرہہ تُبَّع بن الرائش'' نے کی تھی۔

(مستفاد از مصباح اللغات، ص: ٩١١، مادہ: نور)

منبر پر سب سے پہلے خطبہ دینے والے

☆ سب سے پہلے منبر پر خطبہ دینے والے حضرت ابراھیم خلیل اللہ علیہ السلام ہیں۔ 'المُصنَّف' لابن أبی شیبة میں ہے:

...... عـن سعد بن إبراهيم ، عن أبيه أنه قال : أول من خطب على المنابر إبراهيم خليل الله عليه السلام .

(المصنف لابن ابى شيبة ، حديث : ۳۲۴۹۳ ، ص : ۵۲۷ ، ج : ۱۶ و حديث : ۳۶۸۸۷ ، ص : ۵۱۵، ج : ۱۹ و حديث : ۳۷۱۹۴ ، ص : ۶۱۱ ، ج : ۱۹ ، دار قرطبة : بيروت)

یہ شعر سب سے پہلے کس نے کس کے لیے کہا؟

☆ عربی کا مشہور شعر ہے ؎

لیس على الله بمستنكر

أن يجمع العالَم فى واحد

''اللہ تعالیٰ پر دشوار نہیں ہے، کہ وہ جہاں بھر کی خوبیاں کسی ایک میں جمع کردیں۔''

یہ شعر سب سے پہلے رأس الشعراء ''ابونُواس حسن بن ھانی ء'' (۱۳۰ وقیل : ۱۴۵ــ۱۹۰ وقیل : ۱۹۵ وقیل :۱۹۶ اختاره العلامة الذهبى فى العبر فى خبر من غبر وقیل :۱۹۸ وقیل :۱۹۹ھ) نے دوسری صدی کے ربع آخر کی شخصیت ''فضل بن الربیع'' (وفات :۲۰۸ھ) کی مدح میں کہا تھا۔

ہاتھی پر سب سے پہلے سواری کرنے والا

☆ ’مجموعة الفتاوٰی‘ میں ہے:

سوال: اولاً بر فیل کدام شخص سوار شدہ است؟

جواب: باوجود تتبّع دریافت نہ شد؛ البتہ از حیاۃ الحیوان وجود فیل در زمانہ ذوالقرنین معلوم شدہ است۔

(مجموعة الفتاوی علیٰ ہامش خلاصة الفتاوی، کتاب الکراهية، ص: ٣٤٤، ج: ٤، رشيديه: کوئٹه)

(ترجمہ) **سوال:** سب سے پہلے ہاتھی پر کون سوار ہوا ہے؟

جواب: باوجود تلاش کے نہیں ملا؛ البتہ ’حیاۃ الحیوان‘ سے ہاتھی کا وجود ذو القرنین کے زمانے میں معلوم ہوا ہے۔

بندہ کہتا ہے:

ہاتھی کو سب سے پہلے تابع بنانے والا اور اس پر سواری کرنے والا اِفریدون بن اثفیان (یا اثغیان یا اثقابان) کو قرار دیا گیا ہے؛ چناں چہ ’البداية والنهاية‘ للحافظ ابن كثير میں ہے:

قيل: أول من ذلل الفيلة إفريدون بن أثفيان الذى قتل الضحاك قاله الطبرى.

و فى هامشه:

فى ابن الأثير: اثغيان وهو أول من ذلل الفيلة و امتطاها و نتج

للبغال .

و فی مروج الذهب ١/٢٣١ إفريدون بن اثقابان .

(البـداية و النهاية ، سبب قصد أبرهة بالفيل مكة ليخرب الكعبة ، ص : ٢١١ ، ج : ٢ ، دار إحياء التراث العربی : بيروت)

عرب میں شِکرَہ سے سب سے پہلے شکار کرنے والا

☆ عرب میں شِکرَہ پرندے کے ذریعہ سب سے پہلے شکار کرنے والا آدمی حارث بن معاویہ بن ثَور الکِنْدِی ہے۔ اس کے بعد اس پرندے سے شکار کرنا مشہور و عام ہوا۔

(فتح الباری ، ص : ٣٥٩ ، ج : ٧ ، دارالريان : القاهرة)

فائدہ:

اولیات کی معلومات کے لیے حسب ذیل کتب و رسائل کا مطالعہ مفید ہوگا:

(١) الأوائـل لـلإمـام أبـی بـكـر أحـمـد بـن عـمرو بن أبی عاصم الشيبانی

(٢) كتاب الأوائل للحافظ أبی القاسم سليمان أحمد الطبرانی

(٣) الأوائل لأبی هلال الحسن بن عبد اللّٰه بن سهل العسكری

(٤) الـوسائل فی مسامرة الأوائل للإمام جلال الدين عبدالرحمن السيوطی

ما یتعلق بالطائف

رزق کا ایک راستہ بند ہونے پر اس سے انفع راستہ کا کُھل جانا

☆ شیخ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ (۶۹۱ - ۷۵۱ھ) 'الفوائد' میں فرماتے ہیں:

" ''رزق'' اور ''اجل'' ایک دوسرے کے ساتھ جُڑے ہوئے ہیں۔ جب تک اَجَل یعنی زندگی باقی ہوتی ہے، وہاں تک رزق بھی آتا رہتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے رزق کے راستوں میں سے ایک راستہ بند کرتے ہیں، تو اپنی رحمت سے اس سے انفع راستہ کھول دیتے ہیں۔

دیکھیے! جب بچہ شکمِ مادر میں ہوتا ہے، تو خون جو اس کی غذا ہے، ایک راستہ سے یعنی ناف سے آتا ہے۔ جب بچہ ماں کے پیٹ سے نکل آتا ہے اور غذا کا وہ راستہ بند ہو جاتا ہے، تو اس کے لیے ماں کے پستان کے دو راستے کھول دیتے ہیں اور پہلے کی بہ نسبت زیادہ لطیف اور لذیذ غذا: خالص اور خوش گوار دودھ جاری فرما دیتے ہیں۔ جب شیرخوارگی کی مدت ختم ہو جاتی ہے اور دودھ چھڑانے کے ذریعے وہ دونوں راستے بند ہو جاتے ہیں، تو اس سے اکمل چار راستے کھول دیتے ہیں: دو طعام اور دو مشروب۔ دو طعام یعنی حلال جانوروں کا گوشت اور نبات، جس میں غلّہ جات بھی داخل ہیں اور سبزیاں بھی اور دو مشروب یعنی پانی اور دودھ، دیگر منافع و مَلاذ کے اضافہ کے ساتھ، کہ پانی اور دودھ کی مدد سے متعدِّد نفع بخش اور خوش ذائقہ چیزیں تیار کی جاتی ہیں۔

جب انسان مرجاتا ہے، تو یہ چاروں راستے منقطع ہو جاتے ہیں، لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کے لیے — اگر وہ سعید و نیک بخت ہو — آٹھ راستے کھول دیں

گے، وہ آٹھ راستے جنّت کے آٹھ دروازے ہیں، جس دروازے سے چاہے وہ داخل ہو جائے۔''

(الفوائد لابن القیم ، ص : ۸۷ ، ۸۸ ، دار الکتا ب العربی : بیروت)

اللّٰھم اجعلنا منھم ، آمین

مجرمین کے کردار اوران کی ہلاکت میں مناسبت

☆ گزشتہ زمانوں میں ہلاک ہونے والے جن مخصوص مجرمین کا قرآن مجید نے ذکر کیا ہے ، ان کی دنیوی ہلاکت اور ان کے کردار میں قدرے مناسبت جھلکتی ہے، مثلاً :

(۱) فرعون کہتا تھا:

﴿أَلَيْسَ لِي مُلْكُ مِصْرَ وَهَٰذِهِ الْأَنْهَارُ تَجْرِي مِن تَحْتِي﴾ [الزخرف : ۵۱]

''کیا مصر کی سلطنت میری نہیں ہے؟ اور (دیکھو!) یہ نہریں میرے (محل کے) پائیں میں بہ رہی ہیں ۔''

جب وہ ان نہروں کے ذریعہ فخر وغرور کرنے لگا، تو اللہ تعالیٰ نے نہروں کی جنس: ''بحر قلزم'' میں اسے غرق آب کیا۔

(۲) حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نوسو سال کے بعد جب اپنی قوم کے ایمان سے ناامید ہوگئے اور اس قوم کا حال یہ ہوگیا کہ ان کے محض فاجر اور کافر ہی اولاد پیدا ہوگی ، تو زمین کو ان سے پاک وصاف کرنا ضروری ہوگیا اور زمین کی

صفائی کے لیے طوفان ہی سب سے زیادہ موزوں ہے (جیسے قُربِ قیامت میں یاجوج ماجوج کی نعشوں سے زمین بھر جائے گی ،تو اس کی صفائی کے لیے طوفان ہی آئے گا)۔

(۳) قومِ ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو قتل کرنے کی غرض سے اپنے رفیق : قدار کو آواز دی ، اس نے آکر اونٹنی پر وار کیا اور اسے مار ڈالا ،تو اللہ تعالیٰ نے ان کو فرشتہ کے ایک نعرہ اور زور کی آواز سے ہلاک کردیا ، جیسا کہ سورة القمر: ۳۱ اور سورة الحاقة : ۵ میں بیان ہوا ہے۔ان کا اپنے رفیق کو آواز دینا اونٹنی کی ہلاکت کا سبب بنا،تو ان کو بھی زور کی آواز اور نعرہ سے ہلاک کیا گیا۔

(۴) قومِ عاد بہت ہی زیادہ قوت اور مالی فراوانی والی تھی ، بڑے کروفر اور ڈیل ڈول کی مالک تھی ۔اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق ارشاد فرمایا:

﴿ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ ﴾ [الفجر : ٦ ، ٧]

’’کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے پروردگار نے قوم عاد یعنی قوم ارم کے ساتھ کیا معاملہ کیا ،جن کے قد وقامت ستون جیسے تھے ،جن کی برابر شہروں میں کوئی شخص نہیں پیدا کیا گیا۔‘‘

اسی بل بوتے پر انھوں نے سرکشی کی ،تو اللہ تعالی نے ہَوا سے ، جو انتہائی لطیف ہوتی ہے ،ان قوت پر اترانے والوں کو نشانِ عبرت بنا دیا۔

(۵) حضرت لوط علیہ السلام کی قوم نے عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے ساتھ شہوت رانی کے ذریعہ وضع کو الٹا ،تو جزاء مِن جنس العمل کے طور پر اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کی بستیوں کو الٹ دیا۔

(٦) کعبۃ اللہ کو ڈھانے کے ارادے سے بڑی تعداد پر مشتمل ابرہہ کا مسلّح لشکر جب اپنے ساتھ سب سے قوی حیوان : ہاتھیوں کو لے کر آیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر سب سے کمزور مخلوق : پرندوں کو مسلط فرمایا:

﴿ وَأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ ۝ تَرْمِيهِم بِحِجَارَةٍ مِّن سِجِّيلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ ۝ ﴾

[الفيل : ٣ ، ٤ ، ٥]

"اور ان پر غول کے غول پرندے بھیجے ، جو ان لوگوں پر کنکر کی پتھریاں پھینکتے تھے، سو اللہ تعالیٰ نے اُن کو کھائے ہوئے بُھوسہ کی طرح (پامال) کر دیا۔"

(ماخوذ از أضواء البيان في إيضاح القرآن بالقرآن ، ص : ٢٧٠ ، ٢٧١ ، ج : ٦ ، العلمية: بيروت)

حضرات شیخین اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کا ایک لطیفہ

☆ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) فرماتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ شیخین (: حضرت ابوبکر اور حضرت عمر) رضی اللہ عنہما کے درمیان جا رہے تھے اور قد طویل نہ تھا اور شیخین رضی اللہ عنہما کشیدہ قامت تھے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

عليٌّ بيننا كَالنّون بينَ لَنَا .

"علی ہمارے درمیان ایسے ہیں، جیسے "لنا" میں نون ."

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لَوْلَا کُنْتُ بَیْنَکما لَکُنْتُما لَا .

”اگر میں تمھارے درمیان نہ ہوتا، تو تم ”لا“ ہوتے (یعنی معدوم ہوتے)۔“

(ملفوظات حکیم الامت، ص: ۴۰۵، ۴۰۶، ج: ۲۶ نیز ص: ۲۵۵، ج: ۱۱)

لَا یَحْطِمَنَّکُمْ سُلَیْمٰنُ وَجُنُوْدُہٗ

☆ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے سابق استاذ حضرت مولانا شاہ حلیم عطا صاحب سَلُونی رحمۃ اللہ علیہ (وفات: ۱۳۷۵ھ) رائے بریلی کے قصبہ ”سَلُون“ کے رہنے والے تھے، ان کو قرآن مجید بڑا پختہ اور مستحضر تھا۔ جب چاہتے، جہاں سے چاہتے، سنا دیتے تھے۔ اس استحضار اور قرآنی ذوق کی وجہ سے وہ بڑی بر موقع آیات پڑھتے۔ کبھی کبھی بڑا لطیف مزاح فرماتے اور قرآنی آیات یا قدیم اَبیات کے پردے میں بڑی حقیقت کہہ جاتے۔

ایک مرتبہ وہ دار العلوم ندوۃ العلماء کے مہمان خانہ میں ٹھہرے ہوئے تھے، ان کے رہنے اور سونے کی کوئی اور موزوں جگہ نہ تھی۔ حضرت مولانا سیّد سلیمان ندوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۰۲ - ۱۳۷۳ھ) جو ہمیشہ مہمان خانہ میں ٹھہرتے تھے، تشریف لانے والے تھے۔ ان کی آمد آمد سُن کر دفترِ اہتمام نے کئی مرتبہ اشارتاً پھر صراحتاً شاہ صاحب سے کہا، کہ وہ کہیں دوسری جگہ منتقل ہو جائیں؛ اس لیے کہ مہمان

خانہ میں سیّد صاحب اور ان کے رفقاء کا قیام رہے گا، شاہ صاحب کو کسی قدر گرانی ہوئی۔ ایک دن مفکّرِ اسلام حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی میاں صاحب نور اللہ مرقدہ وغیرہ سے فرمانے لگے، کہ آج کل یہ آیت میرے حسبِ حال ہے:

﴿يَاأَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسَاكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُنُودُهُ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ﴾
[النمل : ۱۸]

''اے چیونٹیو! اپنے اپنے سوراخوں میں جا گھسو، کہیں تم کو سلیمان اور اُن کا لشکر بے خبری میں نہ کچل ڈالیں۔''

(پرانے چراغ، ص: ۲۶۸، ج: ۱)

كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ

☆ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے سابق معتمدِ تعلیم حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۴۴ - ۱۴۲۶ھ) اپنے زمانۂ تدریس میں درجہ میں گئے اور دیکھا، کہ طلبہ ابھی تک نہیں آئے ہیں، اسی اثناء میں جب وہ طلبہ کے انتظار میں کھڑے تھے، حضرت مولانا شاہ حلیم عطا صاحب سَلُونی رحمۃ اللہ علیہ (وفات: ۱۳۷۵ھ) تشریف لائے۔ شاہ صاحب ان کے استاذ تھے اور شاہ صاحب نے ان کا دور طالب علمی بھی دیکھا تھا اور وہ جانتے تھے، کہ ہر دَور کے طالب علم ایک ہی طرح کے ہوتے ہیں۔ مولانا عبداللہ عباس صاحب نور اللہ مرقدہ نے ان سے طلبہ کی بد شوقی اور کم ہمّتی کی شکایت کی، شاہ صاحب نے برجستہ فرمایا:

﴿كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللهُ عَلَيْكُمْ﴾ [النساء : ٩٤]

’’پہلے تم بھی ایسے ہی تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا۔‘‘

(پرانے چراغ، ص: ۲۶۸، ۲۶۹، ج:۱)

☆ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) فرماتے ہیں:

’’(بچپن میں) ہم دونوں بھائی کھیل رہے تھے، گھوڑا بنایا تھا۔ حافظ جی کو دیکھ کر روح فنا ہوگئی، کچھ کیا کہا تو نہیں، بس پکڑ کر دروازہ میں لے گئے، کہا: بڑی بی! دیکھ لو صاحب زادے۔ اس وقت تائی زندہ تھی، فرمانے لگی: جب تم اس عمر کے تھے، ایسے ہی تھے۔ ﴿كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللهُ عَلَيْكُمْ﴾. آپ ہنس کر چلے گئے۔‘‘

(ملفوظات حکیم الامت، ملفوظ: ۲۰۸، ص: ۹۲، ۹۳، ج: ۱۵)

فِعلی مُعِمّا

☆ ’’مُعِمّا‘‘ کو جسے چیستاں اور پہیلی کہا جاتا ہے، فقہاء ” إلغاز “، اہلِ فرائض ” مُعایاة “ اور نُحاة ” أُحْجِيَّة “ ج أَحَاجِيّ کہتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو: التراتيب الإدارية، ص: ۲۳۲، ج: ۲)

معمّا کبھی قولی ہوتا ہے اور کبھی فعلی۔ قولی معمّے تو مشہور ہیں، ذیل کی حکایت میں فعلی معمّا پڑھیے:

امیر خسرو رحمہ اللہ (۶۵۱ - ۷۲۵ھ) معما سازی میں مشہور تھے، ان کے

یہاں کا ایک آدمی ملاّ جامی رحمہٗ اللہ (۸۱۷ - ۸۹۷ و قیل ۸۹۸ ھ) کے پاس آیا۔ ملاّ جامی نے اس سے دریافت فرمایا کہ تمھارے پاس امیر خسرو کا کوئی معمّا ہے؟ اس نے پوچھا: آپ کس نوع کا معمّا چاہتے ہیں، قولی یا فعلی ؟ ملا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے پہلے فعلی معمّا سُنا نہیں تھا؛ اس لیے جواب دیا کہ فعلی۔ وہ آدمی کھڑا ہوا، پھر رکوع کرنے والے کی سی ہیئت اختیار کی ، پھر اپنی ڈاڑھی کو جھاڑا، تو ملاّ جامی مسکرائے اور فرمایا: تمھاری مراد ''ادریس'' ہے؟ کہا: ہاں !

اس معمّا کا حل یہ ہے کہ اس آدمی کا کھڑا ہونا " ا " (الف) ، رکوع کی ہیئت اختیار کرنا " د " (دال) اور ڈاڑھی جھاڑنا ''ریس'' کی طرف اشارہ تھا۔ ڈاڑھی کو فارسی میں ''ریش'' کہا جاتا ہے ، تو ڈاڑھی جھاڑ کر نقطوں کے حذف کی طرف اشارہ کیا، ''ریس'' ہوگیا، اس طرح ''ادریس'' بن گیا۔

(ماخوذ از فیض الباری علی صحیح البخاری للعلامۃ الکشمیری، ص : ۲۲۱ ، ج : ٤ ، المجلس العلمی : ڈابھیل)

'ملفوظات حکیم الامت' میں اس طرح ہے:

(حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ نے) فرمایا کہ:

''خسرو رحمۃ اللہ علیہ'' اور ''مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ'' معلوم ہوتا ہے، کہ ہم عصر تھے۔ خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کو، جس کا نام ''ادریس'' تھا، مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھیجا اور فرمایا کہ اگر تمھارا نام پوچھیں، تو تم پہلے کھڑے ہو جانا،

پھر رکوع کرنا، پھر ڈاڑھی سے پانی چھڑک دینا؛ چناں چہ جب وہ گئے، مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے نام دریافت کیا، انھوں نے ایسا ہی کیا، مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ بہت ذہین تھے، فوراً کہہ دیا کہ ''ادریس'' ہے۔

(ملفوظات حکیم الامت، ص: ۲۰۷، ۲۰۸، ج: ۲۶، ادارہ تالیفات اشرفیہ: ملتان)

بندہ کہتا ہے:

امیر خسرو اور مولانا جامی رحمہما اللہ دونوں ہم عصر نہیں تھے۔ امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کی وفات اور مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت کے درمیان تقریباً بانوے (۹۲) سال کا فاصلہ ہے۔ اس اعتبار سے امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کا مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کسی شخص کو بھیجنا ناممکن ہے؛ البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کے علاقے کا کوئی آدمی ہو، جو ان کے معمّوں سے واقف ہو، وہ مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا ہو، پھر وہ واقعہ پیش آیا ہو، جو 'فیض الباری' کے حوالے سے ماقبل میں مذکور ہوا۔

ایک لفظی لطیفہ

☆ ایک مرتبہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس اللہ سرہ (۱۲۴۸ - ۱۲۹۷ھ) کی مجلس میں کچھ مٹھائی تقسیم ہو رہی تھی، مولوی محمد فاضل صاحب پھلتی مٹھائی تقسیم کر رہے تھے، اخیر میں کچھ بچ گئی، تو مولانا فرماتے ہیں:

اَلْفَاضِلُ لِلْقَاسِمِ.

کیا عجیب لطیف جملہ ہے، جس کے چند معنی ہو سکتے ہیں:

ایک یہ کہ بچا ہوا بانٹنے والے کا ہے۔

دوسرے یہ کہ بچا ہوا مسمّٰی بہ قاسم کا ہے، یعنی میرا ہے۔

تیسرے یہ کہ مسمّٰی بہ فاضل مسمّٰی بہ قاسم کے لیے ہیں۔ لام تخصیص کا ہے، یعنی ایک دوسرے کے لیے مخصوص ہے (مولوی فاضل صاحب مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے خاص مخلص شاگرد تھے)۔

چوں کہ مجلس بے تکلّفی کی تھی اور مولانا نے مزاح کا موقع دے دیا تھا، تو مولوی فاضل صاحب نے بھی لطیفہ کا جواب دیا، کہا:

اَلْفَاضِلُ لِلْفَاضِلِ، وَ الْقَاسِمُ مَحْرُوْمٌ.

اس کے بھی چند معنی ہو سکتے ہیں:

ایک یہ کہ بچا ہوا مسمّٰی فاضل کا ہے، یعنی میرا اور مسمّٰی بہ قاسم محروم ہیں، یعنی آپ۔

دوسرے یہ کہ بچا ہوا اس شخص کا ہے، جو فاضل ہے، یعنی مولانا اور بانٹنے والا محروم ہے، یعنی میں۔

(خطبات حکیم الامت، ص: ۲۱۵، ۲۱۶، ج: ۱۴)

لطیفہ

☆ امام خطّابی رحمۃ اللہ علیہ (۳۱۹ھ-۳۸۸ھ) نے 'تفسیر اللغۃ التی فی

مختصر المزنی ' کے باب الشفعة میں ذکرفرمایا ہے:

'' مجھے ابراھیم بن السری الزّجّاج النحوی کے متعلق یہ بات پہنچی ہے، کہ ان کا خیال تھا کہ حرف صاد (ص)جس حرف کے ساتھ بھی آئے ،سین (س) میں تبدیل ہو جائے گا؛ کیوں کہ صاد اورسین قریب المخرج ہیں ۔ ایک دن موصوف علی بن عیسیٰ الوزیر کے پاس آئے ، اس مسئلہ میں ان دونوں کا مذاکرہ ہوا ، دونوں نے ایک دوسرے کی رائے سے اختلاف کیا اور زَجّاج صاد کی سین سے تبدیلی کے اپنے نظریہ پراڑے رہے۔

اس واقعہ پرتھوڑا ہی عرصہ گزرا، کہ زَجّاج کوکسی گورنر کے پاس سفارشی خط کی ضرورت پیش آئی ، وہ علی بن عیسی الوزیر کے پاس آئے اور خط لکھ دینے کی درخواست کی ۔ جب علی بن عیسی خط کے آغاز میں تمہیدی بات تحریر کرتے ہوئے زَجّاج کے ذکر پر پہنچے،تو لکھا کہ ابراھیم بن السری ہمارے "اَخَسّ" : رذیل ترین (دینی) بھائیوں میں سے ہیں ۔ زَجّاج بولے : اے وزیر! میرے بارے میں اللہ سے ڈریے ۔علی بن عیسی الوزیر نے کہا:" اَخَسّ " سے میری مراد "اَخصّ" : مخصوص ترین ، ہی ہے اور یہ آپ ہی کی لغت ہے، اب آپ غور کرلیں ، اگرآپ اس لغت سے رجوع کرتے ہیں ،تو ٹھیک ہے ، ورنہ میں خط کو اس میں جس طرح لکھا ہے، اسی طرح بھیج دوں ۔ زَجّاج نے کہا : اے وزیر! میں نے رجوع کر لیا ، لہذا حرف درست کردو:''س'' کی بجائے''ص'' لکھ دو؛ چناں چہ حرف درست کر دیا۔''

(أعلام الحديث للخطابی تحت عنوان : آثار الإمام الخطابی العلمية ، ص : ٤١ ، جامعة أم القرى : مكة المكرمة)

كُلُّ جَدِيدٍ لَذِيذٌ

☆ (حجۃ الاسلام حضرت) مولانا محمد قاسم صاحب (نانوتوی قدس سرہ (۱۲۴۸ - ۱۲۹۷ھ)) اُمراء کو دال ساگ وغیرہ کھلاتے تھے اور غرباء کو گوشت، گھی وغیرہ۔ کسی نے سوال کیا، کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ تو اصلی وجہ تو اور تھی (حاشیہ میں ہے: کہ غرباء محبوب ہیں، یہاں تک خود حضور ﷺ نے ایک دعاء کی ہے: اللّٰھم أحیني مسکینا، و أمتني مسکینا، واحشرني في زمرة المساکین یوم القیامة. (الکتب الستة، جامع الترمذی، أبواب الزهد، باب ما جاء أن فقراء المهاجرین یدخلون الجنة قبل أغنیائهم، حدیث: ۲۳۵۲، ص: ۱۸۸۸، دارالسلام: الریاض) جامع ملفوظات) مزاحاً فرمایا: مہمان کو لذیذ کھانا کھلانا چاہیے اور کُلُّ جدیدٍ لذیذ اِن کے لیے یہ جدید ہے اور اُن کے لیے وہ جدید۔

(ملفوظات حکیم الامت، ص: ۳۰۷، ج: ۲۵ نیز ص: ۲۳۰، ج: ۲۴)

انسان جنس ہے اور اس کا ہر فرد نوع

☆ (حضرت) مولانا محمد یعقوب صاحب (نانوتوی) رحمہٗ اللہ (۱۲۴۹-۱۳۰۲ھ) فرماتے تھے:

انسان کے اَفراد میں اس قدر اختلاف ہے، کہ اس کی وجہ سے انسان جنس

ہےاوراس کا ہرفرد ایک نوع ہے، جومنحصر فی الفرد ہے۔

(ملفوظات حکیم الامت، ص: ۴۱۳، ج: ۲۶)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) نے ارشادفرمایا:

جتنے حیوانات دنیا میں ہیں، ان کے افراد میں قوت و استعداد کے اعتبار سے کمی بیشی ہوتی ہے۔بعض دفعہ ایک فرد اتنا قوی ہوتا ہے کہ دو کا کام کرلے،بعض اس سے بھی زیادہ چار، چھ یا آٹھ، دس فرد کا کام پورا کرلے۔ایک گھوڑا چار گھوڑوں کا کام پورا کرلے، یا ایک گدھا چار گدھوں کا بوجھ اٹھا لے۔اس طرح تمام حیوانات کے افراد میں تفاوت اور تفاضل ہر شخص جانتا ہے؛ مگر یہ تفاوت اور تفاضل نوع انسانی میں تمام انواع سے اتنا زیادہ ہے، کہ اس کی کوئی حد نہیں۔ایک انسان سو آدمیوں کا اور دوسرا ایک انسان ہزار؛ بل کہ لاکھ آدمیوں کا کام اکیلا انجام دے سکتا ہے۔ حدیث میں یہ قصہ معروف ہے، کہ فرشتوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پورے عالَم کا موازنہ کیا،تو آپ کی ذات سب پر بھاری رہی، اس سے معلوم ہوا، کہ انسان کا ایک فرد سارے عالَم کے برابر یا اس سے بڑھ کر بھی ہوسکتا ہے؛ اسی لیے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب (نانوتوی) رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۴۹-۱۳۰۲ھ) فرمایا کرتے تھے:

’’درحقیقت انسان ایک نوع نہیں؛ بل کہ جنس ہےاورنوع انسان کے افراد جن کو حکماء افراد کہتے ہیں، درحقیقت افراد نہیں، انواع ہیں۔گویا انسان کا ہرفرد ایک مستقل نوع ہے؛ مگر منحصر فی فرد واحد، یعنی ایسی نوع ہے، کہ اس کا فرد صرف ایک

ہی ہے۔''

(ملفوظات حکیم الامت، ص: ۲۳۲، ۲۳۳، ج: ۲۴، خطبات حکیم الامت، ص: ۱۴۸، ج: ۲۷)

دو لطیفے

☆ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) ارشاد فرماتے ہیں:

ایک مرتبہ طالب علمی کے زمانے میں ایک عیسائی مناظر انگریز دیوبند آیا۔ دیوبند کے اسٹیشن کے قریب ایک باغ ہے، وہاں اس کا قیام ہوا، میں خبر پاکر مناظرہ کے لیے وہاں پہنچا اور مناظرہ شروع ہوا۔ اسی اثنا میں (شیخ الہند) حضرت مولانا (محمود حسن صاحب) دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۶۸-۱۳۳۹ھ) کو علم ہوا، خیال ہوا کہ یہ ناتجربہ کار ہے اور عیسائی کہنہ مشق؛ اس لیے مناظرہ کے دوران میں تشریف لے آئے، اس وقت عیسائی مناظر تقریر کر رہا تھا، میرے جواب دینے کی نوبت نہ آئی تھی۔ مولانا نے مجھ سے فرمایا کہ میں گفتگو کروں گا۔ میں الگ ہو گیا اور عیسائی مناظر یہ کہہ رہا تھا کہ عیسی علیہ السلام ''کلمۃ اللہ'' تھے۔ مولانا نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ ''کلمہ'' کسے کہتے ہیں اور اس کی کتنی قسمیں ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام کون سی قسم میں داخل تھے؟ بس اس کے ہوش وحواس گم ہو گئے، بار بار یہی کہتا جاتا تھا کہ ''کلمہ'' تھے۔ مولانا فرماتے: کون سا کلمہ؟ کلمہ تو بہت قسم کا ہوتا ہے، تو کلمہ کی تعریف واقسام بیان کرو اور یہ بتاؤ کہ عیسیٰ علیہ السلام کس قسم کا کلمہ ہیں؟ جب نہیں بتلا سکا، تو اس کی

میم (: بیگم) نے خیمہ میں سے دیکھا کہ یہ جواب نہیں دے سکتا، تو ایک پرچہ لکھ کر مناظرہ بند کروایا۔ یہ عورتوں کے تابع ہوتے ہیں، مناظرہ چھوڑ کر چل دیا۔ (حضرت تھانوی قدس سرہ نے) مزاحاً فرمایا کہ یہ لوگ ''مادیات'' میں ہی چلتے ہیں، ''نریات'' میں خاک بھی نہیں چلتے۔

دیوبند ہی میں مدرسہ کے قریب ایک عیسائی آکر بیان کرنے لگا، میں خبر سن کر مناظرہ کے لیے تیار ہو گیا، اس نے انجیل ہاتھ میں لے کر مجھ سے سوال کیا کہ یہ کیا ہے؟ اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ کہے گا: انجیل ہے، پھر وہ کہتا کہ قرآن مجید بھی انجیل کو آسمانی کتاب کہتا ہے، پھر میں اس کا محرف ہونا ثابت کرتا، ایک بکھیڑا تھا۔ ایک صاحب آ گئے حکیم مشتاق احمد، وہ کہنے لگے کہ ایسے جاہلوں سے تم کیوں مناظرہ کرتے ہو؟ ان سے جاہل ہی نبٹتے ہیں اور صاحب خود مناظرہ کو تیار ہو گئے۔ وہ انجیل ہاتھ میں لیے ہوئے تھا ہی، ان سے بھی یہی سوال کیا کہ یہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ یہ ہے کدو۔ بے حد جھلایا کہ تم گستاخی کرتا ہے، تم توہین کرتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اس میں گستاخی اور توہین کی کیا بات ہے؟ ہم اپنے علم سے یہی کہتے ہیں کہ یہ کدو ہے۔ غالباً مقصود یہ ہوگا کہ جب منسوخ ہونے کے علاوہ ممسوخ ہے، تو مثل کدو کے معطل ہے۔ خیر یہ تو ایک لطیفہ تھا، باقی تتبع سے محقَّق ہو چکا ہے کہ علوم حقیقیہ مسلمانوں ہی کا حق ہے، دوسروں کو ان سے مَس بھی نہیں ہوتا، مزاحاً فرمایا: ہاں! مِس (: دوشیزہ) سے مَس ہوتا ہے۔

(ملفوظات حکیم الامت، ملفوظ: ۲۲۹، ص: ۱۵۳، ۱۵۴، ج: ۳)

☆☆☆☆☆

صرفی تعلیل سے متعلق ایک لطیفہ

☆ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نور اللہ مرقدہ (۱۳۳۳ - ۱۴۲۰ھ) فرماتے ہیں:

ہم چند اساتذہ نے جن میں مولانا مسعود عالم صاحب ندوی (وفات : ۱۳۷۳ھ)، شیخ محمد العربی المراکشی خاص طور پر قابل ذکر ہیں، عربی زبان کی تعلیم کا دارالعلوم (ندوۃ العلماء) میں ایک نیا تجربہ شروع کیا تھا، جس میں صَرف ونحو کی صِرف مشق کرائی جاتی تھی، قواعد و اصطلاحات کا طلباء پر بار نہیں ڈالا جاتا تھا۔ ایک دن (حضرت مولانا) سیّد (سلیمان ندوی) صاحب رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۰۲ - ۱۳۷۳ھ) درجۂ اول میں تشریف لے آئے، جہاں اس جماعت کا سبق ہو رہا تھا اور مولانا مسعود عالم صاحب ندوی پڑھا رہے تھے۔ سیّد صاحب نے طلباء سے کسی لفظ کی تعلیل پوچھی، طلبا نے غالبًا یہ لفظ بھی نہیں سنا تھا، وہ جواب نہیں دے سکے۔ سید صاحب نے مولوی مسعود عالم صاحب کی طرف دیکھا، انھوں نے کہا: صَرف کا گھنٹہ علی میاں کے پاس ہے۔ میری طلبی ہوئی، سید صاحب نے فرمایا: کیوں صاحب! آپ نے ان طلبہ کو تعلیل نہیں سکھائی؟ میں نے کہا کہ تعلیل تو آسانی سے ان کو سکھائی جا سکتی ہے؛ مگر یہ ایک سوال کرتے ہیں، جس کا میرے پاس جواب نہیں۔ فرمایا: کیا؟ میں نے عرض کیا کہ میں جب ان سے کہتا ہوں قَالَ اصل میں "قَوَلَ" تھا، واو متحرک، ماقبل اس کا مفتوح، واو کو الف سے بدل دیا، قَالَ ہو گیا، تو یہ پوچھتے ہیں کہ یہ کس زمانہ میں تھا اور عرب کب قَالَ کے بجائے قَوَلَ بولتے

تھے؟ میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں۔سید صاحب مسکرائے اور بات ختم ہوگئی۔

(پرانے چراغ، حاشیہ:۱،ص:۲۳،۲۴، ج:۱)
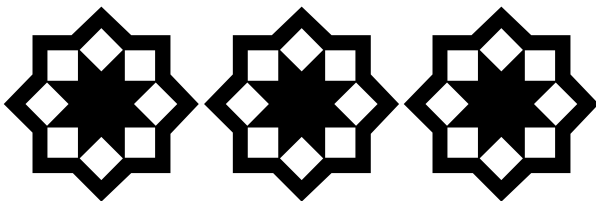
ما یتعلق بالعجائب والغرائب

حضرت عبداللہ بن عمرو اور ان کے والد رضی اللہ عنہما

☆ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصی (العاص) رضی اللہ عنہما اور ان کے والد حضرت عمرو بن العاصی (العاص) رضی اللہ عنہ کی پیدائش کے درمیان گیارہ سال کا اور بعض کے قول کے مطابق بارہ سال کا فاصلہ ہے۔

(صحیح مسلم بشرح النووی ، ص : ۷۳ ، ج : ۱، العلمیة : بیروت ، العبرفی خبر من غبر للذهبی ، ص : ۵۳، ج : ۱ ، العلمیة : بیروت)

حضرت حسّان رضی اللہ عنہ

☆ شاعرِ اسلام حضرت حَسّان رضی اللہ عنہ، ان کے والد ثابت ، ثابت کے والد مُنذِر اور منذر کے والد حَرام : ان چاروں میں سے ہر ایک نے ایک سو بیس (۱۲۰) سال عمر پائی۔

(تهذيب الأسماء واللغات للنووی ، ص : ۱۵٦، ۱۵۷ ، ج : ۱، العلمیة : بیروت ، شرح البخاری للکرمانی ، ص : ۵۳ ، ج : ١٦ ، دار إحياء التراث العربی : بیروت)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا

☆ حضرت عُروہ بن زُبیر رحمہٗ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی

اللہ عنہا سو سال کی عمر پر پہنچی؛ لیکن اس عمر میں بھی نہ ان کا کوئی دانت گرا، نہ عقل میں کوئی فتور و خلل آیا۔

(تهذيب التهذيب ، ص : ٤٥١ ، ج : ١٠ ، دار الفكر : بيروت)

حضرت امّ قیس بنت محصن رضی اللہ عنہا

☆ حضرت امّ قیس بنت محصن رضی اللہ عنہا، جو حضرت عُکّاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کی ہم شیرہ ہیں، فرماتی ہیں:

میرا بیٹا وفات پا گیا، میں پریشان اور بے تاب ہوگئی، (اسی حالت میں) میں نے اس کو غسل دینے والے سے کہا:

لَا تَغْسِلِ ابنی بِالماءِ البارِدِ فَتَقْتُلَه .

”میرے بیٹے کو ٹھنڈے پانی سے غسل مت دینا، کہیں تو اس کو مار ڈالے گا۔“

یہ بات حضرت عُکّاشہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے ذکر فرمادی، تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَا لَها ، طَالَ عُمرُها .

”اُسے (امّ قیس کو) کیا ہو گیا؟ اس کی عمر دراز ہو۔“

راوی فرماتے ہیں:

فَلَا نَعْلَمُ امرأةً عمرتْ ما عمرتْ .

’’ہم کسی خاتون کونہیں جانتے ، کہ اس نے اتنی لمبی زندگی پائی ہو، جتنی امّ قیس رضی اللہ عنہا نے پائی ۔‘‘

(الإصابة فی تمييز الصحابة ، ص : ٤٨٦ ، ج : ٤ ، دارالفكر : بيروت)

رسول اللہ ﷺ کے چچاؤں میں سے ......

☆ رسول اللہ ﷺ کے چچاؤں میں سے چار نے اسلام کا زمانہ پایا ، ان چار میں سے دو نے اسلام قبول نہیں کیا ، اور دو نے قبول کیا ۔ جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا ، ان کے نام مسلمانوں کے ناموں کے منافی تھے، ایک ابو طالب جس کا نام عبد مناف تھا ، مناف ایک بُت کا نام تھا ، تو معنی ہوئے : مناف بُت کا بندہ ۔ دوسرا ابولہب ، جس کا نام عبد العُزّ ی تھا، عُزّ ی ایک مشہور بت تھا، تو معنی ہوئے عزّ ی بت کا بندہ۔ بخلاف ان چچاؤں کے جنھوں نے اسلام قبول کیا اور وہ حضرت حمزہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما ہیں۔

(فتح البارى ، ص : ٢٣٦ ، ج : ٧ ، دارالريان : القاهرة)

رسول اللہ ﷺ کے دانت مبارک کو شہید کرنے والے کی نسل میں پیدا ہونے والا ہر بچہ......

☆ ابن ہشام کی روایت کے مطابق غزوۂ اُحُد میں عُتبہ بن ابی وقاص نے رسول اللہ ﷺ کے رَباعی دانت مبارک کو شہید کر دیا تھا ــ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہٗ اللہ کی تحقیق کے مطابق دانت مبارک جڑ سے نہیں نکلا تھا ؛ بل کہ کرچ نکل گئی تھی ــ اسی وجہ سے عُتبہ بن ابی وقاص کی نسل میں پیدا ہونے والا ہر بچّہ جب سنِّ بلوغ کو پہنچتا ،تو وہ گندہ دہن ہو جاتا تھا یا اس کے ثنایا دانت ٹوٹ جاتے تھے ۔

(إرشاد الساری ، ص : ۱۱۹ ، ج : ۹ ، العلمية :بيروت ، فتح الباری، ص:٤٢٣ ، ج : ۷، دارالريان : القاهرة)

يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ

☆ امام محمد بن ادریس الشافعی رحمۃ اللہ علیہ (۱۵۰-۲۰۴ھ) فرماتے ہیں :

میں علم کی طلب میں مختلف علاقوں میں چکّر لگا رہا تھا ، اسی دوران میں یمن میں داخل ہوا ، مجھے کسی نے خبر دی کہ یہاں ایک عورت ہے ، جو درمیان سے نیچے ایک عورت ہے اور درمیان سے اوپر دو متفرق بدن ہیں ،جن کے چار ہاتھ ، دو سَر اور دو چہرے ہیں ، میں نے انھیں دیکھا ،تو وہ آپس میں جھگڑتی بھی ہیں ، ایک دوسرے کو طمانچے بھی مارتی ہیں اور آپس میں صلح بھی کر لیتی ہیں اور دونوں کھاتی پیتی ہیں ۔

پھر میں وہ بستی چھوڑ کر چلا گیا۔ میں کچھ عرصہ اس بستی میں دوبارہ جانے سے رُکا رہا— راوی محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکم کہتے ہیں کہ میرے خیال کے مطابق امام شافعی رحمہٗ اللہ نے فرمایا: دوسال رُکا رہا— پھر دوبارہ میرا اس بستی میں جانا ہوا، تو میں نے اس عورت کے متعلق (لوگوں سے) پوچھا، تو مجھے کہا گیا کہ ایک بدن کے بارے میں اللہ تعالیٰ آپ کی تعزیت کو اچھا کرے، میں نے کہا: اس کا کیا بنا؟ جواب ملا: ایک بدن کی وفات ہوگئی، تو اسے نیچے سے مضبوط رسّی سے باندھ کر اپنے حال پر چھوڑ دیا، یہاں تک کہ وہ پژمردہ ہوگیا، تو اسے کاٹ کر دفن کر دیا گیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے دوسرے بدن کو— جو زندہ تھا— بازار میں آمد و رفت کرتے ہوئے دیکھا۔

(حلیة الأولیاء، ص: ۱۲۷، ۱۲۸، ج: ۹، دارالفکر: بیروت)

☆ شیخ عبد الفتّاح ابو غُدّۃ رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۳۶-۱۴۱۷ھ) تحریر فرماتے ہیں:

ابو محمد عبد اللہ بن تویت بن الوران نے اپنے بھائی امیر ابو یعقوب ینتان بن تویت وغیرہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے:

’’ملثَّمین کے بطن: شاخ بنو نورت میں ایک سَر والے دو کامل بدن کی پیدائش ہوئی یعنی سوائے سر کے دونوں بدن کے مکمل اعضاء موجود تھے، سر ایک ہی تھا، جو دونوں بدن کا مشترک تھا، دونوں ایک عرصہ تک زندہ رہے، پھر ان میں سے ایک کی وفات ہوگئی اور دوسرا بوجھل ہوگیا، تو لوگوں نے مرے ہوئے جسم کو کاٹنا چاہا اور اس سلسلے میں فقہاء سے مشورہ کیا، تو ان سے کہا گیا کہ اسے چند روز صبر کرنا ہے؛ چناں چہ کچھ ہی مدّت میں دوسرے کا انتقال ہوگیا۔‘‘

ابو محمد نے کہا:

’’ہمارے زمانے میں اندلس میں دو سروالا بچّہ پیدا ہوا۔‘‘

ابن غَلَّاب السُّوسی اس مجلس میں موجود تھے، انھوں نے کہا:

’’ہمیں پتا چلا ہے کہ مَغْرِب (MOROCCO) میں ایک بچّہ پیدا ہوا، جس کا ایک سر ہے اور دو چہرے ہیں۔‘‘

ابو محمد عبداللہ بن تویت بن الوران فرماتے ہیں:

’’میں نے حمصِ اندلس میں ایک خاتون کو دیکھا، جس نے پہلی زچگی میں ایک، دوسری میں دو، تیسری میں تین، چوتھی میں چار، پانچویں میں پانچ، چھٹی میں چھ اور ساتویں میں سات بچے ایک ساتھ جنے۔ بالآخر اس کی صحت نے جواب دے دیا اور قریب بہ ہلاکت ہوگئی؛ اس لیے اپنے شوہر سے باز رہی اور اس معاملے میں ساتھ دینے سے انکار کردیا۔‘‘

اس طرح اس خاتون نے سات (۷) بُطون میں اٹھائیس (۲۸) بچّے جنے۔

’طبقات ابن سعد‘ ۷ : ۱۹۳ میں امام الرُّؤیا والتعبیر محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ (۳۳-۱۱۰ھ) کے ترجمہ میں لکھا ہے:

’’محمد بن سیرین کے ہاں ایک بیوی سے مختلف بطون میں تیس (۳۰) بچّے پیدا ہوئے، جن میں سے سوائے ’’عبداللہ‘‘ کے کوئی زندہ نہ رہا۔‘‘

قاضی ابن خَلِّکَان نے ’الوَفیَات‘ ۱:۴۵۳ میں محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ میں لکھا ہے:

’’محمد بن سیرین کے ہاں ایک بیوی سے تیس (۳۰) بچّے اور گیارہ (۱۱)

بچّیاں پیدا ہوئیں، ان میں سے سوائے ''عبداللہ'' کے کوئی زندہ نہ رہا۔''

اس طرح محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بیوی سے اکتالیس (۴۱) اولاد ہوئیں۔

(صفحات من صبر العلماء ، حاشیہ : ۱، ص : ۳۰،۳۱، دار البشائر الإسلامیة : بیروت)

☆ ابن قُتَیبہ (عبداللہ بن مسلم الدینوری) رحمہ اللہ(وفات : ۲۷۶ ھ) 'المعارف ' میں فرماتے ہیں :

بصرہ میں تین آدمی ایسے گزرے ہیں، جنہوں نے زندگی میں اپنی صلبی اولاد میں سے سو مذکر اولاد یعنی لڑکے دیکھے :

(۱) حضرت ابوبکُرہ رضی اللہ عنہ

(۲) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ

(۳) خلیفہ بن بدر

كان بالبصرةِ ثلاثةٌ ما ماتوا حتّى رأى كلُّ واحدٍ منهم مِن ولدِه مائةَ ذكر لصلبه : أبوبكرةَ و أنس و خليفةُ بنُ بدر .

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (۷۷۳-۸۵۲ ھ) فرماتے ہیں :

ابن قُتَیبہ کے علاوہ نے چوتھے کا اضافہ کیا ہے :

(۴) مھلب بن ابی صفرۃ

(فتح الباری، کتاب الدعوات، باب دعوة النبی ﷺ لخادمه بطول العمر و بکثرة ماله، ص: ۱۴۹، ج: ۱۱، دار الریان : القاهرة)

وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا

☆ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قُدِسَ سرُّہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) نے ایک اہلِ علم کے سوال کے جواب میں فرمایا:

.......اولاد کیسی دولت ہے، کہ اس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی دوسری چیز نہیں ہوتی، مجھ کو اس سے بھی محفوظ رکھا گیا، اگر اولاد ہوتی، تو نہ معلوم کیا کیا آفتیں ہوتیں۔

ایک مرتبہ حضرت حاجی (امداد اللہ) صاحب (مہاجر مکّی) رحمۃ اللہ علیہ نے میرے سامنے ایک تقریر فرمائی، کہ اولاد ہونے میں یہ کلفت ہوتی ہے، یہ پریشانیاں ہوتی ہیں، یہ خلجان ہوتے ہیں۔

سبب اس کا یہ ہوا تھا، کہ میری ایک خالہ ساس تھیں، انھوں نے حضرت حاجی صاحب سے میرے لیے اولاد ہونے کی دعا کرائی تھی۔ اس موقع پر حضرت نے مجھ سے فرمایا تھا، کہ بھائی! تمہاری خالہ نے تمھارے اولاد ہونے کی دعا کو کہا تھا، میں نے دعا تو کر دی، مگر جی تو یہی چاہتا ہے، کہ جیسا میں ہوں، ویسے ہی تم رہو، مطلب یہ تھا کہ اولاد نہ ہو، میں سمجھ گیا کہ اولاد نہ ہوگی؛ چناں چہ نہیں ہوئی، حتّٰی کہ جب میں نے دوسرا عقد کیا، ان کی عمر اولاد ہونے کی تھی، مگر عجب اتفاق ہے، کہ ان کو ڈاکٹرنی نے کہہ دیا تھا، کہ تم شادی مت کرنا، تمھارے لیے سخت مُضر ہے، اگر اولاد ہوئی، تو پھر تمھاری جان کی خیر نہیں۔ سو اولاد میرے لیے مُضر باطن بتلائی گئی اور ان کے لیے مضر ظاہر۔ سو شادی تو ہوئی، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی جان کی حفاظت فرمائی،

کہ ان سے بھی اولاد نہیں ہوئی۔ سو اولاد نہ ہونے میں ان کی مصالح جان کے تھے اور میرے مصالح ایمان کے۔

اور یہ سب کے لیے نہیں۔ یہی اولاد بعض کے لیے آلۂ بُعد ہو جاتے ہیں اور بعض کے لیے آلۂ قُرب ہو جاتے ہیں۔ اس کو حق تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں، کہ کس کے لیے سبب بُعد کا ہوں گے اور کس کے لیے سبب قُرب کا۔

(ملفوظات حکیم الامت، ملفوظ : ۱۱۰،۱۱۱، ص : ۹۸ ، ج : ۱، ادارہ تالیفات اشرفیہ : ملتان ، تاریخ اشاعت : جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ)

☆　حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (۷۷۳-۸۵۲ھ) 'تہذیب التہذیب' میں حضرت ابوسَلَمہ حمّاد بن سَلَمہ بن دینار البصری رحمۃ اللہ علیہ (وفات : ۱۶۷ھ) کے ترجمہ میں فرماتے ہیں :

شہاب بن معمر البلخی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، کہ حمّاد بن سَلَمہ رحمہٗ اللہ کو اَبدال میں سے شمار کیا جاتا تھا۔ اَبدال کی علامت یہ ہے، کہ ان کی اولاد نہیں ہوتی۔ حمّاد بن سَلَمہ نے مختلف اوقات میں ستّر (۷۰) عورتوں سے نکاح کیے، لیکن ان کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

(تهذيب التهذيب، ص : ٤٢٥، ج: ٢، دارالفكر : بيروت)

☆　حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ) نے اپنے استاد حضرت مولانا سیّد احمد صاحب رحمہٗ اللہ مدرس دارالعلوم دیوبند کی حکایت بیان فرمائی :

ان کے ماموں حضرت مولانا محبوب علی صاحب کے ہاں اولاد نہ ہوئی تھی، اس وجہ سے وہ مغموم رہتے تھے۔ مولانا سیّد احمد صاحب رحمہٗ اللہ بہت کم عمر تھے؛ مگر تھے بڑے ذہین۔ ماموں صاحب کو ایک روز مغموم دیکھ کر فرمایا: یہ غم کی کوئی وجہ نہیں؛ بل کہ خوشی کا مقام ہے؛ کیوں کہ جس شخص کے ہاں اولاد ہو، وہ من وجہٍ مقصود ہے، یعنی اپنے آباء کے اعتبار سے اور من وجہٍ مقدمہ ہے اپنے ابناء کے اعتبار سے اور جس کے ہاں اولاد نہیں، وہ محض مقصود ہے، کسی کا مقدمہ نہیں اور ظاہر ہے مقصود کا مرتبہ مقدمہ سے بڑھا ہوا ہے۔ ماموں صاحب مسرور ہو گئے۔

(ملفوظات حکیم الامت، ص: ۵۹، ج: ۲۶)

خادمِ قرآن وعربیت کے امام کی وفات کا عجیب قصّہ

☆ 'معانی القرآن الکریم' کے مصنف امام ابوجعفر احمد بن محمد بن اسماعیل مصری (وفات: ۳۳۸ھ) ہیں، جو چوتھی صدی کے خادمِ قرآن اور عربیت کے امام تھے۔ آپ نحّاس، ابن النحّاس اور صَفَّار کے لقب سے معروف ہیں۔ اس لقب کی وجہ یہ ہے، کہ ان کے آباء واجداد تانبے وپیتل کے برتن بنانے کا کام کرتے تھے، مگر خود ان کے بارے میں اس پیشے کی روایت منقول نہیں ہے۔

ان کی وفات کا عجیب قصہ ہے، کہ ایک دن وہ سیر وتفریح کی غرض سے دریائے نیل کے کنارے گئے اور مُستفعلن، فَاعِلُن، فَاعِلاتُن کی بحر پر طبع آزمائی کر رہے تھے، ایک عامی ان کے پاس سے گزرا اور اپنی ناسمجھی کی وجہ سے اس نے یہ

خیال کیا، کہ یہ کوئی جادوگر ہے، جو دریائے نیل پر جادو کر رہا ہے؛ تاکہ اس کا پانی منجمد ہوکر رہ جائے اور اس کی قیمت مہنگی ہو جائے، اس نے ان کے سینے پر لات ماری، اس طرح، کہ وہ دریا میں جا گرے اور غرق آب ہوگئے۔ رحمه اللّٰه تعالیٰ رحمة واسعة.

دو اندھوں میں صلح کرانے والا

☆ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ (۱۵۰-۲۰۴ھ) فرماتے ہیں:

میں یمن میں تھا، وہاں میں نے دو اندھوں کو آپس میں جھگڑتے دیکھا، (عجب یہ ہے کہ) ایک گونگا ان دونوں کے درمیان صلح کرا رہا تھا۔

(حلية الأولياء، ص: ۱۲۸، ج: ۹، دارالفكر: بيروت)

یہ عجائبات زمانہ میں سے ہے......

☆ ومن عجائب الدهر: أنه كان للشيخ ولى اللّٰه بن عبدالرحيم الدهلوى أربعة أبناء من بطن إرادة بنت السيد ثناء اللّٰه: أكبرهم عبدالعزيز ثم رفيع الدين ثم عبد القادر و أصغرهم عبد الغنى والد الشيخ إسماعيل الشهيد، فمات أصغرهم عبد الغنى أولاً ثم عبد القادر ثم رفيع الدين ثم أكبرهم عبد العزيز.

(نزهة الخواطر، ص: ۳۲۸، ج: ۷، طيب اكادمى: ملتان)

یہ عجائباتِ زمانہ میں سے ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمہٗ اللہ کے چار صاحب زادے ارادت خاتون بنت ثناء اللہ سے تھے، جن میں بڑے شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہٗ اللہ (ولادت : ١١٥٩ ھ) پھر شاہ رفیع الدین صاحب رحمہٗ اللہ (ولادت: ١١٦٣ ھ) پھر شاہ عبدالقادر صاحب رحمہٗ اللہ (ولادت : ١١٦٧ ھ) پھر سب سے چھوٹے شاہ عبدالغنی صاحب رحمہٗ اللہ (ولادت : ١١٧١ ھ)—جو مولانا اسماعیل شہید رحمہٗ اللہ کے والد — تھے؛ مگر سب سے پہلے چھوٹے بھائی شاہ عبدالغنی صاحب رحمہٗ اللہ (وفات : ١٢٠٣ و قیل : ١٢٢٧ ھ) کی وفات ہوئی، پھر ان کے بعد شاہ عبدالقادر صاحب رحمہٗ اللہ (وفات : ١٢٣٠ ھ) کی ، پھر شاہ رفیع الدین صاحب رحمہٗ اللہ (وفات : ١٢٣٣ ھ) کی ، پھر شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہٗ اللہ(وفات : ١٢٣٩ھ) کی وفات ہوئی۔

(تاریخِ دعوت وعزیمت ،ص: ٣٨٧ ، ج: ٥ ،مجلس نشریاتِ اسلام : کراچی)

یہ بھی عجائبات میں سے ہے..........

☆ یہ بھی عجائبات میں سے ہے کہ مندرجۂ ذیل تین علماء —— جن کا شمار حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ میں ہے —— جن میں کا ہر فرد عجوبۂ روزگار تھا ، ایک دوسرے سے ایک سال پہلے پیدا ہوا اور ایک سال پہلے دنیا سے سِدھارا، جیسا کہ علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ’ الضوء اللامع ‘ ص : ١٠٤ ، ج :

٦ اور ابن فہد مکی نے ذیل ’ تذکرة الحفاظ ‘ ص : ۲۰۰ میں ذکر کیا ہے :

(۱) عمر بن علی الانصاری الشہیر بابن الملقِّن ـــــ پیدائش :۷۲۳ھ، وفات :

۸۰۴ھ

(۲) عمر بن رسلان البلقینی ـــــ پیدائش :۷۲۴ھ، وفات :۸۰۵ھ

(۳) زین الدین العراقی ـــــ پیدائش :۷۲۵ھ، وفات :۸۰٦ھ

رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ

تاثیرِ خطابت

☆ مخاطب کو متأثر کرنے کا ایک قوی آلہ اور مضبوط ہتھیار ’’ خطابت ‘‘ بھی ہے۔ بسا اوقات فصیح و بلیغ مقرّر مخاطب کو اپنی غلط بات کا یقین دلا دیتا ہے اور مخاطب مقرر کی قوتِ خطابت سے متأثر ہو کر اس کو تسلیم کر لیتا ہے۔ حَجّاج بن یوسف (۴۱ - ۹۵ھ) ـــــ جو عبد الملک بن مروان کی طرف سے تین سال حجاز کا گورنر رہنے کے بعد تینتیس سال کی عمر میں عراق کا گورنر بنا اور بیس سال وہاں کا گورنر رہا (تهذيب الأسماء و اللغات للنووی ، ص : ۱۵۳ ، ج : ۱ ، العلمية : بيروت) ـــــ کے بارے میں حضرت مالک بن دینار رحمہٗ اللہ فرماتے ہیں :

ما رأيتُ أحداً أبينَ مِن الحجّاج ، إنه كان يرقى المنبر ، فيذكر إحسانَه إلىٰ أهل العراق و صفحَه عنهم و إساءتَهم إليه ، حتّى لأحسبه صادقاً و أظنّهم كاذبين ، مع أنه قَتَل منهم بِالصبرِ مائةً و عشرين ألفاً و تُوُفِّيَ

و فِی سجونِه خمسون ألفَ رجلٍ و ثلاثون ألفَ امرأةٍ .

(تاريخ الأدب العربی ، ص : ١٤١ ، اتحاد بکڈپو : دیوبند)

’’ میں نے حَجّاج سے زیادہ فصیح کسی کو نہیں دیکھا ، وہ منبر پر چڑھتا اور اہلِ عراق کے ساتھ اپنے حسن سلوک کا اور اپنی طرف سے ان کی معافیوں کا ذکر کرتا اور ان کی بدسلوکیاں بیان کرتا، تو مجھے بالکل ایسا لگتا کہ وہ سچّا ہے اور یہ سب جھوٹے ہیں ، حالاں کہ ان عراقیوں میں سے ایک لاکھ بیس ہزار آدمیوں کو اس نے قید کر کے مار ڈالا تھا اور جب مرا ہے، تو اس کے قید خانوں میں پچاس ہزار مرد اور تیس ہزار عورتیں تھیں !!!‘‘

عنبر: وہیل مچھلی

☆ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ ’’ عنبر‘‘ مچھلی کے متعلق از ہری سے نقل فرماتے ہیں کہ: ’’ عنبر‘‘ بڑے سمندروں میں ایک مچھلی ہوتی ہے، جس کی لمبائی پچاس ذِراع : ہاتھ کے برابر ہوتی ہے۔

(فتح الباری ، کتاب المغازی ، غزوة سيف البحر ، ص : ٥٠٧ ، ج : ٩ ، دار طيبة : الرياض)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم فرماتے ہیں :

مچھلی کی انواع میں جسامت کے اعتبار سے سب سے بڑی نوع عنبر: وہیل کی ہے۔ ’انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا‘ ۱۲:۶۱۴ میں ہے کہ اس کی لمبائی رفتہ رفتہ ۱ ۱/۳ میٹر (۴ ۱/۳ قدم) سے تیس میٹر (۱۰۰ قدم) تک ہوتی ہے اور اس کا وزن ۵۴ کلو گرام سے

۱,۳۶,۰۰۰ کلو گرام ہوتا ہے۔

(تکملة فتح الملهم ، ص : ۵۰۲ ، ج : ۳ ، مکتبة دارالعلوم کراتشی)

حضرت مولانا پیر ذوالفقار صاحب نقش بندی مدظلہم فرماتے ہیں:

”ہم سمجھتے تھے، یہ جو بڑی بڑی ”وہیل“ مچھلیاں ہوتی ہیں، یہ بڑی بڑی مچھلیوں کو کھاتی ہوں گی اور ٹنوں کے حساب سے یہ گوشت کھاتی ہوں گی، تب ان کا کام چلتا ہوگا؛ لیکن جب پڑھا تو پتا چلا کہ نہیں ! ان کی غذا پانی کے اندر چھوٹے چھوٹے ذرات ہیں، جو ہمیں آنکھ سے نظر بھی نہیں آتے، یہ پانی اپنے اندر لیتی ہیں اور وہ چھوٹے چھوٹے ذرات فلٹر کر کے پانی نکال دیتی ہیں، ذرات ٹنوں کے حساب سے ان کی غذا بن جاتے ہیں۔

ہم نے ایک مضمون پڑھا کہ جب بلو وہیل پیدا ہوتی ہے، تو اس کی زندگی میں ایسے دن آتے ہیں کہ ۵۰۰ کلو گرام اس کا وزن روزانہ بڑھتا ہے۔ اب بتایئے کہ جس کا فائیو ہنڈریڈ (پانچ سو) کلو گرام روزانہ وزن بڑھ رہا ہے، اس کی خوراک کتنی ہوگی؟ اور وہ خوراک کیا؟ جو ہمیں پانی میں نظر ہی نہیں آتی۔“

(عمل سے زندگی بنتی ہے، ص: ۱۹۵، ۱۹۶، مکتبۃ الحق: ممبئ)

بندہ کہتا ہے:

”وہیل مچھلی کی کُل اَنواع و اَقسام میں ماہرِ حیوانات کی تحقیقات جاری ہیں۔ اب تک کی دریافت کے مطابق ”وہیل“ کی کُل اَنواع واَقسام چھیاسی (۸۶) ہیں اور اس میں دو رائے نہیں، کہ ”وہیل“ کی اولاً دو قسمیں ہیں:

(۱) ٹوتھد وہیل (TOOTHED WHALE): جس کے منہ میں دانت ہوتے ہیں۔

(۲) بَلین وہیل (BALEEN WHALE) جس کو عامتاً وہیل بون وہیل (WHALEBONE WHALE) کہا جاتا ہے، اس کے اوپر کے جبڑے میں ایک پلیٹ ہوتی ہے، جس میں برش کے مانند بال لگے ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا پیر ذوالفقار صاحب نقش بندی مدظلہم نے آنکھوں سے نظر نہ آنے والے پانی کے اندر چھوٹے چھوٹے ذرّات کو جن وہیل مچھلیوں کی غذا بتلائی ہے، وہ ''بلین وہیل'' مچھلیوں کی غذا ہے، ورنہ ''ٹوتھد وہیل'' مچھلیوں کی غذا میں گوشت بھی داخل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

خرگوش

☆ کہا جاتا ہے کہ ''خرگوش'' نہایت بزدل ہوتا ہے، بہت شہوت والا ہوتا ہے، ایک سال مذکر اور ایک سال مؤنث رہتا ہے، اسے حیض آتا ہے، وہ آنکھ کھلی رکھ کر سوتا ہے۔

(فتح الباری، کتاب الذبائح و الصید، باب الأرنب، ص: ۵۷۸، ج: ۹، دارالریان: القاھرۃ)

ضَبُع : لگڑ بھگا

☆ امام کمال الدین دَمیْری رحمہٗ اللہ نے جاحظ ، زمخشری ، قزوینی اور ابن الصلاح کے حوالے سے نقل کیا ہے، کہ ''خرگوش'' کی طرح ''ضَبُع'': لگڑ بھگا ، بھی ایک سال نر رہتا ہے اور ایک سال مادہ۔

(حياة الحيوان ، ص : ٤٤٩ ، ج : ١)

ملحوظہ :

(۱) ''لگڑ بھگا'' اور ''بجّو'' دو الگ الگ جانور ہیں۔ بعض اردو لغات اور بعض اردو شروح میں ''ضَبُع'' کا ترجمہ ''بجّو'' سے کیا گیا ہے، اس سے کسی کو وہم ہوسکتا ہے کہ یہ ایک ہی جانور کے دو نام ہیں؛ حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔ ''بجّو'' کو عربی میں '' غُرَیْر '' کہا جاتا ہے۔ انگلش میں BADGER (باجر) کہتے ہیں اور ضَبُع کے معنی ہیں: لگڑ بھگا، لکڑ بگھا، لگڑ بھگڑ، لگڑ بگڑ۔ اس کا اسم جنس ''ضِبَاع'' ہے۔ انگلش میں اسے HYENA (ھیینا) کہا جاتا ہے۔

(۲) ماہرین حیوانات کی تحقیق کے مطابق دنیا میں ضَبُع یعنی لگڑ بھگا کی چوبیس (۲۴) اقسام تھیں، اب ان میں سے چار (۴) ہی قسمیں پائی جاتی ہیں۔ ان میں سے ضبع رقطاء: خال دار لگڑ بھگا کے متعلق لوگوں کا کہنا تھا، کہ وہ خرگوش کی طرح ایک سال نر رہتا ہے اور ایک سال مادہ؛ لیکن دور حاضر کے ماہرین حیوانات خرگوش میں بھی جنس کی تبدیلی کی نفی کرتے ہیں اور لگڑ بھگا میں بھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ہُما پرندہ اور گِدھ کی عمر

☆ صاحب مَبَارِقُ الازھار ابن المَلک (بفتح اللام) رحمہ اللہ 'مُنْیَۃُ الصَّیّادِین' ص: ۵۴، ۵۵ میں فرماتے ہیں:

''کہا جاتا ہے کہ باز (شکاری پرندہ) تین سال سے زیادہ زندہ نہیں رہتا ......اور ہُما پرندہ ایک ہزار سال زندہ رہتا ہے۔''

''ہُما'' کے متعلق 'فیروز اللغات' میں لکھا ہے کہ ایک مشہور خیالی پرندہ ہے، جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ جس کے سر پر سے گزر جائے، وہ بادشاہ ہو جاتا ہے؛ لیکن 'المعجم الوسیط' ص: ۹۹۶، ج: ۲ میں اس کے معنی "عُقاب" لکھے ہیں، جو ایک طاقت ور اور بلند پرواز شکاری پرندہ ہے۔

'حیاۃ الحیوان' للدَّمِیْرِی، ص: ۳۴۸، ج: ۲ میں ''گِدھ'' کے متعلق لکھا ہے کہ وہ طویل العمر پرندہ ہے، ایک ہزار سال زندہ رہتا ہے۔

سُرسُری اور سانڈا

☆ ''سُرسُری'' — جو سُرخ رنگ کا ایک کیڑا ہے اور اناج میں لگ جاتا ہے — بالکل پانی نہیں پیتی اور ''سانڈا'' جو گوہ کی قسم کا ایک جانور ہے، نہ کھانا کھاتا ہے نہ پانی پیتا ہے، صرف ہَوا اس کی غذا ہے۔

(خطبات حکیم الامت، ص: ۳۲۹، ۳۳۰، ج: ۱۸)

گوہ

☆ حسین بن احمد المعروف بہ ابن خالویہ (وفات: ۳۷۰ھ) نے ذکر کیا ہے کہ ’’گوہ‘‘ سات سو سال زندہ رہتی ہے، وہ پانی نہیں پیتی، چالیس دن میں ایک قطرہ پیشاب کرتی ہے، اس کا دانت نہیں گرتا، کہا جاتا ہے کہ اس کے سارے دانتوں کا مجموعہ درحقیقت ہڈی کا ایک ہی ٹکڑا ہوتا ہے۔

دوسروں نے ذکر کیا ہے کہ ’’گوہ‘‘ پانی پر نہیں آتی، یعنی پانی نہیں پیتی؛ بل کہ بادِ نسیم اور ہوا کی خُنکی اور ٹھنڈک پر اکتفاء کرتی ہے، موسمِ سرما میں اپنے بِل سے باہر نہیں نکلتی۔

(فتح الباری، کتاب الذبائح و الصید، ص: ۵۸۰، ج: ۹، دارالریان: القاهرة)

ٹِڈّی میں دس حیوان کی خِلقت

☆ ’فتح الباری‘ ص: ۴۵۳، ج: ۱۲، دار طیبة: الریاض اور ’إرشاد الساری‘ ص: ۲۵۴، ج: ۱۲، العلمیة: بیروت وغیرہ میں ہے، کہ ٹڈی میں دس حیوان کی خِلقت وہیئت ہوتی ہے:

(۱) گھوڑے کی طرح چہرہ، سر اور منھ
(۲) ہاتھی کی طرح آنکھیں
(۳) بیل کی طرح گلا

(۴) بارہ سنگھا کی طرح سینگ

(۵) شیر کی طرح سینہ

(۶) بچھّو کی طرح پیٹ

(۷) گدھ کی طرح پَر

(۸) اونٹ کی طرح رانیں

(۹) شترمرغ کی طرح پنڈلیاں

(۱۰) سانپ کی طرح دُم

مچھّر

☆ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے عجائبات میں سے ہے کہ مچھّر بہت چھوٹا ہوتا ہے اور اس کی سونڈ بھی نہایت چھوٹی اور کھوکھلی ہوتی ہے ، وہ اپنی سونڈ کو نہایت چھوٹی اور کھوکھلی ہونے کے باوجود ہاتھی اور بھینس کی کھال میں ایسے داخل کر دیتا ہے ، جیسے آدمی اپنی انگلی کو کھجور گھی کے حلوے میں داخل کرتا ہے ؛ حالاں کہ ہاتھی اور بھینس کی کھال موٹی اور سخت ہوتی ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مچھّر کی سونڈ کے سرے پر زہر رکھا ہوا ہے ۔

(التفسیر الکبیر للرازی ، ص : ۱۳۵ ، ۱۳٦ ، ج : ۲ ، دار إحیاء التراث العربی : بیروت)

☆☆☆☆☆

تجھے اللہ کا واسطہ

☆ سُرَیْجْ بن یونس البغدادی رحمۃ اللہ علیہ (وفات: اصح قول کے مطابق ۲۳۵ھ) جو 'صحیحین' وغیرہ کے راوی ہیں، فرماتے ہیں:

میں ایک رات گھاٹ پر تھا، میں نے مینڈک کی آواز سنی، دیکھا تو ایک مینڈک سانپ کے منہ میں تھا، میں نے سانپ سے کہا: میں تجھے اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ اسے چھوڑ دے، تو سانپ نے اسے چھوڑ دیا۔

(تهذيب التهذيب، ص: ۲۷۰، ج: ۳، دارالفکر: بیروت)

وَصَلَّى اللّٰهُ وَسَلَّمَ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِيْن. وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن.